مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

جز آیت نمبر 6 المائدہ نمبر 5

(اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ
تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر مکمل کرے شاید کہ تم شکر گزار ہو)

خود ساختہ روایات و توہمات سے پاک چند بنیادی حقائق۔

فروغِ آگہی

تعارف:-
شرک۔
امامت الناس۔
بعد از خدا۔
معراج النبی۔
ازواج النبی۔
عورت کا مقام۔
غیر اسلامی پردہ۔
طلاقِ بدعت۔
میک اپ اور نماز۔
شیعہ بزرگ کا
مراسلہ اور جواب۔
تصویر و تمثیل۔
شہید کی زندگی۔
مسلمان اور
مخلوط معاشرہ

تصنیف
صاحبزادہ راشد مسعود گنگوہی
(ایڈوکیٹ سپریم کوٹ آف پاکستان)
262/C گلشن راوی۔ لاہور۔
(نبیرہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ)

ملنے کا پتہ:- بگ ہٹ۔ دکان نمبر 5/9 عباس پلازہ، مون مارکیٹ، گلشن راوی لاہور۔

Marfat.com

Marfat.com

حقوقِ طباعت محفوظ نہیں ہیں۔

فروغِ آگہی

خودساختہ روایات اور توہمات سے پاک چند بنیادی حقائق۔

(ذوقِ آگہی کے بعد دوسری تصنیف)

تحریر وتصنیف :-

صاحبزادہ راشد مسعود گنگوہی

(ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)

262/C گلشنِ راوی، لاہور۔

(نبیرہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہ)

طابع وناشر ---------- حماد عتیق بخاری

مطبع ---------- علی رضا پرنٹر لاہور

قیمت ---------- ~~150/=~~ 135/= روپے

طباعت ---------- مارچ 2002ء

ملنے کا پتہ :-

بک ہٹ۔ دکان نمبر 5/9 عباس پلازہ، مون مارکیٹ، گلشن راوی لاہور۔

عزیزیز پبلشرز :86/D گلبرگ، لاہور۔

Marfat.com

۲۹۷
ق ۲۷۱
۵۷۶۹۷

تو اگر خواھی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اگر مسلمان کی زندگی جینا چاہتے ہو تو
صرف قران کے مطابق ہی جی سکتے ہو
(علامہ اقبال)

ہر معاشرے مین باکردار لوگ موجود ہوتے ہیں۔ مگر جب تک باکردار لوگ فعال (Active) نہ ہوں یا فعال (Active) لوگ باکردار نہ رہیں، تو معاشرے کی بہبود ممکن نہیں۔

Marfat.com

مفہوم الفاظ

کتاب کے بعض الفاظ عام فہم نہیں ہیں۔ان کا مفہوم درج ذیل ہے تاکہ حسب ضرورت استفادہ کیا جاسکے۔

ا

ابہام :- غیر واضح۔مشتبہ

احتیاج :- حاجت ہونا۔ضرورت ہونا

ادراک :- علم۔احساس

ارتقا :- ترقی۔اضافہ

استعانت :- مدد مانگنا

استحضار :- یادرکھنا

استفادہ :- فائدہ حاصل کرنا

اسلاف :- گزشتہ نسلیں

اسیر :- قیدی

اکناف :- کنارے

الوہیت :- خدا ہونا۔اللہ ہونا

انحراف :- خلاف ورزی

انکشاف :- ظاہر ہونا۔کھول دینا

امر :- حکم (جمع اوامر)

ب

باطنی :- اندرونی۔روحانی

بدیع :- نیا کام۔نئی بات

بعثت :- بیداری۔ابتداء

بطن :- شکم۔پیٹ

ت

تالیف :- موجود تحریرات کا جمع کرنا

تجسیم :- کسی چیز کا جسم بنانا

تحسین :- کسی حسن یا خوبی کا ذکر

تحمید :- حمد یا تعریف کرنا

تحریص :- حرص یا لالچ دلانا

تدریج :- درجہ بدرجہ

تضحیک :- مذاق اڑانا

ترغیب :- رغبت / شوق دلانا

تطہیر :- پاکیزگی

تقدیم :- پہل کرنا

تقلید :- نقل / پیروی کرنا

تمسخر :- مذاق بنانا

تھیوری :- قیاس

ث

ثانوی :- بعد کا۔دوسرا نمبر

ح

حتمی :- یقینی

حسنہ :- اچھا

(بمقابل سیئہ۔برا)

حلم :- نرم دلی

Marfat.com

خ

خرق عادت :- عادت کے خلاف

خرق فطرت :- فطرت کے خلاف

خفت :- خفیف۔ ہلکا پن

ر

رمز :- اشارہ۔ راز۔ خفیہ

س

سطحی :- بالائی۔ کم گہری۔ اوپری

سیئہ :- خراب۔ (بمقابل حسنہ۔ اچھا)

ض

ضمنی :- عبوری۔ درمیانی

ع

عفو :- معافی

ف

فاطر :- فطرت بنانے والا۔ پیدا کرنے والا

فحش :- عریاں۔ بے ہودہ

فوق البشر :- انسانیت سے بلند۔ غیر انسانی

فوق الفطرت :- غیر فطری

ق

قرن :- زمانہ

ک

کاوش :- کوشش

کماحقہ :- جیسا کہ حق ہو

م

ماسبق :- جو پہلے تھا

مافوق :- جو اوپر ہے۔

ماورا :- بعید۔ بالا

مبینہ :- جو بیان ہوا

متصادم :- مخالفت۔ ٹکرانا

متصف :- صفت کا حامل

محولہ :- جس کا حوالہ ہو

مرتب :- ترتیب شدہ

مروج :- رواجی

مستعان :- جس سے اعانت / مدد لی جائے

مسخر :- فائدہ پہنچانے کے لئے پابند

مستعمل :- استعمال میں

مشیت :- طے شدہ ارادہ

مصفا :- صاف شدہ

مطہر :- پاکیزہ

مضمر :- پوشیدہ

ممد :- امداد کرنے والا

ممیز :- امتیاز والا۔ علیحدہ

من وعن :- حرف بہ حرف

منزہ :- پاک وصاف

میزان :- ترازو

ن

نبرد آزما :- زور آزما۔ جنگ

نہی :- جو منع ہو۔ (جمع نواہی)

و

ودیعت :- عطا۔ بخشش

وساطت :- ذریعہ۔ وسیلہ

Marfat.com

ا

تعارف مضامین

صفحات

حروفِ آغاز I-II

انتساب

1۔ اول : بنام والدِ ماجد غفر لہ III

دوئم : بہ پیشہ وکالت IV

2۔ تشکر 1

حضورِ خالق و مسجودِ کائنات' اللہ جل جلالہ

حضورِ سرورِ کائنات' حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

حضورِ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

3۔ شرک 3

نا قابلِ معافی گناہ۔

4۔ امامت الناس 14

حضرت ابراہیم علیہ السلام' امام الناسِ اول

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ' امام الناسِ آخر۔

5۔ بعد از خدا بزرگ 21

ذکرِ عظمت و بشریت حبیبِ خدا ﷺ

6۔ معراج النبی ﷺ 40

حقیقت، عقیدت، تجزیاتی مطالعہ۔

7۔ تعددِ ازواج النبی ﷺ 60

حکمت ــــ یا ــــ معذرت۔

8۔ تخلیق آدم و حوا 65

اسرار و حکمت، خلافت و فضیلت۔

9۔ مسئلہ تقدیر 85

سعی و توکل کی ہم آہنگی۔

10۔ عورت کا قرآنی مقام 99

تقابلی جائزہ، انسانی حیثیت، حقوق محرومیاں

خدائے مجازی کا جاہلانہ تصور، مرد کی ایک درجہ فوقیت۔

11۔ مروّج پردہ 127

ایک غیر اسلامی رسم۔

12۔ طلاقِ بدعت 135

ایک ایسی تباہی جو قرآن و سنت سے متصادم ہے۔

13۔ آرائش جمال اور ادائے نماز 145

نہ میک اپ ناجائز ہے نہ ہی نماز میں حارج ہے۔

Marfat.com

14۔ تصویر و تمثیل 149

اسلام میں ان کی حلت و حرمت۔

15۔ تواصوبالحق 157

ایک شیعہ بزرگ کا علمی مراسلہ اور

قرآن و حدیث و تاریخ سے جواب۔

16۔ شہید کی زندگی اور ہر نفس کے لیئے 180

موت کا ذائقہ

ہم آہنگی کی تلاش۔

17۔ سفر کی دعائیں 187

کیا جاندار سواری اور بے جان سواری کے لئے ایک ہی

دعا ہے؟ ایک تحقیقی جواب۔

18۔ الصفاوالمروہ 191

شعائر اللہ کیوں؟

19۔ مخلوط معاشرہ میں اسلامی طرزِ فکر و عمل۔ 197

20۔ آیاتِ قرآنی۔ مفہوم 216

آیاتِ قرآنی دراصل قوانینِ خداوندی ہیں۔ یہ آیات تخلیق

کائنات، تخلیق انسان، ہدایت و گمراہی، اجر وزجر، مادیات و

Marfat.com

روحانیات، معاشرت و معاش، نظامِ اخلاق و انصاف، عروج
وزوالِ اقوام، ستاروں، سیاروں سے لے کر حشر ونشر تک
محیط ہیں ___ ایک فکر انگیز نظریہ۔

21۔ تقویٰ ___ صحیح مفہوم 252

22۔ تسبیح 255

لفظ سبحان کا مفہوم
تسبیحِ طبعی
تسبیحِ اختیاری

23۔ The Thinking of Muhammad 261

24۔ تین سوال 266

25۔ اختتام 269

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حروفِ آغاز

ہمارا مقصدِ زندگی رضاءِ الٰہی کا حصول ہونا چاہئے جو دنیا و آخرت کی بہبود کی ضمانت ہے۔ اس لئے چند اہم نکات احکامِ قرآنی پر مشتمل اور حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر پیش کر رہا ہوں۔ یہ ایک نیک مشورہ ہے۔

1۔ اللہ کی طرف کوئی ایسی بات نہ منسوب کیجئے جس کی سند قرآن سے نہ ملتی ہو۔ اس کی بابت سخت وعید ہے۔

ترجمہ آیت نمبر 144 الانعام نمبر 6 جزو

" پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی بات کہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کو گمراہ کرے"۔

2۔ قرآنِ حکیم، کتابِ مبین ہے۔ اللہ نے اپنے احکام و قوانین (آیات) کھول کر بیان فرما دیے ہیں اس لئے مشکوک اور مشتبہ مسائل کو جزوِ ایمان نہ بنائیں۔ کسی صحیح یا غلط عقیدے کے غیر اہم ہونے کیلئے یہ ثبوت کافی ہے کہ اس کا ذکر قرآن حکیم میں موجود نہیں۔

3۔ اللہ کا یہ واضح ارشاد ہمیشہ یاد رکھیں کہ تمام مومن آپس میں بھائی ہیں۔

(آیت نمبر 10 حجرات نمبر 49)

ہر وہ شخص مومن ہے جو اللہ کی وحدت، قیامت پر یقین، رسالتِ محمدی پر ایمان اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا یقین رکھتا ہو۔ فقہی اختلافات، ضمنی عقائد کا اختلاف یا نیک عمل کی تشریحات کسی کو خارج از ایمان نہیں کر دیتیں۔ وہ آپ کا بھائی ہے۔ اگر آپ کا مومن بھائی نہ بھی ہو تو بھی اللہ کا بندہ ضرور ہے۔ اس کے بھی تمام انسانی حقوق کا احترام کیجئے۔

4۔ ہر شخص کو شر سے محفوظ رہنے کا حق حاصل ہے اور ظلم کے خلاف دفاع ہر ایک کا فرض ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ o جزو آیت نمبر 279 البقرۃ نمبر 2

Marfat.com

ترجمہ : نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

کربلا میں حضرت حسینؑ کا اسوہ مبارکہ اسی آیت کی عملی تفسیر ہے۔

5۔ دین میں افتراق (فرقہ واریت) سے حتی الامکان گریز کریں۔

اللہ کا حکم آیت نمبر 165 الانعام نمبر 6 میں ملاحظہ کریں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْ دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْ شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِی شَیِ ٥

ترجمہ : جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے کر دیا اور گروہ بن گئے تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

6۔ اپنی جدوجہد کا درج ذیل آیت کی روشنی میں جائزہ لیتے رہئے کہ کہیں ہم خسارہ کی جدوجہد نہ کر رہے ہوں۔ آیت نمبر 104 الکھف نمبر 18 میں ارشاد ہے :

ترجمہ : (اے نبی) ان سے کہو کہ کیا کہ ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ نامراد کون لوگ ہیں ؟ وہ جن کی دینوی زندگی کی ساری جدوجہد راہِ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بالکل ٹھیک کر رہے ہیں۔

7۔ تواصوبالحق ___ جس بات کو حق جانیں اس کی نصیحت دوسروں کو ضرور کیجئے۔ مگر نہ اس پر تنازعہ پیدا کیجئے نہ دوسروں پر ماننے کیلئے جبر کیجئے۔ اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے :-

"لا اکراہ فی الدین" (دین میں جبر نہیں ہے)

تواصو بالحق وتواصو بالصبر. (آیت نمبر 3 العصر نمبر 103)

8۔ ہر مسلمان مرد و زن سے انکی اپنی بہبود کے لئے عرض ہے کہ پانچ نمازوں کی فرض رکعتیں ضرور ادا کر لیا کریں۔ ادا نہ پڑھی جائیں تو قضا پڑھیں۔ پانچ وقت پابندی نہ ہو تو کم از کم ایک نماز ہی پڑھیں۔ اپنے معبود سے بندگی کا تعلق تو رکھیں کہ وہ ہمیں اپنے بندہ کے طور پر یاد رکھے۔ بندگی سے خارج ہی نہ کر دے۔

یہ آٹھ نکاتی احتیاط ہمیں ایک اچھا مسلمان اور اچھا انسان بنا دے گی۔ انشاء اللہ

اللہ ہمیں تعصبات سے پاک ذہن و قلب عطا فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتساب

اول :- حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم ومغفور کے نام

الحاج مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی غفرلہ 1909 تا 1995

مولانا محمود الحسن شیخ الہندؒ اپنے پیر کے پوتے کو "نھو میاں" کہہ کر شفقت سے بلاتے تھے۔ وہی عرفیت "حکیم نھو میاں" خاص وعام میں مشہور ہوئی۔ اصل نام کم لوگ جانتے تھے۔

وجہِ انتساب صرف یہ نہیں کہ وہ میرے والد ماجد تھے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان کی گرانقدر توجہ، محنت اور غیر معمولی دلچسپی نے ابتداءً اللہ کی وحدت، سیرتِ طیبہ اور قرآنِ حکیم سے متعارف کرایا۔ اس آگہی نے ذوقِ طلب کو بنیاد فراہم کی۔ اس احساسِ ممنونیت کے ساتھ ان کا مختصر ذکرِ خیر کرنا مناسب ہوگا۔

حضرت والد صاحب قبلہ' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ (حضرت گنگوہیؒ کے بڑے صاحبزادہ الحاج، حافظ حکیم مسعود احمدؒ صاحب کے بڑے صاحبزادہ تھے) دار العلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ آبائی پیشہ طبابت ذریعہ معاش اختیار کیا۔ تمول وعلمی ماحول وراثت میں پایا۔ ان کے تبحرِ علمی اور حذاقتِ طبی کا شہرہ یوپی کے مغربی اضلاع اور دہلی میں بالخصوص اور مدرسہ دیوبند سے متعلق تمام مسلمانانِ پاک وہند میں بالعموم تھا۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کی دعوت پر اکتوبر 1988 میں آخری بار پاکستان تشریف لائے۔ 23 مارچ 1995 کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت کی اور خلافت (مجاز بالصحبت) کا شرف حاصل کیا۔ ہم نے انہیں کبھی گناہِ کبیرہ کا مرتکب یا ترکِ فرائض میں (بلا عذرِ شرعی) ملوث نہ دیکھا۔ اتباعِ شریعت، امانت، صداقت اور صلہ رحمی ہمیشہ شعار رہا۔

انسانی خامیاں بھی موجود تھیں مگر وہ گناہ کے زمرہ میں نہیں آتیں۔ اللہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں رکھے اور آخرت میں بھی عزت وتعظیم عطا فرمائے۔

انتساب دوئم

بنام پیشہ وکالت

دوسرا جذبۂ امتنان وتشکر میرے دل میں اپنے پیشۂ وکالت کے لئے ہے۔

تحقیق و تجزیہ و تنقیدی فکر کی جو صلاحیت بھی اللہ نے عطا فرمائی وہ اس پیشہ کے توسط سے ممکن ہوئی۔بغیر دلیل اندھی عقیدت سے گریز اس پیشہ کی ودیعت ہے۔اس عادت اور فکری رجحان نے عظیم حقیقتوں سے روشناس کرایا۔

یہ بنیادی ایمان کہ قرآنِ حکیم اللہ کا کلام ہے اور اس کا ہر لفظ حکمت کا حامل ہے اور قرآنی دعوتِ غور و فکر راہ نما ثابت ہوئے۔وکالتی اسلوبِ فکر نے دریافتِ حقیقت کے لئے دلائل و سہولت فراہم کی۔گوھرِ تحقیق بہت محدود اس لئے ہے کہ میرا علم بھی ناقص ہے اور عقل بھی محدود ہے۔مگر ان نقائص پر حتی الامکان قابو پانے میں اسی اسلوب نے مدد کی ہے۔

طلب میں اگر خلوص ہو اور طریقۂ تحقیق درست اپنایا جائے تو میرا ایمان اور تجربہ ہے کہ اللہ قرآنِ حکیم سے ضرور راہنمائی فرماتا ہے۔مگر یہ طلب و راہنمائی دونوں طالب کی صلاحیت پر منحصر ہوتی ہیں۔جو کچھ لکھا یا سمجھا وہ دیانت اور دلیل پر مبنی ہے مگر غلطی کے امکان سے نہ انکار ہے نہ مفر۔ اللہ اس کاوش کا اجرِ بے حساب عطا فرمائے۔آمین۔

صاحبزادہ راشد مسعود گنگوہی

ایڈووکیٹ

تشکّر

بحضور خالق و مسجودِ کائنات

جس کی رحمانیت عام ہے۔ عطائے علمِ قرآن اس رحمانیت کا عظیم ترین انعام ہے۔ جس نے اس کتابِ فرقان کی حفاظت فرمائی اور درست جمع و تلاوتِ قرآن کی ذمہ داری نبھائی۔ یہ ہدایتِ عام اس کا احسان ہے۔ ہم احسان ناشناس ہیں مگر اسی کے دامنِ عفوودر گذر کی پناہ مانگتے ہیں۔ ہمارے سجدۂ شکر کو وہ قبول فرمائے۔ آمین۔

ہدیۂ تعظیم و صلاۃ و سلام بحضور سرورِ مخلوقات' خاتم الانبیاء' احمدِ مجتبیٰ' محمدِ مصطفیٰ ﷺ جن کا ذکر اللہ نے بلند فرمایا' جنہیں رحمت اللعالمین بنایا' جن کے اتباع میں محبتِ ربانی مضمر ہے۔ وہ ذاتِ مقدس ممدوحِ خالق و ملائکہ و مومنین ہے۔ جن کے توسط سے قرآنِ حکیم لفظاً، معناً اور عملاً ہم تک پہنچا۔ اللہ رب العزت انہیں مقامِ محمود کے مرتبۂ بلند پر فائز فرمائے جس کا

Marfat.com

انؐ سے وعدہ فرمایا ہے۔ آمین۔

ہدیۂ تشکر و امتنانِ قلبی ہے بخدمتِ جلیلہ سیدنا عمر بن الخطاب الفاروق رضی اللہ عنہ جو مرادِ دعائے رسولؐ ہیں۔ سببِ شوکتِ اسلامی ہیں جن کا عدل لاجواب ہے۔ جن کی تمیزِ حق و باطل بے مثال ہے۔ جن کی فراست و بصیرت نے اِعادۂ قرآنِ حکیم کے لئے رمضان المبارک میں سلسلۂ نمازِ تراویح کو منظّم کیا جس کے نتیجہ میں کروڑوں دماغ و قلوب حفظِ قرآن سے منور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی طرح آخرت میں بھی قربتِ رسول ﷺ سے سرفراز فرمائے۔ ان کے مراتب بلند فرماتا رہے۔ آمین۔

راشد مسعود عفیہ عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرک

قطعاً نا قابلِ معافی گناہ ہے

انسانی ذہن محسوسات کا اسقدر عادی ہو گیا ہے کہ ماورائے محسوسات وہ حقیقتیں جو ایمان بالغیب سے تعلق رکھتی ہیں وہ عموماً ثانوی حیثیت کی رہ گئی ہیں۔ ان غیب کی سچائیوں کو ہم زبان سے مان تو لیتے ہیں مگر عمل میں ان پر یقین بہت کم نظر آتا ہے۔

ان غیب کی یقینی حقیقتوں میں سب سے بڑی حقیقت خدائے واحد کا وجودِ ذات و صفات ہے۔ اس نے اپنی بہت سی صفات کا پر تو خود انسان کو ودیعت فرمایا ہے۔ جیسے رحم ہے۔ نصرت، شفقت، حلم، سخاوت، عفو، عدل وغیرہ۔

لیکن اپنی کچھ صفات میں وہ یکتا بلا شرکتِ غیرے ہے۔ جیسے اوّل و آخر، حیّ و قیوم، متکبر، باعث، خالقِ مطلق، واحد، معبود و مستعان، عالم الغیب، باقی و لافانی اور احدیت وغیرہ اس کی مخصوص صفات ہیں۔

اللہ کی ان مخصوص صفات میں بھی خاص الخاص صفتِ معبودیت و استعانیت ہے۔ اس لئے سورۃ فاتحہ میں "اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ" ہم سے نماز کی ہر رکعت میں بار بار کہلاتا ہے کہ اس سبق کا ہمہ وقت استحضار لازمی ہے۔ اسے بھولنا نہیں ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہی کی جا سکتی ہے اور مدد و اعانت صرف اللہ ہی کرتا ہے۔ اس استعانت کے صحیح مفہوم کا یقین بھی اس مضمون میں کرینگے۔ انشاء اللہ۔

اس موضوع پر کسی حد تک تفصیل میں جانے سے قبل یہ لازمی ہے کہ اس کی اہمیت سے ہم باخبر ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا بالکل واضح اعلان ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۰﴾ (آیت نمبر 48 النساء نمبر 4)

ترجمہ: (اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا اس کے سوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے شریک ٹھہرایا اس نے بہت بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور

Marfat.com

عظیم گناہ ہے)۔

اس آیتِ مبارکہ میں اعلانِ عام کر دیا گیا۔ شرک کسی صورت معاف نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ ہر گناہ اللہ چاہے گا تو معاف کر سکتا ہے۔ ان قابلِ معافی گناہوں سے مراد اغلباً وہ گناہ ہیں جو ہم اللہ کی نسبت کر لیتے ہیں۔ بنی نوعِ انسان میں کسی پر ظلم، زیادتی، غصبِ حقوق، ایک دوسرے کے اموال باطل طور پر کھا جانا یا دبا لینا وغیرہ وہ گناہ ہے جو حقوق العباد کے تلف اور پامال کرنے سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس کی تلافی اور معافی مظلوم ہی کرے گا۔ چونکہ یہ عینِ عدل ہے۔ حقوق العباد کی بابت قوانینِ سزا و جزا بہت سی قرآنی آیات میں بتا دیے گئے ہیں۔

اس ضمن کی دوسری آیت سورۃ مائدۃ نمبر 5 کی آیت نمبر 72 کا آخری جزو ہے۔ ارشاد ہوا:

إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ o

ترجمہ : جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

مشرک کے نیک اعمال

مشرک کے اس دنیا میں نیک اعمال بھی آخرت میں کسی کام نہیں آئیں گے۔ ہر صورت اس کا انجام جہنم ہے۔ تائید کے لئے تلاوت کیجئے آیت نمبر 105 مریم نمبر 19 + آیت نمبر 112 طٰہٰ نمبر 20

اس اعلان سے بعض لوگ قلبی طور پر غیر مطمئن رہتے ہیں اور کئی عقلی دلائل اللہ کے اس اعلان کے متعلق انکے ذہن اور زبان پر آتے ہیں ____ کیا سر گنگارام جس سے منسوب بہت سے رفاہی کام ہیں محض اپنے شرک کی وجہ سے جہنم میں لازماً جائے گا جبکہ ایک غیر مشرک جو چاہے سوچوں کا قاتل ہو، چاہے بے شمار عصمتوں کو برباد کرے اور چاہے باطل مال جتنا چاہے ہڑپ کر جائے وہ جنت میں جا سکتا ہے؟ جی ہاں اللہ کے اس اعلان کے مطابق صورتِ حال یہی ہے اور حق بھی ہے۔

اقرار وحدت اور اللہ کا رب ہونا وہ فطری صلاحیت ہے جو ارواحِ انسانی میں رچی بسی ہوئی ہے۔ جس طرح مٹی میں دبائے گئے بیج کی کونپل ہوا کے رخ اوپر آتی اور دوسری بطور جڑ زمین کے اندر جاتی ہے چونکہ یہ فطرت ہے۔ اگر اس پودے کو آپ الٹا بھی کر دیں تو باہر آنے والی کونپل کا رخ خود بخود دوبارہ ہوا کی طرف اور دوسری کا زمین کی طرف ہوگا۔

اسی طرح انسان کتنے ہی مشرکانہ ماحول میں تربیت پائے وہ جب بھی شعور کو پہنچے گا از خود وحدانیتِ ربانی سے آشنا ہوگا، ہاں اگر وہ خود فطری آشنائی کو جھٹلا کر شرک اختیار کرلے تو یہ اس کا اپنا انتخاب ہے۔

شرک کے ساتھ نیک اعمال کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ کسی شخص نے نہایت خوبصورت کوٹھی تعمیر کی جس کے ہر کمرہ کو اس نے ٹی وی، وی سی آر، ٹیوب لائٹوں سے مزین کر دیا۔ دن کی روشنی میں وہ کوٹھی جس قدر پُر شوکت تھی رات کو بالکل اندھیرے میں ڈوبی نظر آئے تو حیرانگی لازمی ہے۔ مگر استفسار پر چوکیدار بتاتا ہے کہ بجلی کے وہ دو تار جو ان آسائشوں کو جگمگا سکتے تھے منقطع ہیں لہٰذا وہ سب شان و شوکت رات کو بے وقعت ہوگی۔

دوسری طرف ایک جھگی ہے، شکستہ و مفلوک الحال ہے مگر رات کو اس میں ایک کمزور بلب کی روشنی مکین کیلئے باعثِ طمانیت ہے صرف اس لئے کہ وہ دو تار جو بجلی فراہم کرتے ہیں اس بلب سے منسلک ہیں۔

اعمالِ صالحہ کے روشن اور منور ہونے کے لئے بھی وحدت اور یومِ قیامت پر یقین کے دو تار نہ ہوں تو وہ تمام اعمال اکارت اور معمولی اعمال ان دو یقین کے تاروں سے روشن ہو سکتے ہیں۔

یہ شدید سزا کیوں؟

شرک کی اسقدر شدید ترین سزا ہونے کی وجہ اس کا فطرتِ انسانی سے شدید تضاد ہے۔ اس تضاد کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو واقعاتی اور دوسرا عقلِ سلیم سے ٹکراؤ۔

واقعاتی تضاد ...

واقعاتی تضاد کی خبر ہمیں خود اللہ تعالیٰ نے دی کہ وحدت اور ربوبیت اس نے انسانی ارواح میں ودیعت کی ہوئی ہے۔ ارشاد ہے :-

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِن م بَنِیٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ o قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا o

ترجمہ : اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے انکی نسل کو نکالا تھا اور خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا 'کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'؟ سب نے کہا کہ آپ ہی

Marfat.com

ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔

اس آیت سے اگلی آیات میں اس اقرار لینے کی وجہ بتائی گئی کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہو کہ ہم تو آپ کی وحدت اور ربوبیت سے بے خبر تھے یا یہ نہ کہو کہ شرک کی ابتداء تو ہمارے آباؤ اجداد نے کی تھی جس کے لئے ہم قصوروار نہیں ہیں۔

گویا وحدت کا ہم بحالتِ ارواح اقرار کر چکے ہیں۔ اب ہم نہ بے خبری کا عذر پیش کر سکتے ہیں نہ ہی آباؤ اجداد سے شرک اختیار کرنے کی بناء پر خود کو معصوم قرار دے سکتے ہیں۔ یہ اقرار ہمارے لاشعور میں ہمہ وقت موجود ہے اور شرک سے انحراف کا ہمہ وقت تقاضیٰ کرتا ہے۔ ہم کور عقلی سے اس تقاضے کو نظر انداز تو کر سکتے ہیں مگر بے خبری یا وراثت میں شرک اختیار کرنے کا عذر نہیں کر سکتے۔

عقلی و فطری تضاد

انسان کو اللہ نے عقلِ سلیم ودیعت فرمائی ہے اور اپنی فطرت پر اسے پیدا فرمایا اور اپنی روح میں سے کچھ حصہ آدم میں داخل فرمایا لہٰذا عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیم میں اپنے خالق اور رب کا "احد" ہونا ہماری فطرت میں موجود ہے اس سے انحراف و شرک عقل و فطرت سے شدید تضاد ہے۔ اللہ نے وحدت کے دلائل میں ایک سے زیادہ خداؤں (اگر ہوتے تو) کے درمیان اختلافات اور جنگ کا ہونا اور کائنات کی تباہی کا لازمی ہونا تھا۔ ملاحظہ ہو آیت نمبر 22 انبیاء نمبر 21۔ مگر ایسا نہ ہونا خدائے واحد کے وجود کا ثبوت ہے۔ ہندوؤں کی دیومالائی کہانیاں جو ہم آئے دن ٹی وی (T.V) پر دیکھتے رہتے ہیں وہ اس قسم کی جنگ کے عقلی مظاہرے ہیں۔

ایک مثال سے ہر شخص وحدتِ ربی کو یقینی جان سکتا ہے۔ دنیا کا کوئی شخص، خواہ کتنا ہی کم علم اور کم عقل ہو، جانتا ہے کہ اس کا باپ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور ماں بھی صرف ایک ہی ہو سکتی ہے۔ کوئی شخص بے خبری اور ہر قسم کی دماغ آشوئی (Brain Washing) کے باوجود دو یا زائد مردوں کو حقیقی باپ تسلیم نہیں کر سکتا نہ ایک سے زائد حقیقی ماؤں سے جنم لینے کو تسلیم کر سکتا ہے۔ پھر اپنے خالق اور رب کو ایک سے زیادہ کیسے تسلیم کر سکتا ہے۔

اللہ نے اپنی وحدت کے بعد والدین سے حسنِ سلوک کا حکم فرمایا۔ منہ بولے رشتے غیر حقیقی ہونے کی بناء پر اللہ نے ختم فرما دیے۔ اس سچائی کو رسولِ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک بھی تبدیل نہیں کر

Marfat.com

سکتی۔ حضرت زیدؓبن حارث زید بن محمدؐ نہیں بن سکتے۔ لھٰذا قرآن نے اس اعزاز سے حضرت زیدؓ کو خلافِ حقیقت ہونے کی بناء پر محروم فرمادیا۔ گو ایک منفرد اعزاز انہیں یہ دیا کہ رسولِ کریم ﷺ کے وہ تنہا صحابی ہیں جن کا نام قرآن میں موجود ہے۔ بہر حال یہ ایک ضمنی ذکر تھا۔

تو اگر کسی شخص کا باپ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے تو اس کا خالق بھی صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس گناہِ عظیم یعنی شرک کا جواز یا عذر ہو ہی نہیں سکتا۔

لھٰذا مشرک صرف جہنم کا حقدار ہے۔ اللہ ہم سب کو شرک کے شائبہ سے بھی محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

شرک کی اقسام

علماء نے شرکِ خفی اور شرکِ جلی (چھپا اور کھلا شرک) کی بے شمار اقسام تحریر فرمائی ہیں اور ہر قسم کی ذیلی قِسمیں بھی بتائی ہیں۔ مگر اس مضمون کا مقصد علمی تفصیلات سے زیادہ عملی اصلاحِ نفس ہے۔ اس حد تک کہ ہم دانستہ طور پر کھلے شرک سے بچ سکیں اور ہمیں ان کا شعور ہو۔

شرک فی العبادت واستعانت

اللہ نے اکثر مقامات پر عبادت اور پکارنا (مدد کیلئے) کے الفاظ ایک ہی مفہوم میں استعمال کئے ہیں۔ اللہ کے سوا عبادت واستعانت کسی غیر اللہ سے کرنا شرک ہے۔ پکارنا دراصل دعا کرنے کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس قسم کا شرک تین قسم کی موجودات سے کیا جاتا ہے۔

اوّل بے جان چیزیں مٹی، پتھر، لکڑی یا کسی دیگر شے کا بت۔ اس زمرہ میں چاند، سورج ستارے اور دیگر سماوی بے جان چیزیں بھی شامل ہیں اور جانور جیسے سانپ، ہاتھی، نیل کنٹھ اور درخت جیسے کہ پیپل یا تلسی کا پودا وغیرہ۔ یہ سب اشیاء یا جانور یا درخت یا تو خود ساختہ ہیں یا پھر قوانینِ فطرت کے پابند (بے شعور) اور نفع وضرر اور حاجت روائی کے سلسلہ میں قطعاً بے بس بلکہ بے شعور مخلوق ہیں۔ ان کی عبادت اور ان سے مدد طلب کرنا یا دعا مانگنا گویا کور عقلی کی انتہا ہے۔

آیت نمبر 113,114 ص۔ نمبر 38 میں ارشاد ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک پرکاہ کے بھی مالک نہیں۔

دوئم مرے ہوئے بزرگوں یا فرشتوں اور روحوں کی عبادت یا انہیں مدد کے لئے پکارنا یا ان

Marfat.com

سے دعائیں کرنا ہے۔ اس قسم کے شرک کی اللہ نے جگہ جگہ نشاندہی فرمائی ہے کہ وہ مرحوم ارواح قطعاً کوئی اختیار تمہارے نفع و ضرر پر نہیں رکھتیں۔ وہ روحیں تو خود اللہ کی رضا کی ہمہ وقت طلبگار ہیں اور نیک اعمال (جو خود کئے ہوں یا بطور باقیات الصالحات کئے جا رہے ہوں) کا وسیلہ برائے رضاءِ الٰہی تلاش کرتی رہتی ہیں۔ وہ مخلوق ہیں خدائی میں شامل نہیں۔ اور سب مخلوقات کی طرح اللہ کے سامنے بے بس ہیں۔

آیت نمبر 194 الاعراف نمبر 7 میں فرمایا کہ تم جنہیں خدا کے علاوہ پکارتے ہو وہ تو خود بندے ہیں جیسے کہ تم۔ نہ ان کے ہاتھ، نہ آنکھ، نہ کان (بصورتِ روح) کچھ بھی نہیں۔ پکار کر دیکھو تو وہ جواب تک نہ دیں گے۔

آیت نمبر 15 الزخرف نمبر 43 میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے بندوں میں بعض کو اللہ کا جزو بنالیا ہے۔ یہ انسان کی کھلی احسان فراموشی ہے۔

آیت نمبر 56,57 بنی اسرائیل نمبر 17 میں فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ پکار کر دیکھ لو انہیں جنہیں تم خدا کے علاوہ کارساز سمجھتے ہو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور نہیں کر سکتے"۔ وہ بندے یا فرشتے تو خود اللہ کے حضور (نیک اعمال کا) وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کسی طرح اسکی رحمت سے قریب تر ہوا جائے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہیں۔

آیت نمبر 101 سورۃ کہف نمبر 18 میں فرمایا کہ مجھے چھوڑ کر یہ کافر میرے بندوں کو کارساز بناتے ہیں۔ ان کے لئے جہنم تیار ہے۔

اور آخر میں ایک آیت نقل کرتا ہوں جس میں خطاب رسولِ کریم ﷺ سے ہے اور اس سے قیاس کیجئے کہ کسی دوسرے کی حیثیت شرک کے سلسلہ میں کس قدر سنگین ہے۔

آیت نمبر 213 الشعراء نمبر 26 میں ارشاد ہوا۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝

ترجمہ : (پس اے نبی) اللہ کے ساتھ کسی دیگر معبود کو نہ پکارنا ورنہ تم بھی عذاب زدوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

یہ کس قدر لرزہ خیز ہے۔ اللہ کی پناہ۔

ہمارے عام مسلمانوں میں قبر پرستی، ارواح پرستی، شہداء پرستی، صحابہ پرستی اور اسلاف پرستی عبادت میں تو کم مگر استعانت میں زیادہ مروّج ہے۔ اللہ نے ان تمام قسم کے بزرگوں کی بندگی کی حیثیت، ان کی رضاو تقربِ الٰہی کی طلب اور ان کی نفع وضرر پر ہی نہیں بلکہ جواب تک دینے کی بابت بے بسی کو واضح فرمادیا۔ پھر بھی ہم اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ کے ساتھ انہیں پکاریں تو کھلا شرک ہے جس کی بابت ہمیں علم دے دیا گیا۔ یہ ہماری خواہشات ہیں کہ ہم نے ان خیالی اور وہمی خداؤں کو جنم دے کر انہیں اپنا کارساز اور ولی سمجھ لیا ہے۔ ورنہ وہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہماری ہی طرح بے بس مخلوق اور اللہ کی رحمت کے محتاج ہیں۔

دراصل ارواح پرستی اور اسلاف پرستی میں دو قسم کے شرک سرزد ہوتے ہیں۔

ان اسلاف اور ارواح کو اللہ کی طرح ہر جگہ اور ہمہ وقت حاضر وناظر سمجھتے ہیں جبکہ یہ صفت صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ دوسرے ہم خدائی اختیارات میں انہیں شریک سمجھ لیتے ہیں جو ہرگز ممکن نہیں۔ اللہ نے واضح فرمادیا کہ بصورتِ روح نہ ان کے ہاتھ ہیں کہ کچھ کر سکیں، نہ آنکھ، نہ کان وہ دوسروں کی نہ مدد کر سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ وہ اللہ کی اجازت اور اسکے توسط سے شاید کر سکیں اور خدا سے دعا بھی مانگ سکتے ہیں جو ان ظاہری جوارح کا محتاج نہیں۔ وہ بے آواز دعا بھی سن سکتا ہے۔ ہماری دعا کی درخواست بھی ان تک پہونچا سکتا ہے۔ گویا وہ اسلاف ہر قدم پر اللہ کے ہی محتاج ہیں۔ جیسے کہ ہم ہیں۔ مگر ان کی عظمت وبزرگی اور انکی دعا کی طہارت اللہ اپنی رحمت سے قبول کرتا ہے۔ لہٰذا انکی عظمت کے حوالہ سے اللہ سے دعا کرنا مفید ہو یا نہ ہو مگر مضر بھی نہیں۔ اسی طرح ان مرحوم بزرگوں سے دعا کی درخواست کرنا بھی اللہ جانے کہ کیا اثر رکھتا ہے مگر گناہ بہر حال نہیں۔

شرک بالصفاۃ

یہ شرک کی وہ قسم ہے جو اللہ کی مخصوص صفات میں غیر اللہ کو شامل کر کے یا ان اللہ کی صفات کا انکار کر کے کیا جاتا ہے۔

عیسائیوں کے یہاں (Trinity) تثلیث کا تصور اللہ کی صفتِ یکتائی کے خلاف ہے۔ اس کی یہ صفت کا کہ اس کا ہم سر کوئی نہیں، نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے، نہ اسکی کوئی اولاد ہے۔ وہ بے مثل اور یکتا ہے۔ یہ تثلیث کا تصور منکر ہے۔

Marfat.com

پارسیوں نے اہرمن اور یزداں (برائی کا خدا اور نیکی کا خدا) کے تصور سے اللہ کی بطورِ یزداں بے بسی ایجاد کرلی کہ اہرمن پر یزداں کو قابو حاصل نہیں۔ اہرمن کو یزداں کا ہمسر بنا کر اللہ کی صفت ''علی کل شئی قدیر (کہ وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے) سے گویا انکار کردیا۔ یہ شرک بالصفات ہے۔ خود مسلمانوں نے علم غیب میں دوسروں کو شریک کرلیا۔ جبکہ عالم الغیب والشہادۃ ہونا صرف اللہ کی مخصوص صفت ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔

اسی طرح اللہ نے اعلان فرمادیا ہوا ہے کہ وہی صرف یوم الدین (روزِ قیامت) کا مالک ہے۔ مگر ہم نے چند عظیم کردار کے حامل اسلاف کو رسولِ کریم ﷺ کے مبینہ حوالہ سے جنت کی سرداریاں تقسیم کردی ہوئی ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ ان گرامی قدر ہستیوں کیلئے جنت کی سرداری کی دعا تو فرماسکتے تھے مگر عطا نہیں فرماسکتے تھے۔ خود رسولِ کریم ﷺ سے کہلوادیا گیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو۔ مجھے صرف قرآن کا اتباع کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَمَآاَدْرِی مَا یُفْعَلُ بِی وَلَا بِکُمْ o اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ ......o

(جزو آیت نمبر 9 الاحقاف نمبر 46)

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے اور تمہارے ساتھ کیا ہونا ہے میں تو بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔

سورہ نصر 110 میں رسولِ کریم ﷺ کو استغفار کا حکم آنجناب ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری مہینوں بھی دیا جارہا ہے۔ اس لئے کہ صرف اللہ ہی غفور اور تواب ہے۔ پھر ان ہستیوں کے متعلق جن کی تمام زندگی ابھی باقی تھی اللہ یہ خبر بھی کیسے دیتا کہ ان ہستیوں کو جنت کے سردار بنادیا گیا ہے۔ یہ ہماری ان عظیم ہستیوں کے حسنِ کردار کی وجہ سے خوش اعتقادی ہے جس کا جمعہ کے خطبوں میں ہم بلا سند اللہ سے منسوب کرکے اعلان کئے جاتے ہیں۔ یہ اس کی صفتِ مالک یوم الدین میں مداخلت ہے۔ ان عظیم ہستیوں کے لئے معاذاللہ تحقیر یا تخفیف مراد نہیں ہے مگر شرک بہر صورت شرک ہے۔ اللہ کی یومِ قیامت اور جنت و دوزخ کی ملکیت میں کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا اور اللہ آزمائشِ ایمان و عمل کے بغیر کسی کو سند عطا نہیں کرتا۔

اس اصول کی تائید کے لئے ایک آیت مبارکہ کا ترجمہ تلاوت فرمائیں۔

Marfat.com

آیات نمبر 127,128 سورۃ آل عمران نمبر 3.

"(اے پیغمبر) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہے۔ جس کو چاہے بخش دے جس کو چاہے عذاب دے۔ وہ معاف کرنے والا اور رحیم ہےo"

اس اصول کی وضاحت اللہ نے کر دی کہ عذاب و مغفرت کے فیصلہ کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔ اس میں رسولِ کریم ﷺ بھی شریک نہیں۔ کیا ہم صرف روایات کی بنا پر اس اصول سے منحرف ہونے کی جراءت کر سکتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ مگر ہم شاید نادانی میں ایسا ہی کر رہے ہیں۔

شرک اللہ کے نزدیک اس قدر عظیم گناہ ہے کہ خود رسولِ کریم ﷺ کہ اس کی محبوب ترین ہستی تھے اس گناہ عظیم کی پاداش سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

آیت نمبر 213 الشعراء نمبر 26 مذکورہ بالا دراصل ہمیں شرک کی سنگینی کا احساس دلانے کے لئے نازل فرمائی گئی ورنہ وہ ذاتِ قدسیؐ تو عام گناہوں سے بھی مبراء اور محفوظ تھے چہ جائیکہ ایسا گناہ۔

شرک برائے شفاعت

یہاں یہ بات ذہن میں واضح ہونا ضروری ہے کہ شفاعت اور دعا میں مماثلت کے باوجود نہائت بنیادی فرق ہے۔

دعا ایک بندہ کی درخواست ہے جو اپنے معبود، اپنے خالق سے امید و بیم کے ساتھ کی جاتی ہے کہ وہ اسے قبول کرنے یا نہ قبول کرنے کا مجاز ہے۔ بندہ کا استحقاق صرف اس مالک کی رحمت تک محدود ہے جس نے رحمت کو خود پر فرض فرمالیا ہے۔ اس رحمت کے متوجہ کرنے کے لئے مالکِ کائنات کی عظمت، تعریف و توصیف، اپنا عجز اور بے چارگی لجاجت سے عرض کر دینا ہے اور اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا ہے۔ اس کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْہُ اَسْتَجِبْ لَکُمْ.

ترجمہ: اسے پکارو وہ تمہیں جواب دیتا ہے (یعنی دعا کو حسبِ حکمتِ ربانی قبول کرتا ہے)۔

یہ گزارشات ایک عام دعا کے لئے ہیں۔ دعاؤں کی کچھ اقسام عام دعاؤں سے مختلف ہیں۔

ایک وہ قسم کی دعا ہے کہ خود اللہ کے حکم کی تعمیل میں کی جاتی ہے۔ جیسے " ربنا اتنا فی

الدنیا حسنة ..... الخ. یا ہمیں اپنی اور اپنے والدین کی مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا۔ قبولیت اللہ کی مصلحت ہے مگر تعمیلِ حکمِ الٰہی کا اجر ہر صورت ملتا ہے۔

دیگر وہ دعائے مغفرت جو رسول اللہ ﷺ کو مؤمنین کے لئے کرنے کا حکم ہوا اسکی قبولیت یقینی تھی۔ مگر ایک طرف رسولِ کریم ﷺ اعزاز عطا ہوا دوسری طرف مؤمنین کی تالیفِ قلب مقصود تھی۔ جیسے آیت نمبر 19 سورۃ محمد نمبر 47 میں حکم ہوا۔ اور بھی کئی مقامات پر ایسے احکام ہیں۔

ایک منفرد دعا جس میں اللہ اور فرشتے بھی شامل ہیں مگر مؤمنین کی اپنی بہبود کے لئے رسولِ کریم ﷺ پر درود سلام بھیجنے کا حکم ہوا۔ قبولیت دعا سے پہلے ہو چکی۔ مؤمنین کی عزت افزائی کی گئی کہ رسولِ کریم ﷺ کی عظمت میں اضافہ کی دعا کا حکم ہوا۔

(آیت نمبر 56 سورۃ احزاب نمبر 33)

شفاعت

دعا سے بالکل مختلف چیز شفاعت ہے۔ شفاعت وہ درخواست ہے جو ایک بااختیار ہستی سے اس سے بالا یا برابر رتبہ کی کی شخصیت کرے یا وہ ہستی جسے تقربِ خاص حاصل ہو۔ اسکی منظوری تقریباً یقینی ہوتی ہے۔

اللہ سے شفاعت کے لئے اس سے بالا یا اسکی ہم رتبہ ہستی تو کائنات میں ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر مقرب ہستیاں ہو سکتی ہیں۔ مقرب ہستیوں کی شفاعت کا اللہ نے ایک اٹل ضابطہ مقرر فرمادیا ہے کہ اسکی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کی جا سکتی۔ اور کوئی مقرب ہستی اللہ کی ناراضگی کا خطرہ نہیں لے سکتی۔ اللہ شفاعت کی اجازت دیتا ہے تو قبولیت کا وعدہ اجازت میں مضمر ہوتا ہے۔

لھٰذا کسی بھی ہستی سے شفاعت کے لئے نہ اسکی عبادت کی جا سکتی ہے نہ اسے پکارا جا سکتا ہے اس لئے کہ از خود اسے شفاعت کا اختیار ہی نہیں ہے۔ اسے پکارنے یا اس سے دعا کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ شفاعت بلا اجازت ممکن نہیں۔ ملاحظہ ہوں :

آیت نمبر 26 النجم نمبر 53 + آیت نمبر 255 بقرۃ نمبر 2

اس قسم کے شرک کی جو شفاعت کے وہم سے کیا جائے اس کا ذکر اللہ نے مندرجہ ذیل آیات میں وضاحت کر دیا ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 3 الزمر نمبر 39 + آیت نمبر 57 بنی اسرائیل نمبر 17 + آیت نمبر 28 انبیاء نمبر 21

تجسیم صفات

الحمد اللہ کہ مسلمانوں میں اس قسم کا شرک نہیں در آیا مگر چونکہ دنیا کی ایک بڑی آبادی اس میں مبتلا ہے لہٰذا اس کا ذکر مناسب ہے۔

اللہ کو زبانی طور پر ایک مان کر بھی اسکی صفات کے مجسمے بنا کر انکی پرستش بھی شرکِ عظیم ہے۔ اس کی حکمت کا اظہار دس سَروں سے، قوت کا مظاہرہ دس ہاتھوں سے کرنا دراصل تجسیمِ صفات ہے۔ مگر صفات کو ذات سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ تجسیمِ صفات تجسیمِ ذات ہے اور کھلی بت پرستی ہے۔ دراصل اس طرح اللہ کے بجائے بتوں کی ہی پرستش کی جاتی ہے۔ شرکِ عظیم ہے۔

نتیجہ

شرک کسی بھی قسم کا ہو، خفی ہو یا جلی ہو، ہر صورت میں اللہ کی ذاتِ اعلیٰ کی توہین اور انسانیت کی تذلیل ہے۔

جس اللہ نے انسان کو اپنا نائب یا خلیفہ زمین پر بنایا اور زمین میں سب کچھ انسان کے لئے پیدا کیا وہ انسان اپنے خالق کا شکر گزار ہونے کی بجائے اپنے لئے پیدا کئے گئے ملازم و مسخر ہستیوں کے سامنے سر جھکانے لگے تو کیا وہ اپنے خالق کی اور اپنی کھلی توہین نہیں ہے۔ لہٰذا نا قابلِ معافی جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدر و منزلت اور عظمت کو پہچانا ہی نہیں۔ ارشاد ہے :-

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ٥ آیت نمبر 67 الزمر نمبر 39

ترجمہ : ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ جانی جیسے کہ اس کی قدر کا حق ہے۔

اللہ ہمیں اور تمام مؤمنین کو اور تمام انسانوں کو ہر قسم کے شرک سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

Marfat.com

امامتِ النّاس

حضرت ابراہیمؑ ...... امام النّاس اوّل

حضرت محمد مصطفیٰ ...... امام النّاس آخر۔ تا قیامت

زیر نظر مضمون میں اس بات پر غور کیا گیا ہے کہ آخر حضرت ابراہیمؑ ہی امام النّاس کے درجۂ عظیم پر فائز کیوں ہوئے؟

حضرت ابراہیم سے قبل بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے۔ حضرت آدمؑ حضرت شیث اور حضرت نوح تو ہمارے علم میں ہیں ہی۔ امکان یہ ہے کہ اور نبی بھی ہوں گے۔

ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضرت ابراہیم ہی کو امام النّاس کیوں بنایا گیا؟ دیگر انبیاءِ ماقبل اپنی طوالتِ عمر اور مسلسل کارِ نبوت کی انجام دہی کی وجہ سے عظیم نبی تھے۔ اللہ نے انھیں بھی سراہا ہے۔ مگر انکی بابت امامت کا ذکر نہیں۔ آخر کیوں۔

قرآنِ حکیم سے جو اس سوال کا جواب نظر آتا ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ گو یہ رائے حتمی نہیں۔

اللہ نے آدم و حوا کو جنت سے رخصتی کے وقت یہ بتا دیا تھا کہ میں ہدایت کے لئے اپنے مخصوص اور چنیدہ بندے بھیجتا رہوں گا۔ جو ان کی پیروی کرے گا' وہ خوف و اندیشہ

Marfat.com

سے پاک زندگی یا انجام کا حقدار ہو گا اور ان ہدایات سے انحراف سزا اور تباہی لائیگی۔
آدم و حوا کی معصومیت جب شجر ممنوعہ کی تاثیر سے ختم ہو گئی تو توالد و تناسل کا سلسلہ زمین پر شروع ہو گیا۔ نسل انسانی کا عقلی شعور بیدار ہونا شروع ہو گیا۔ جوں جوں عقل انسانی نے اپنی جستجو کا دائرہ مادی دنیا اور اسکے تقاضوں کی بابت بڑھانا شروع کیا محسوسات کے علم میں اضافہ ہوتا گیا مگر ان دیکھے خدائے واحد کا ادراک' یوم قیامت پر یقین' اچھے اور برے اعمال کی تاثیر اور اللہ کی قوت غالبہ پر ایمان بالغیب کی صلاحیت کم ہونا شروع ہو گئی۔

رفتہ رفتہ انسان نے اس نادیدہ خدا کے ساتھ محسوس ہونے والے اجسام یا ارواح کو بھی شریک کر لیا۔ ہر وہ چیز جس سے نفع پہنچا یا ضرر کا اندیشہ ہوا اسے خدائی میں شریک کر لیا۔ جیسے پانی' دریا' سورج' سانپ' ہاتھی وغیرہ۔ جن انسانوں کی خوبیوں اور طاقت نے انھیں متاثر اور ذہنی طور پر مغلوب کر لیا انکی موت کے بعد ان کی روحوں کی پرستش شروع ہو گئی۔ اکثر خود ساختہ بتوں یا مجسموں کو خدائی طاقتوں کے مظہر کے طور پر پوجنا شروع کر دیا۔ خدائے واحد کی صفات کو مختلف محسوس مجسموں' بتوں یا ارواح میں تقسیم کر کے کسی کو طاقت کا دیوتا کسی کو دولت کی دیوی' کسی کو تباہی و بربادی کی حامل قوت قرار دیا گیا اور انکی عبادت انسانی معاشرہ کی محسوس پسندی کی وجہ سے بڑھتی چلی گئی۔
انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور حقیقی خدائے واحد کا ادراک دلاتے رہے مگر بہت کم تھے جنھوں نے انکی صداقت کا یقین کیا۔ عقل انسانی ان محسوس اور خود ساختہ خداؤں کے گرداب میں مسلسل الجھی رہی۔

حضرت ابراہیم ایسے ہی خود ساختہ خداؤں کو ماننے والے معاشرہ میں آج سے قریبا 4200 سال قبل شہر "اُر" عراق میں پیدا ہوئے۔ ہر شہر اور قبیلہ کا علیحدہ بھی دیوتا تھا اور مشترک بھی۔ دیوتاؤں کی ایک فوج تھی کہ جس کی پرستش اور جن سے استعانت اس معاشرہ کا چلت سکہ تھا۔ شہر ار کے کتبوں میں قریبا 5000 دیوتاؤں کا ذکر ملتا ہے۔
شہر اُر کے محافظ دیوتا کا نام "ننار" یعنی چاند دیوتا تھا۔ دوسرے بڑے شہر کا محافظ دیوتا "شماش" تھا۔ یعنی سورج۔ چھوٹے دیوی دیوتاؤں کے نام ستاروں پر رکھے گئے تھے۔ اس سے کمتر طاقت کے دیوتا زمینی مظاہر فطرت سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم جب سن

Marfat.com

شعور کو پہونچے تو قدرتی طور پر انھی مفروضہ خداؤں کی طرف انکا ذہن و فکر مائل ہوا. یہ حضرت ابراہیم کے معاشرہ کا ایک سرسری تعارف تھا.

اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں. اس ضمن میں قرآن حکیم سے جو رہنمائی ہوئی اس سے قیاس پر مبنی چند نتائج اخذ کئے ہیں. اللہ کے نزدیک ان وجوہات کے علاوہ بھی بے شمار وجوہات ہو سکتی ہیں یا عرض کردہ وجوہات سے بالکل مختلف وجوہات بھی انکے امام الناس بنائے جانے کی ہو سکتی ہیں. عرض کردہ قیاس نہ حتمی ہے نہ اسکی صحت قطعی پر اصرار ہے. حقیقت صرف اللہ کے علم میں ہے.

ہمارے علم و قیاس کے مطابق حضرت ابراہیم نسل انسانی میں وہ پہلی ذات گرامی تھی کہ جس نقص عقل نے انسان کو محسوسات کا اسیر بنا رکھا تھا انھوں نے اسی عقل کے استعمال سے حقیقی خدائے واحد کو پہچانا. وہ غالباً پہلے انسان تھے جو تفکر' تذکر اور تعقل کے تدریجی مراحل سے گزرتے ہوئے خالق کائنات تک پہونچ گئے.

مروج اور مفروضہ خداؤں کی اصلیت پر غور و فکر نے ان پر ان غیر حقیقی خداؤں کی اصلیت یعنی انکا زوال و فنا' خود ان کا مخلوق ہونا اور کسی کے قانون زبردست کے پابند ہونے کی حقیقت واضح کی. اس طرح اصل خالق و غالب و قہار خدائے واحد کو انھوں نے پہچان لیا.

آیات 76 تا 79 سورہ انعام میں اللہ کا ارشاد ہے

ترجمہ:۔ "چنانچہ جب اس (حضرت ابراہیم) پر رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا کہا کہ یہ میرا رب ہے. مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا کہ ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں. پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا کہ اگر میرا رب میری رہنمائی نہ کرتا تو میں گمراہوں میں شامل ہو گیا ہوتا. پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب. یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیم پکار اُٹھا اے برادران قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جنھیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے. اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں."

اللہ نے حضرت ابراہیم کی جس تدریجی فکر کو یکے بعد دیگرے بیان فرمایا ہے ضروری نہیں کہ وہ صرف ایک دن میں تمام مراحل طے کر لئے ہوں اغلب یہ ہے کہ ہر مرحلۂ فکر پر سوچ بچار میں وقت لگا ہو گا۔ اس مسلسل غور و فکر سے ان تمام اجرام سماوی کا کسی ماورا ہستی کے سامنے بے بس ہونا اور اس ہستی کے قوانین فطرت کا پابند ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آشکارا ہو گیا۔ ان تمام عظیم مظاہر فطرت کا خود قانون فنا کی زد میں ہونے کا ادراک ہوا۔ حضرت ابراہیم کی عقل نے اس حقیقت کی طرف انکی رہنمائی کی کہ جو خود کسی کے قانون کے سامنے بے بس ہو اور فانی ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ عقل نے تائید ربی سے مزید رہنمائی کی کہ حقیقی رب ان تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور مخلوقات کو اپنے نظام قانون کا پابند کرنے والا اور کبھی فنا نہ ہونے والا ہی ہو سکتا ہے۔ فاطر السموات والارض ہی حقیقی معبود ہے اسکی مخلوق اسکی خدائی میں ہرگز شریک نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے یہ اعلان اپنی قوم کے سامنے واضح الفاظ میں فرما دیا۔

اب اس امامت منجانب اللہ کا دوسرا پہلو سامنے آتا ہے۔ جب ابراہیمؑ نے اپنے رب کو پہچان لیا تو اللہ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے درست راستہ کی طرف آپکی ہدایت و راہنمائی فرما دی۔

ایسے عقیل و فہیم شخص کو جس نے اپنے رب کو عقل سے پہچان لیا اب اللہ ایسی آزمائشوں سے گزارتا ہے اور ایسے احکام دیتا ہے جو سراسر عقل و فہم کے بظاہر منافی ہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ ایک کمزور خاتون یعنی حضرت ہاجرہ کو اور بڑھاپے کی تنہا اولادؑ ایک شیر خوار بچہ یعنی حضرت اسمٰعیل کو وادی غیرذی ذرع (میدان بیابان) میں بے یارو مددگار چھوڑ آؤ۔ عقل ایسے حکم کو کیسے تسلیم کر سکتی تھی۔ شیطان نے اسی عقل کے تقاضے کے ذریعہ حضرت ابراہیم کو کئی بار بہکایا کہ حکم کی تعمیل نہ کرو اور بیوی و بچہ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مگر وہ عقل کے اس صریح تقاضے کو حکم الٰہی کے سامنے مسترد کر دیتے ہیں۔

اسی بڑھاپے کی اولاد حضرت اسمٰعیل کو بظاہر بالکل بے وجہ طور پر ذبح کر دینے کا حکم ہوتا ہے۔یہاں بھی عقل' ایمان و یقین کے سامنے شکست یاب ہوتی ہے۔ آگ میں پھینکے جانے کا واقعہ بہت پہلے پیش آ چکا تھا۔ وہاں بھی ایمان عقل پر غالب آتا ہے۔ اور رضائے الٰہی کی خاطر جل مرنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حج کے دوران جن 3 علامتی شیطانوں کو کنکر

مارے جاتے ہیں یہ وہی مقامات ہیں جہاں حکم ربی کی تعمیل میں شیطان نے اس حکم کے عقلی عدم جواز کو بہانہ بنا کر رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔

لہٰذا میری حقیر رائے میں حضرت ابراہیمؑ نسلِ انسانی کے وہ پہلے فردِ فرید تھے جنہوں نے عقلِ سلیم سے کام لے کر اپنے رب کو پہچانا اور جب اس پر ایمان لے آئے تو اس رب کے کسی حکم کی تعمیل سے انہیں کوئی عقلی دلیل اور حجت روک نہیں سکی۔ گویا:

مکمل عقلِ سلیم اور ناقابلِ شکست ایمان

لہٰذا انعام تھا امام الناس منجانب اللہ بنایا جانا:

جس کی ابتدا ابراہیم علیہ السلام اور انتہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ○ (آیت نمبر 68 آل عمران نمبر 3)

ترجمہ: بے شک ابراہیم سے نسبت کا حق ان انسانوں کو ہے جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور یہ نبی ہیں اور ایمان لانے والے ہیں۔

میرے ناقص علم کے مطابق نسلِ انسانی میں وہ صالحین اور خدا رسیدہ بزرگ جو قبل از حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے وہ ایمان بالغیب کے مکمل حامل تھے۔ یہ ایمان بغیر کسی عقلی توجیہ کے مکمل تھا۔ اللہ نے جو ہدایت بھیجی اسے من و عن ایماناً اور عملاً تسلیم کر لیا۔ اس کے وجود کو وجداناً تسلیم کیا۔ کسی بھی عقلی تگ و دو کے بغیر۔ مثلاً یوں سمجھ لیجئے کہ ایک مہربان اور محترم باپ کے ہر حکم کو بالکل صحیح تسلیم کر کے ایک 10/12 سالہ بچہ اس پر عمل کرتا ہے۔ اسے اس حکم کی حکمت، مناسبت اور موزونیت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس کے لئے یہ کافی ہے کہ یہ بات اس کے باپ نے کہی ہے اور بس۔ یہ بات ایک بچہ کی حد تک نہایت پسندیدہ ہے۔ مگر باپ بھی ہمیشہ اس معصومیت کے بجائے اپنے بچہ میں سن شعور اور بلوغتِ ذہنی کی توقع سن شعور کے بعد رکھتا ہے۔ مگر سعادت اور سلامتی فکر کے ساتھ، بغاوت، رعونت اور سرکشی کی عقلمندی کے مقابل وہ معصومیت ہی پسندیدہ ہے۔ لیکن ایک ذہین و فہیم اولاد کی سعادت مندی کہیں زیادہ لائقِ تحسین ہے۔

اللہ تعالیٰ نسلِ انسانی کو عقل و علم سے محروم جنس کے طور پر ہمیشہ رکھنا پسند نہیں فرماتا

Marfat.com

تھا۔ نہ اسے یہ پسند تھا کہ عقلِ انسانی مظاہرِ فطرت میں اس طرح الجھ جائے کہ سلامتیِ فکر سے محروم ہو جائے۔ اسکی رضا یہ تھی کہ عقلِ انسانی اور علم برابر بڑھتا رہے۔ مخلوقات میں غور و فکر کرے اسکا علم ہر نسل کے ساتھ بڑھتا رہے۔ اور ہر نسل اپنے حاصل کردہ علوم کو سپردِ قلم کرے تاکہ نئی نسل سابقہ انسانی تجربات اور علم کی مدد سے مزید علم و عقل و آگہی حاصل کرے۔ مگر اسکا علم و عقل اور تجسس قابلِ تعریف اسی صورت میں ہے کہ وہ اسکے ذریعہ خالقِ مخلوقات کو جانے' اسکی حکمتوں کو سمجھے' اللہ کی عظمتوں سے فراوانیِ علم کے ساتھ واقف' مطیع اور مداح رہے۔ نسلِ انسانی سے وہ علم و عقل سے عاری صرف تسبیح و تقدیس نہیں چاہتا۔ وہ اپنی عظمتوں کی تصدیق و تحمید کے لئے ایک باعلم باشعور' سلیم الفکر اہلِ ایمان مخلوق پسند کرتا ہے۔ اس سمت قدمِ اول حضرت ابراہیم تھے۔

حضرت ابراہیم کے بعد انبیاء تشریف لاتے رہے جو عقل کے ساتھ خلافِ عقل' بغیر کسی سبب' محیر العقول اور مافوق الفطرت معجزات بھی لاتے رہے۔ وہ مظاہرِ فطرت سے انکے خالق کی طرف توجہ بھی دلاتے رہے اور مافوق الفطرت معجزات سے اس خالق کی ماورائے فطرت قوتوں کا احساس بھی جگاتے رہے۔ انکا بنیادی مقصد مخلوق کا کسی عظیم تر ہستی کے قوانین کا پابند ہونا ثابت کرتے رہنا اور خالق کی مخلوقات سے بے نیازی اور برتری ثابت کرنا تھا۔ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ تک چلتا رہا۔ معجزات کا مظاہرہ حضرت عیسیٰ سے زیادہ کسی نبی پر نہیں ہوا۔ مادر زاد اندھوں کو بینا کر دینا' مردوں کو زندہ کر دینا' پالنے میں شیر خواری کی عمر میں گفتگو کرنا' پس دیوار گھروں کے راز افشا کر دینا' حتی کہ پرندوں کو ذی حیات بنا دینا' خوانِ نعمت کا اترنا وغیرہ سب انکے معجزات تھے۔ مگر انھیں شاید سب سے زیادہ جھٹلایا بھی گیا۔ بہت کم مدت میں انہیں صلیب تک لیجایا گیا اور رفعِ مسیح کا واقعہ رونما ہوا۔

آخر میں حضرت محمدؐ تشریف لائے۔ اب کوئی معجزہ نہیں دیا جاتا۔ صرف عقلِ سلیم کی رہنمائی مظاہر فطرت کی وساطت سے کی جاتی ہے۔ پوری کائنات کو حق سے (قانون کے مطابق) پیدا کئے جانے کا علم دیا جاتا ہے۔ خالق اپنے ان تمام قوانینِ فطرت کی طرف عقلِ سلیم کی توجہ دلاتا ہے جو اس کائنات میں کار فرما ہیں۔ وہ بتاتا ہے پرندہ ہوا میں اڑتے اور ٹھہرتے ہیں تو اس قانونِ فطرت کے مطابق جو اس کائنات سے ماورا ایک دانا و بینا ہستی

Marfat.com

نے بنایا ہے۔ ہواؤں کا چلنا' بادلوں کا بننا اور چلنا' پہاڑوں کی وجہ سے رکنا' بارش کا برسنا' نباتات کا اگنا' سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا' سورج اور چاند کا ایک متعین حساب سے گردش کرنا' ہر چیز کو انسان کے فائدہ کے لئے مسخر کر دینا' دن اور رات کا ایک دوسرے کے بعد آتے رہنا' سمندروں میں میٹھے اور کڑوے پانی ساتھ بہنے کے باوجود نہ مل سکنا یہ سب کچھ اسی خالق کے بنائے قوانین کے تحت ہو رہا ہے۔ مخلوقات سے نفع و ضرر اسی کے وضع کردہ قانون اور اسکی منشاء پر منحصر ہے۔ ہدایت و گمراہی' فلاح و بربادی کے لئے بھی اسی نے ضابطے بنائے اور بتائے ہیں۔ لہٰذا اس خالق کی خلاّقی میں غور و فکر کرو اسکا ان عظمتوں میں کوئی شریک نہیں اس لئے اس کو یکتا مانو اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ حیات بعد الموت بھی اسی کا وضع کردہ ایک یقینی قانون اور شدنی امر ہے۔ اس پر یقین رکھو۔ اعمال صالحہ اور سیئہ کی بابت باز پرس بھی اسی خالق کا ایک یقینی قانون ہے۔ اس سے ڈرو۔ بھلائی اختیار کرو' برائی سے بچو' توبہ و استغفار برائی کی پاداش سے بچنے کے لئے اپناؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ گویا وہ چند مظاہر فطرت جن پر غور کر کے حضرت ابراہیم نے خدا کو پہچانا' قرآن نے ان مظاہرِ فطرت اور ہر خشک و تر کا ذکر فرما کر اس ابتدا کو انتہا تک پہونچا کر رہنمائی فرما دی۔

گویا اس نے واضح کر دیا کہ ہر قدم جو علم و عقل کی طرف اٹھتا ہے وہ تمہیں خالق کی عظمت سے اور خلاقیت سے متعارف کراتا ہے۔ علم و عقل کا حصول مقصد زندگی بنا لو یہاں تک کہ تم اپنے نفوس اور آفاقی حالات سے خود جان لو گے کہ یہ قرآن بالکل حق اور سچ ہے اور اسی خالق کائنات کا کلام ہے جو تمہارا بلا شرکت غیرے معبود و مسجود ہے۔

اس طرح جن مظاہرِ فطرت کے چند عجائبات نے حضرت ابراہیم کی راہنمائی خالقِ حقیقی کی طرف عقلی طور پر کی تھی انھیں قوانینِ فطرت کا مکمل انکشاف اور اس پر غور و فکر کی مکمل دعوت قرآن کی صورت میں رسول کریم حضرت محمدؐ مصطفیٰؐ کے توسط سے انسانوں کو قیامت تک کے لئے عطا ہوئی کہ یہی بلوغِ عقل و علم ہمیشہ انسان کی راہنمائی اپنے خالق تک کرتا رہے گا اور خلافتِ ارضی کے شرف کی تصدیق کرتا رہے گا۔

عقل و فکر کی جس راہ صداقت کی ابتداء حضرت ابراہیم سے ہوئی اسکی تکمیل بصورتِ قرآن حضرت محمد مصطفیٰؐ پر ہوئی۔

سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد از خدا بزرگ....

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یہ اظہارِ عقیدت اور اقرارِ حقیقت اس ذاتِ گرامی کے لئے ہے جو نسلِ انسانی میں کھرب ہا کھرب انسانوں میں مقامِ عبدیت کی عظمتوں پر فائز فردِ فرید ہے۔

وہ فخر کائنات، سید البشر اور افضل الانبیاء شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

اللہ نے انسانی فطرت کے متعلق ایک عظیم انکشاف آیت نمبر 30 سورۃ روم نمبر 30 میں فرمایا ہے :

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا o لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ o ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ..

ترجمہ : اللہ کی فطرت ہے جس پر انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی گئی ساخت تبدیل نہیں کی جا سکتی یہی بالکل درست دین ہے۔

گویا فطرت کے مطابق زندگی گزارنا ہی دین قیم ہے۔ مگر ایسی مثالی زندگی جو ہر حال میں اس فطرتِ الٰہی کے مطابق گزاری گئی ہے صرف ایک ہے۔ اور اسلئے اس ذاتِ گرامی کے اتباع اور اس کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں اللہ کی محبت مضمر کر دی گئی۔ یہ معراجِ انسانیت ہے کہ ان کے عظیم کردار کی حسبِ اطاعت پیروی ہمیں اللہ کا محبوب بنا دے۔ سبحان اللہ۔ اس ذاتِ گرامی کی محبوبیت کا تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم میرا محبوبِ نظر تو دیکھو

حضرت علامہ اقبال نے کیسا منفرد خراجِ عقیدت اور کس قدر درست اظہارِ حقیقت بارگاہِ نبوت میں پیش کیا ہے۔

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہمارے وہم وخیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

وہ جن سے محبت شرطِ ایمان ہے، جن کی پیروی دین ودنیا کی کامیابی کی ضمانت اور جن کی اطاعت شرف و

Marfat.com

عزت، جن کا ذکر اللہ نے بلند فرمادیا، ان کی عظمت کو سمجھنا اور ان کی تحمید و تمجید مجھ سے کم مایہ کے لئے ممکن نہیں۔

انسانی ذہن کی ایک بخش کمزوری ہے جو اسے دو طرح کفر یا شرک میں مبتلا کر دیتی ہے۔
اول تو یہ کہ وہ اپنے جیسے جسمانی خواص کے حامل انسان کا نبی ہونا تسلیم نہیں کر پاتا۔ جیسے کہ اللہ نے خود ذکر فرمایا کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ یعنی ہم جیسا ہی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی ہوتا۔ یا اسکے پاس خزانہ ہی ہوتا یا باغ ہی ہوتا۔
ملاحظہ ہو آیت نمبر 10 تا 7 الفرقان نمبر 25۔ اسی سورت کی آیت نمبر 20 میں ارشاد ہوا کہ اے محمدؐ تم سے پہلے بھی بھیجے گئے رسول کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ یعنی ہمیشہ انسانوں کو ہی رسول بنایا گیا۔ اسی طرح آیات نمبر 38-34 سورۃ الرعد نمبر 13 رسولوں کے بیوی بچوں والا ہونے کا بیان ہوا۔ پھر آیات نمبر 31-30 الزمر نمبر 39 اور آیت نمبر 144 آل عمران میں رسولِ کریم ﷺ کی موت کا ذکر فرمایا گیا۔ انبیاء اور رسولوں کا یہ انسان ہونا کفر و انکار کا سبب بنتا رہا۔ قرآن حکیم اس بات کی تصدیق آیت نمبر 94 بنی اسرائیل نمبر 17 میں فرماتا ہے کہ جب بھی انسانوں کیلئے ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے میں یہ رکاوٹ ہوئی کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنادیا ہے؟

دوسری طرف جب ان پر ایمان لایا گیا تو انکے ماننے والوں میں ایک طبقہ پیدا ہو گیا۔ جو ان عظیم کردار کی حامل ہستیوں سے مافوق لاانسانیت خواص منسوب کرنے لگا۔

دونوں صورتوں میں ذہنیت وہی کار فرما ہے کہ اپنے جیسے انسان کی پیغمبری پر یقین نہ کرنا۔ پہلوں نے نبوت کا انکار بوجہ انسان ہونے کے کیا۔ دوسروں نے پیغمبر مان کر ان سے ماورائے انسانیت خواص منسوب کر کے انسانیت سے خارج کر دیا۔ یہ شرک میں مبتلا ہوئے وہ کفر میں۔ یہ یقین دونوں صورتوں میں نہ رہا کہ اس عظیم کردار کی شخصیت انسان ہے جسکی پیروی کرنا فلاح ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی عظمت کو تسلیم کیا تو انہیں (معاذ اللہ) خدا کا بیٹا بنادیا۔ رام چندر اور کرشن چندر کی عظمتِ انسانی کو تسلیم کیا تو خود ان میں بھگوان کے حلول ہونے کا تصور پیدا کر لیا۔ مہاتما بدھ کی تصدیق خود ان کی پرستش سے کی گئی۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر کسی مافوق الفطرت قوت کی حامل شخصیت نے کوئی کارنامہ انجام

Marfat.com

دیا ہے تو وہ کارنامہ نہ لائقِ تحسین ہے نہ قابلِ پیروی۔

اگر حضرت علیؓ نے جادو سے یا چار ہاتھوں کی مدد (اگر ہوتے) سے عبدود کو زیر کیا ہوتا تو یہ کارنامہ لائقِ ذکر بھی نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ کارنامہ ایک انسان کی جسمانی اور ایمانی قوت سے ہوا اس لئے لائقِ تحسین اور قابلِ ذکر ہے۔ ان کا ایمان باعثِ رشک ہے اس لئے کہ وہ انسان تھے لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ جب ہماری طرح کا انسان کسی عظمت پر فائز ہوتا ہے تو وہ تحسین اور پیروی کے لائق شخصیت ہوتی ہے۔ قابل احترام ہوتی ہے۔ اگر کسی عظیم شخصیت کو انسانیت سے خارج کر دیا جائے تو یہ دراصل اس کی عظمت سے انکار ہے کہ وہ بطور انسان اتنا عظیم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ مافوق الانسان تھا' اس لئے اتنا عظیم تھا۔

دوسرے زاویہ سے دیکھئے کہ اس کائنات میں خالق کی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ باعزت مخلوق بشر ہی ہے۔ اگر کسی انسان کو بشریت یا انسانیت سے خارج یا بالا کرنے کی کوشش کی جائے تو یا اسے خدا بنانا پڑے گا یا پھر انسان سے کم تر مخلوق۔ کسی مخلوق کو خالق یا اللہ تو بنایا نہیں جا سکتا۔ اور دیگر تمام مخلوقات انسان سے کم درجہ کی ہیں۔ لہٰذا انسانوں میں اعلیٰ ترین ہستیاں اعلیٰ ترین انسان ہی ہو سکتے ہیں۔ دیگر تو ہماتی صفات سے متصف کرنا اس انسان کی تعریف نہیں توہین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور انکی بشریت اس وضاحت سے بیان فرمائیں کہ انکی تعریف اس سے زیادہ جامع اور مختصر ہو ہی نہیں سکتی کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(مختصر بات یہ کہ اللہ کے بعد بزرگ ترین ہستی صرف آپؐ ہیں)

عبدِ کامل

اللہ تعالیٰ نے نفخ روح سے آدم کو عبدیت کی جن صفات سے متصف فرمایا انکی طرف مختصر اشارہ کافی ہو گا۔ جیسے انبیاء کے لئے مبینہ صفات کا قرآن میں ذکر آیا۔ نذیر، بشیر، شاہد، ہادی، رؤف، رحیم، حلیم، صابر، شاکر، منیب، طیب، صادق، امین، طاہر، مذکر، خلیل، رشید وغیرہ۔ تمام انبیاء صفاتِ حسنہ سے مزین تھے۔ مگر چند جلیل القدر انبیاء کے متعلق اللہ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی ایک صفت بہ نسبت دوسری صفات کے زیادہ تھی۔ جسکا لازمی نتیجہ کسی دیگر صفتِ حسنہ کا کم ہو جانا ہے۔

گویا صفاتِ حسنہ کے اعتدال میں کمی یا بیشی ہوئی۔ یہ بات چند مثالوں سے واضح ہو جائی گی۔

حضرت ابراہیمؑ کے پاس جب قومِ لوط کی تباہی کے حکم کی خبر فرشتوں کے ذریعہ پہونچی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس حکم کے اجراء کے خلاف مختلف دلائل دینا شروع کئے جن کا جواب فرشتے دیتے رہے مگر حضرت ابراہیمؑ اس حکمِ عذاب کے نتیجہ میں اس قوم کی تباہی پر مطمئن نہیں ہوئے۔ انکی اس روش کو اللہ نے ان میں حلم کی زیادتی ہونا فرمایا۔

ملاحظہ ہو آیت نمبر 75 ہود نمبر 11 (جزو)

ترجمہ : حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حلم کی زیادتی کی وجہ سے عدل پر مبنی حکم ان کی طبیعت کے منافی تھا۔ حلم، عدل میں حائل تھا۔

اسی طرح حضرت سلیمانؑ میں صفتِ انابت زیادہ تھی (آیت نمبر 30 ص نمبر 38) حضرت ایوبؑ صبور فرمائے گئے۔ گویا صفتِ صبر ان میں زیادہ تھی۔ حضرت آدمؑ میں عزم کی کمی کا ذکر فرمایا گیا۔ (آیت نمبر 115 طہٰ نمبر 20)۔ حضرت نوحؑ میں خصوصیت سے صفتِ شکر کا ذکر فرمایا گیا۔ (آیت نمبر 3 اسرائیل نمبر 17) ۔ حضرت اسماعیلؑ، ذی الکفل، اور ادریسؑ میں صفتِ صبر کا ذکر ہوا (آیت نمبر 85 انبیاء نمبر 21)۔ گویا تمام صفاتِ عبدیت میں کسی ایک صفت کا غلبہ تھا۔ افراط و تفریط تھی۔

مگر رسولِ کریم ﷺ کی عظمتِ عبدیت اس لحاظ سے بالکل واضح اور ممیز تھی کہ ہر صفتِ حسنہ مکمل اعتدال سے موجود تھی۔ آپؐ کی عبدیت ہر افراط و تفریط سے پاک تھی۔ ہر صفت متوازن تھی۔

رسولِ کریم کا حلم کبھی عدل میں حائل نہ ہوا، شکر نے فکر کو مفلوج نہ کیا، عجز و انکسار الی اللہ نے مخلوقات میں فروتری پیدا نہیں ہونے دی۔ مخالف حالات میں مایوسی کا غلبہ نہ ہوا۔ فتح نے تکبر پیدا نہ کیا۔ اختیار نے ظلم کی راہ اختیار نہ کی۔ بے بسی نے شکستہ دل نہ کیا۔ حیاتِ طیبہ جس زاویہ سے دیکھی جائے ہمہ صفت موصوف نظر آتی ہے۔ عبدیت کی تمام صفات میں ایک ناقابلِ یقین توازن ہے۔ ﷺ

ایک ہندو پروفیسر جو سوانح مشاہیر سے گہری دلچسپی رکھتے تھے، رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے سب سے زیادہ متاثر ہونے کی وجوہات بتاتے ہیں کہ ان کی ذات متضاد محاسن کا پیکر ہے۔ حلم اس

Marfat.com

قدر کہ چیونٹیوں کو بھی بے وجہ ہلاک نہیں کرنا، دوست دشمن حسنِ اخلاق سے یکساں فیض یاب ہو رہے ہیں۔ عدل اسقدر کہ فاطمہ رئیسہ مکہ کا ہاتھ تمام تر سفارشات کے باوجود کٹوا دیا۔ تہور کا یہ عالم کہ کسی جنگ میں ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ رحمت یہ کہ ایک قطرہ انسانی خون کا آپؐ کے ہاتھوں نہ بہا۔

جنگ میں ایک قابلِ اعتماد اور بہادر جنرل ہیں اور حکمتِ جنگی سے آشنا اور نبرد آزما ہے۔ عین لڑائی کے دوران نماز کا وقت ہوا تو ایک عاجز بندہ کی طرح سر بسجود ہیں۔ مسجد میں ایک معلم کائنات ہے کہ درافشانی کر رہا ہے۔ گھر میں آئے تو ایک پر محبت خاوند ہیں۔ بیوی کو کندھے پر بٹھا کر روشندان سے بندر کا یا شاید ریچھ کا تماشا دکھا رہے ہیں۔ اتنی بہت سی جنگوں میں انسانی زندگی کا اتلاف اتنا کم کہ ایک عالمی ریکارڈ ہے۔ اتنے کم وقفہ ___ 8 سال میں اتنا عظیم رقبہ زیر نگیں لائے کہ اسکی مثال نہیں ملتی۔ مگر ظلم و جبر کہیں نہیں۔ مروت اس قدر کہ کسی دوست اور عزیز کو کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ مگر کسی کو استحقاق سے زیادہ کبھی کچھ نہیں دیا۔ غزوہ حنین کے عظیم الشان مال غنیمت میں سے 100/100 اونٹ اور مال وزر اور مویشی تقسیم کرنے والا مدینہ میں اپنے جوتے خود مرمت کرتا نظر آتا ہے۔ اہلِ مکہ کی دشمنی سے شدید ستائی ہوئی وہ ذات فتح مکہ پر عفو ودرگزر کا خزانہ لٹا رہا ہے۔ اشرافِ قریش کے اشرف خاندان کا وہ فرد ایک آزاد کردہ غلام کو بیٹا بنا رہا ہے۔ اور اس کے بیٹے اسامہ بن زید کو اشراف قریش پر سردار مقرر فرماتے ہیں۔ اور اس میں کوئی خرابی نہیں پاتے۔ کیونکہ اللہ نے نسلی امتیازات کو ناروا گردانا ہے۔ حضرت علیؓ اور فضل بن عباس (دو عم زادگان) کے ساتھ اسامہ بن زید نعشِ مبارکہ کو حسبِ وصیت رسول ﷺ لحد میں اتارتے ہیں۔

یہ تھا متضاد محاسن کا وہ پیکر ایک ایمان نہ رکھنے والے کی نظر میں۔ ہم عقیدت کے زیر اثر خود ساختہ صفات اس ذات گرامی سے منسوب کر دیتے ہیں جن کے حقیقی محاسن کا شمار کرنا بھی آسان نہیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے جہاں آپؐ کا ذکر فرمایا عبد مطلق کے طور پر فرمایا۔

آیت نمبر 23 البقرۃ نمبر 2 میں الفاظ "بما انزلنا علی عبدنا" (جو کلام ہم نے اپنے بندہ پر اتارا) یہ لفظ "عبدنا" آیت نمبر 41 انفال نمبر 8 میں استعمال ہوا۔

پھر سورۃ بنی اسرائیل نمبر 17 کی آیت میں ارشاد ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ___ الخ (سبحان ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لیکر گئی....)

یہی لفظ بندہ آیت نمبر 1 الکھف نمبر 18 میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہٖ ، آیت نمبر 1 الفرقان نمبر 25 میں ارشاد ہے تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ۔ اور آیت نمبر 36 الزمر نمبر 39 اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اور آیت نمبر 10 النجم نمبر 53 میں "فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی" میں بھی رسولِ کریم کا ذکر صرف "عبد" سے کیا گیا۔ کوئی اضافی صفت شکورا، صبورا منیب وغیرہ کہیں بیان نہیں ہوئی۔ یہ صفاتِ عبدیت کی متوازن ہمہ جہتی تھی کہ ہر جگہ بطور "عبد" ذکر ہوا۔

اب چند ان فضیلتوں کا ذکر ہو جائے جو قرآنِ حکیم میں رسولِ کریم ﷺ کی بابت ارشاد ہوئیں۔ ان صفات کی یاد دہانی مقصود ہے ورنہ جانتے ہم سب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی عظمتوں کا مجمل قرآنی خاکہ ہے۔

فضائل

1۔ حضرت محمد ﷺ تمام اقوامِ عالم کے اور تمام نسلِ انسانی کے لئے رسول اللہ تا قیامت ہیں۔

ملاحظہ ہو :

I جزو آیت نمبر 158 الاعراف نمبر 7

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ۝

ترجمہ : (اے محمد) کہہ دیجئے کہ اے لوگو (انسان و اجنہ) میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغامبر ہوں

II جزو آیت نمبر 28 سبا نمبر 34

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ..

ترجمہ : اور (اے نبی) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں اور جنات کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

تمام انسانوں کے لئے رسالت کا اعزاز تمام انبیاءؑ میں منفرداً آپ ﷺ کو ہی حاصل ہے۔ مولانا مودودی کی تحقیق کے مطابق حضرت ابراہیمؑ بھی تمام اقوامِ عالم پر مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے امام الناس بنائے جانے کے اعلان سے مولانا موصوف کے خیال کی تائید بھی ہوتی ہے۔ دیگر تمام انبیاء کسی نہ کسی قوم کے لئے مبعوث ہوئے۔ مگر رسولِ کریم ﷺ کی اضافی فضیلت بہر حال اس امر میں پوشیدہ ہے کہ آپؐ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا جبکہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد انبیاء آتے ہی رہے ہیں۔ لہٰذا تمام اقوامِ عالم کے لئے اور قیامت تک تمام نسلوں (انسان اور جنات) کے لئے رسولِ کریم ﷺ واحد اور آخری

Marfat.com

رسول ہیں۔ مزید آیت نمبر 49 الحج نمبر 22 بھی تلاوت کریں۔

2۔ رسول کریم ﷺ آخری نبی ہیں۔

آیت نمبر 40 احزاب نمبر 33

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍمِن رِّجَالِکُمْ وَلٰکِن رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَo وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًاo

ترجمہ : (لوگو) محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم (آخری) ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "ذوقِ آگہی" میں عرض کیا تھا کہ یہاں رسولِ کریم کے اولادِ نرینہ کی نفی کے معاملہ کو آپ ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت سے منسلک کیا جارہا ہے۔ کیوں؟ ظاہر ہے کہ اس ارشاد میں حکمت پوشیدہ ہے۔

رسول کریم کی جو عظمتیں اللہ نے بیان فرمائیں وہ بے مثل ہیں اور انکی رفعت و عزت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اس رفعت کی حامل شخصیت کے اہلِ خاندان اور متوسلین بھی مثالی عزتوں کے افراد تھے۔ جیسا کہ ازواجِ مطہرات کیلئے فرمادیا گیا کہ تم مثالی خواتین ہو، کسی بھی دیگر خاتون کی طرح نہیں ہو۔ اسلئے نیکی پر دوگنا اجر اور غلطی پر دوگنا زجر ہوگا۔ یہ اس لئے کیا جارہا ہے کہ اللہ نے تم اہل بیت رسول کو بشمول نبیؐ پاک و مطہر کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔

ایسی عظیم شخصیت کی اولادِ نرینہ بھی عظمتوں اور عقیدتوں کی حامل ہونا لازمی تھی۔ اگر آنجنابؐ کے کوئی بیٹا ہوتا تو وہ استحقاقِ خلافت میں اول ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ کردار کی عظمت اور سیاسی قوت ایک ہی گھرانے میں جمع ہوجاتیں۔ رفتہ رفتہ کردار پر گرفت کم ہوجاتی اور عقیدت اور طاقت مل کر قرآنِ حکیم اور سنت رسول سے بے اعتنا کردیتیں اور صرف (عطرت) اولادِ رسول مذہب کا مرکز بن جاتا۔

چونکہ رسولِ کریم ﷺ آخری نبی تھے تو اصلاحِ احوال کے لئے اور کوئی نبی نہیں آسکتا تھا۔ اللہ کے اس آخری نبی کا دین نسل پرستی کی نذر ہوجاتا۔ مساجد میں ان نسلی عظمتوں کے حامل اور شاید اصل کردار کے اعتبار سے بلند اولادِ رسول کے بت نصب ہوتے۔ ان سے منسوب روایات شریعت

Marfat.com

ہو جاتیں۔ اوران سے منصوب کہانیاں قرآن سے زیادہ معتبر قرار دی جاتیں۔ اس لئے اللہ نے اپنی صفتِ علمی کا حوالہ دیا کہ جو خرابی اولادِ نرینہ کے باقی رہنے سے ہوناتھی اس کا اللہ کو خوب علم تھا۔

اولادِ دختری میں ایک فرقہ نائب امام کے نام سے شخصیتوں کی پرستش کرتا ہے جیسے کہ آغا خانی حضرات کے متعلق شنید ہے۔ دوسرے فرقہ نے سینکڑوں سال قرآن کی صداقت کا محض اس لئے انکار کیا کہ نسلی مذہب کی قرآن نفی کرتا ہے۔ اوراس فرقہ کے پسندیدہ عقائد کی تائید نہیں کرتا۔ کہا یہ جاتا رہا کہ اصل قرآن امامِ غائب لے گئے ہیں۔ یہ مشاہدات اس قیاس کی تائید کرتے ہیں کہ اولادِ نرینہ کا باقی نہ رہنا ختم نبوت کے مقاصد کیلئے لازمی تھا۔ اسلامی اصول واحکامِ قرآنی اور طریقِ نبوی کا بقااس نسل پرستی کی زد سے بچانا تھا۔ اسلئے ختم نبوت کے اعلان سے قبل آنجنابؐ کی اولادِ نرینہ کی عدم موجودگی کا اعلان منسلک کر دیا۔ بظاہر یہ حکمت واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

3۔ آپ رحمت للعالمین تھے۔ ارشاد ہے :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَo آیت نمبر 107 الانبیاء نمبر 21۔

ترجمہ : (اے نبی) ہم نے آپ کو تمام اقوام عالم کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(دیگر آیاتِ متعلقہ : آیت نمبر 61 توبہ نمبر 9 + آیت نمبر 49 الحج نمبر 22)

سورۃ رحمٰن نمبر 55 میں سورۃ کی ابتداء صفت رحمانیت کے ذکر سے ہوئی۔ ارشاد ہوا :

اَلرَّحْمٰنُo عَلَّمَ الْقُرْاٰنَo (الرحمٰن۔ قرآن کا علم دیا)

اللہ کی تمام معلوم 99 صفات میں اس کائنات کے لئے سب سے اہم اور نفع بخش صفت رحمٰن ہے۔ گویا ملا کر پڑھیں گے تو مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کی سب سے اہم صفت یہ ہے کہ وہ رحمان ہے اوراس رحمانیت کا سب سے بڑا انعام قرآن کے علم کا دیا جانا ہے۔ لہٰذا رحمانیت کا یہ سب سے بڑا علم جس ہستی کے توسط سے عالمِ کونین کو ملا اس کا رحمت اللعالمین ہونا لازم وواضح ہے۔

4۔ آپ ﷺ کے اخلاق عظیم کی تعریف اللہ فرماتا اور سند عطا کرتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍo آیت نمبر 4 القلم نمبر 68

ترجمہ : (اے نبی) آپ یقیناً عظیم اخلاق پر فائز ہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل تھی۔ اللہ کی یہ سند رہتی دنیا

تک ہر قسم کے حالات میں رسولِ کریم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا قابلِ پیروی ہونا ثابت کرتی ہے۔

اس ضمن میں چند اہم باتیں قابلِ غور ہیں۔ اللہ تعالیٰ قسم کھا رہا ہے قلم کی اور جو کچھ اس سے لکھا جا رہا ہے۔ اس کے بعد آنجنابؐ کے مجنون نہ ہونے اور اخلاقِ عظیم کی تصدیق کی جا رہی ہے۔

"وَالْقَلَمِ وَمَايَسْطُرُوْنَ" (قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ لکھا جا رہا ہے)

علماءِ کرام نے اس آیت سے مختلف مفاہیم اخذ کئے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ اس سے مراد قرآن کا لکھا جانا ہے۔ بعض کی رائے میں اس سے مراد کراماً کاتبین کی تحریر ہے

سیاق و سباق سے ماخوذ میرا خیال یہ ہے کہ اس تحریر سے مراد تاریخ انسانی ہے جو کہ دنیا کے مختلف حصوں میں لکھی جا رہی ہے اور لکھی جاتی رہے گی۔ اس قسم کے بعد ایک تو رسولِ کریم ﷺ کی صحتِ دماغی کی تصدیق کی گئی اور دوسرے حسنِ اخلاق کے عظیم ہونے کی خبر دی گئی۔ یہ دونوں حقائق عالمی تاریخ سے اس طرح ثابت ہونے تھے اور ہوئے کہ وہ اقوامِ عالم جو آپ کی نبوت پر یقین نہیں بھی رکھتیں تھیں انہوں نے علی الاعلان آپؐ کی ان صفاتِ مبارکہ کی تصدیق کی۔

مذکورہ بالا گذارش کی تائید میں عرض کرتا ہوں۔

انگلینڈ کی مشہور عالم قانونی درسگاہ کا نام لنکنز ان (Linclons Inn) ہے۔ اس درسگاہ کے صدر دروازہ پر دنیا کے مشہور قانون سازوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ جیسے جسٹینئن (Justinian) سولن (Solon) وغیرہ۔ ان ناموں میں سرِ فہرست نام محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔ قانون دانی کے لئے بھی فراست و ذہانت کا عام سطح سے بلند ہونا ضروری ہے۔ پھر قانون سازی اس سے بلند فراست کی متقاضی ہے۔ اور وہ قانون ساز جو تمام دیگر ان میں سرِ فہرست ہو وہ فہم و فراست کے کس معیار پر ہوگا۔ اس کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے 1978ء میں ایک کتاب The Hunded جو ایک امریکی مصنف مسٹر مائیکل ہارٹ کی تصنیف ہے شائع ہوئی تھی جو بعد میں ترمیم کے ساتھ بہت دفعہ اور بہت سی زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب دنیا کی سو مؤثر ترین شخصیات کے نام اور انکی زندگی کے خاکوں پر مشتمل ہے۔ سب سے زیادہ مؤثر شخصیت پھر نمبر 2 اور نمبر 3 وغیرہ۔ اس کتاب میں مؤثر ترین شخصیت کے طور پر رسولِ کریم ﷺ کا نامِ نامی پہلے نمبر پر ہے۔ مصنف نے خود عیسائی ہونے، اور عیسائیت دنیا کا سب سے اکثریتی

Marfat.com

مذہب ہونے کے باوجود حضرت محمد ﷺ کا نام پہلے نمبر پر کیوں لکھا ہے اس کی وضاحت کی ہے۔ جس میں اس نے رسولِ کریم ﷺ کا انسانی زندگی پر ہمہ جہتی، گہرا اور طویل ترین تاثر اس کی وجہ بتائی ہے۔ یہ وہ قلمی اقرار ہے جو غیر مسلم اقوام تاریخ سے نتائج اخذ کر کے آپ ﷺ کے اخلاقِ عظیم اور عظیم فراست کی بابت کرتے آرہے ہیں۔ ہم تو عقیدت میں حقیقت کا شعور کھو بیٹھے ہیں۔ مگر ایمان نہ لانے والے محققین کی دیانت نہایت تنقیدی تجزیہ کر کے، مجبوراً ان عظمتوں کو تسلیم کرتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت بھی ہے اور ہوتا رہیگا کہ نسلِ انسانی میں آنجنابؐ سے زیادہ فراست وصحتِ دماغی اور اخلاقی عظمتوں کی اس انتہا تک پہنچنے والی کوئی دوسری ہستی نہیں تھی۔ خالق کی معبودیت اور مخلوقات کا ہمہ گیر شعور، انسانی نفسیات پر مکمل عبور' اسباب ووسائل کا بدترین حالات میں بھی بہترین استعمال، صداقت وطہارت کا مکمل نمونہ مگر کسی انسانی خواہش اور ضرورت کا عدم انکار۔ مصائب و تنگی ہو، خوشحالی وکامرانی ہو، شکست کا صدمہ ہو یا فتح کی سرشاری ہو، غرضیکہ ہر حال میں آنجنابؐ کے خلقِ عظیم کی تصدیق بھی ہے۔ اور اس اخلاق کی پیروی و تقلید ہماری تقدیر کی چابی بھی ہے۔

اس قدر قلیل مدت 8 سالہ میں اس قدر مثالی جماعت کی تربیت و تنظیم کی کہ کوئی اس سے قبل ایسی جماعت کبھی وجود میں نہ آئی تھی۔ صحابہ کی مدحت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

(آیت نمبر 110 آل عمران نمبر 3)

یہ عظیم کارنامہ رسولِ کریم ﷺ کی بے مثال فہم وفراست کے علاوہ آپ کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے ممکن ہوا۔ (آیت نمبر 159 آل عمران نمبر 3)

عظمتِ اخلاق کا یہ اعلیٰ معیار برقرار رکھ کر اتنی قلیل مدت، اور انسانی جانوں کے سب سے کم اتلاف کے ساتھ اتنی وسیع مملکت کا قیام، اس سے قبل بھی اور آج تک کوئی نہ کر سکا۔ یہ آپ ﷺ کی فراست وحسنِ اخلاق تھا۔ ہر دو محاسن دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔

ایک بات مزید جو علماء نے تحریر فرمائی اور درست بھی ہے وہ یہ کہ صحتِ دماغی کے بغیر حسنِ اخلاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ حسنِ اخلاق خوشگوار توازنِ ذہنی کے بغیر ممکن نہیں۔ ہر توازن کے لئے صحتِ دماغی کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں خوبیاں لازم وملزوم ہیں۔

5۔ رسولِ کریم ﷺ مؤمنوں کے لئے نرم مزاج اور ان کے خیر خواہ تھے۔

Marfat.com

آیت نمبر 159 آل عمران نمبر 3 اور آیت نمبر 24 انفال نمبر 8، آیت نمبر 128 توبہ نمبر 9 تلاوت کریں۔

6۔ آپ ﷺ کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ گویا درجات مسلسل بلند ہو رہے ہیں۔

آیت نمبر 3 القلم نمبر 68

7۔ رسولِ کریم ﷺ کا ذکر بلند کر دیا گیا۔

ملاحظہ ہو آیت نمبر 3 الم نشرح نمبر 94

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكْ (تیرا ذکر بلند کر دیا گیا)

رسولِ کریم ﷺ کی عزت و توقیر کو تمام دنیا میں قیامت تک بلند کر دیا گیا۔ مخالفین اور غیر مسلم بھی عزت و توقیر کرتے رہیں گے۔ جیسا کہ میں نے لنکن ان (Linclons Inn) اور 100 مؤثر ترین شخصیتوں کی کتاب کا اوپر ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات جو خطبہ جمعۃ الوداع میں فرمائے وہ آج یو این او کے چارٹر کی بنیاد ہیں۔ اسی طرح آنجنابؐ کی زندگی کے بہت سے پہلو اپنائے جا رہے ہیں۔

اللہ اور اس کے فرشتوں کے علاوہ کروڑوں مسلمان درود و سلام بھیج رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے آپ ﷺ سے زیادہ باعزت ذکر دنیا میں نہ کسی کا ہوا ہے نہ ہو گا۔

8۔ آپؐ کی ذاتِ گرامی اہلِ ایمان کے لئے اپنی ذات پر بھی مقدم ہے۔

آیت نمبر 6 احزاب نمبر 33

9۔ آپؐ کے کسی فیصلہ سے مومنوں کے لئے انحراف ممکن نہیں۔ آپؐ کا فیصلہ مسلمان کے لئے حرفِ آخر ہے۔ آیت نمبر 36 احزاب نمبر 33

10۔ آپؐ کے فیصلہ کو انشراحِ قلب سے تسلیم کرنا شرطِ ایمان ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا o (آیت نمبر 65 النساء نمبر 4)

ترجمہ: نہیں اے محمد تیرے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تجھے حکم نہ مان لیں اور تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور سر بسر تسلیم

Marfat.com

کر لیں۔

11۔ آنجنابؐ کی امانت و دیانت بطورِ رسول مصدقہ ہے۔

آیت نمبر 3 النجم نمبر 53 میں ارشاد ہے :

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیo اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیo

(وہ اپنی خواہش نفس نہیں بولتا، یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے)۔

اس ارشاد کا مطلب ہے کہ جس کلام کو بطور وحی پیش کرتا ہے وہ حقیقتاً وحی ہی ہوتی ہے۔ اسؐ کی اپنی خواہش سے وضع شدہ کلام نہیں ہوتا۔ نہ اس میں اضافہ نہ کمی۔

بعض حضرات آپؐ کے ہر ارشاد کو وحی قرار دے کر حدیث کو گویا کالعدم کرنے پر مصر ہوتے ہیں۔ یہاں ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی'' سے اسؐ کلامِ الٰہی کو خالص قرار دینا ہے جو بطور وحی نازل ہوا۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ آپؐ کوئی ذاتی بات بغیر وحی کرتے ہی نہیں تھے۔ اگر یہ مطلب لیا جائے تو انسانی عظمت کی بجائے آپؐ کی حیثیت ایک روبوٹ کی رہ جاتی ہے۔ (معاذ اللہ)

سورۃ تحریم نمبر 66 ملاحظہ کیجئے۔ رسولِ کریم ﷺ نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی تھی۔ اللہ دریافت فرماتا ہے کہ ایک حلال و طیب چیز کے نہ کھانے کی قسم آپ ﷺ نے کیوں کھائی۔ پھر ہدایت ہے قسم توڑ دیجئے اور اس کا کفارہ بھی ادا کیجئے۔

غور کی بات یہ ہے کہ اگر آپؐ کی ہر بات وحی ہوتی تھی تو وہ قسم بھی وحی ہوتی جو آپؐ نے کھائی تھی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر مواخذہ کیوں فرمایا اور اس قسم کو توڑنے کا حکم کیوں دیا؟

ظاہر ہے کہ آپؐ کا ذاتی قول و فعل وحی الٰہی سے علیحدہ ایک حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں غلطی کا امکان تھا۔ اس لئے اصلاح فرمائی گئی۔ اور بھی کئی مقامات پر رسولِ کریم ﷺ کی رائے کو اللہ نے غیر درست قرار دے کر اصلاح اور معاف کر دینے کا ذکر فرمایا۔ لہٰذا یہ کہنا یا سمجھنا کہ آنجنابؐ کا ہر قول وحی ہوتا تھا بالکل غلط ہے۔

12۔ رسول کریم ﷺ کے اسوہ مبارکہ کی پیروی میں اللہ کی محبت مضمر ہے۔

ملاحظہ ہو : آیت نمبر 31 آل عمران نمبر 3

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْo

ترجمہ : اے نبی کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ خود تم سے محبت کرے گا اور تمہاری لغزشوں کی تلافی کرے گا۔

13۔ رسولِ کریم ﷺ کا طریقہ بہترین اسوہ فراہم کرتا ہے جو لائق تقلید ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلُ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ــــ o آیت نمبر 21 احزاب نمبر 33

ترجمہ : اللہ کے رسول میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

گویا انسانیت کے لئے ایک ماڈل شخصیت رسولِ کریم ﷺ کو قرار دے دیا گیا۔

14۔ رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ.. جزو آیت نمبر 80 النساء نمبر 4

ترجمہ : جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔

15۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات مومنین کی مائیں قرار دی گئیں۔

(آیت نمبر 6 احزاب نمبر 33)۔ اس سے بڑا اعزاز کسی بھی خاتون کا معاشرہ میں ہونا ممکن نہیں۔ یہ اعزاز زوجیت رسولؐ کا شرف تھا۔ درحقیقت یہ شرف بھی رسولِ کریم ﷺ ہی کا شرف و عزت تھی۔ آپؐ کے تمام متعلقین کا شرف ہی آپؐ سے نسبت اور تعلق تھا۔ ازواجِ مطہرات کو اعلیٰ ترین عزت 'مائیں قرار دی گئی۔

16۔ سورۃ کوثر نمبر 108 میں آپؐ کے محاسن کی کثرت اور دشمن کے بے نام و نشان ہو جانے کی تصدیق اور پیش گوئی فرمائی گئی۔

17 آدابِ رسول۔

رسول اللہ وہ منفرد شخصیت ہیں کہ ان کی معیت، ان سے گفتگو، انکی ہمراہی، انکے گھروں میں حاضری، ان کی ازواج مطہرات سے رابطہ غرضیکہ ہر قسم کے آداب کی خود اللہ نے تعلیم فرمائی ہے۔ چند آیات کا مفہوم ملاحظہ فرمائیں۔

اے مومنو نبی کے گھروں (ازواج مطہرات کے گھروں) میں بغیر اجازت داخل نہ ہوا کرو..... اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر کھانے کے بعد رخصت ہو جاؤ تاکہ رسول کو اذیت نہ ہو..... نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردہ کے باہر سے مانگو.....

(آیت نمبر 53 احزاب نمبر 33)

اگر اللہ کے رسول کی معیت میں ہو تو بغیر اجازت نہ کھسکا کرو بلکہ اجازت لے کر جاؤ۔

رسول کا بلانا آپس کا سا بلانا نہ سمجھو۔ (ادب و احترام سے بلاؤ اور احترام سے جواب دو)

آیات نمبر 63+62 النور نمبر 24

اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ چلو بلکہ پیروی کیا کرو۔ یعنی کسی معاملہ میں بھی سبقت نہ کیا کرو۔ دورانِ سفر بھی رسول اللہ ﷺ سے آگے مت چلو۔ آیت نمبر 1 حجرات نمبر 49۔

حکم ہوا کہ نبی کی آواز سے بلند آواز ان کی مجلس میں مت کرو۔ ان سے پست آواز میں بات کرنا تقویٰ ہے۔ نبی کریم ﷺ کو ان کے گھروں سے باہر آوازیں دے کر بلانا کم عقلی کی بات ہے۔ از خود ان کے باہر آنے کا انتظار زیادہ بہتر ہے۔ آیات نمبر 5 تا 2 حجرات نمبر 49

یہ وہ آداب ہیں جو نبی آخر الزماں ﷺ کے لئے خود خالقِ کائنات تجویز فرما رہا ہے۔ کوئی حد ان کے احترام کی نہیں۔

18۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ o يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاo (آیت نمبر 56 احزاب نمبر 33)

ترجمہ: اللہ اور اسکے فرشتے نبی پر درود (تعظیمات) بھیجتے ہیں۔ اے ایمان لانے والو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو (دعائے عظمت کیا کرو)

یہ اس عزت و تعظیم کی انتہا ہے جس میں اللہ، فرشتے اور تمام اہلِ ایمان شامل ہیں۔ یہ دعاءِ عظمت و سلامتی قیامت تک جاری رہے گی۔ اور یومِ قیامت رسولِ کریم ﷺ وہ منفرد نبی اور رسول ہوں گے جن کی مدحت میں خالق کے ساتھ فرشتوں اور مومنوں کی مدحت بھی شامل ہو گی۔ آپ ﷺ اس نام کے حقدار ثابت ہوں گے جس نام سے آپ کا تعارف حضرت عیسیٰؑ سے کرایا گیا یعنی "احمد" (سب سے زیادہ تعریف کیا گیا) اور وہ مقامِ محمود، بلند و پسندیدہ مرتبہ 'جو اُسی ہستی کے لئے مخصوص ہے جو خالق و مخلوق دونوں کی محبوب و محمود ہستی ہو گی۔ وہ آپ ﷺ کو بطورِ استحقاق دیا جائے گا۔ اس کا اشارہ آیت نمبر 79 بنی اسرائیل نمبر 17 میں یہ فرما کر دیا گیا تھا:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاo

Marfat.com

ترجمہ : بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود پر فائز کردے۔

بشریت

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ جن عظمتوں کا رسولِ کریم ﷺ کی بابت قرآنِ حکیم نے ذکر فرمایا وہ عظمتیں آپؐ کی اس لئے کہ خلقی طور پر وہ ہماری طرح انسان / بشر تھے۔ گرمی، سردی، بھوک، پیاس، ضرورتِ زوجیت، صدمہ و خوشی، درد و تکلیف، الفت و انسیت، ضروریاتِ زندگی، خوف اندیشے، وساوس و ترغیبات غرضیکہ سب کچھ ایک عام انسان کی طرح انہیں بھی محسوس ہوتی تھیں۔ اگر بھوک پیاس نہ ہو تو ان کا روزہ قابلِ تقلید نہ رہے۔ جنسی ضرورت نہ ہو تو طہارت کیسے ثابت ہو، ضروریاتِ زندگی کی حاجت نہ ہو تو صبر و قناعت بے معنی وغیرہ۔ گویا رسولِ کریم ﷺ (یا تمام دیگر انبیاء) قابلِ تقلید و اتباع اس لئے ہیں کہ ہم سے انسان ہونے کے باوجود کردار کی بلندیوں پر فائز ہوئے۔ عظمتِ انسانی کے لئے خلقی اور فطری طور پر انسان ہونا ضروری تھا۔

قرآنی ارشادات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود صحابہ کرام بھی رسولِ کریم ﷺ کے متعلق فوق البشری خواص کی خوش فہمی میں مبتلا ہوتے رہے تھے۔ اس لئے آپؐ کی بشریت جگہ جگہ واضح کی جاتی رہی اور اس ضمن میں ہر ابہام کو دور کر کے اللہ کی الوہیت اور رسولِ کریم ﷺ کی بندگی اور بشریت بالکل عیاں کر دی گئی۔ آج کوئی شخص کسی بھی عذر پر رسولِ کریم ﷺ کے اتباع سے انکار یا ان کے اسوۂ حسنہ کو ناقابلِ تقلید نہیں گردان سکتا۔ رسولِ کریم ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام میں آپؐ کی تقلید بھی تھا۔

میں ایک عام فہم مثال سے بشریت کی عظمت کو واضح کر سکوں گا۔

پہاڑوں میں بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ ہے۔ اس کی بلندی حیرت انگیز اور قابلِ ذکر اس لئے ہے کہ اس کی بنیاد اسی زمین پر ہے جس پر ہم رہتے ہیں۔ اس کی بلندی زمین سے رفعت کی وجہ سے اہم ہے، آسمان سے یا چاند یا سورج سے فاصلہ کی وجہ سے نہیں۔

رسولِ کریم ﷺ کی رفعت اس لئے عظیم ہے کہ وہ خِلقی طور پر انسان تھے۔ ورنہ خالق اور کسی بھی مخلوق میں عبد اور معبود کے علاوہ کوئی رشتہ ممکن نہیں۔ یہی سب سے بڑا اعزاز ہے کہ وہ محبوب ترین عبداللہ تھے۔

Marfat.com

قرآن اور بشریتِ رسول ﷺ

آیئے اب ان آیات کی تلاوت کرتے ہیں جس میں رسولِ کریم ﷺ کی بشریت کو اجاگر کر کے معبودی صفات سے ان کا تبریہ کر دیا گیا۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔۔۔۔الخ

ترجمہ : اے نبی کہہ دو کہ میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا مجھے وحی کے ذریعہ بتادیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود تو بس ایک ہی خدا ہے۔

دیگر آیت بالکل اسی مضمون کی آیت نمبر 110 الکہف نمبر 18۔ مزید آیت نمبر 10 ابراہیم نمبر 14 + آیت نمبر 3 انبیاء نمبر 21۔

باقی جو آیات ہم اس کے بعد تلاوت کریں گے وہ دراصل انہیں مذکورہ آیات کی توضیح ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ کی بشریت کے مختلف پہلو ہیں جن کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

2۔ رسولِ کریم ﷺ کو علمِ غیب نہیں تھا۔

علمِ غیب کے موضوع پر گفتگو سے پہلے ایک بنیادی وضاحت ضروری ہے۔ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے اور نہ کبھی تھا۔ لیکن اس علمِ غیب سے جو حصہ وہ چاہے انبیاءؑ کو اور ان کے توسط سے دیگر انسانوں کو دیتا رہا ہے۔ مثلاً قیامت کا برپا ہونا، جنت و دوزخ کا وجود وغیرہ، علمِ غیب کا وہ حصہ ہیں جو خود عالم الغیب نے ہمیں رسولوں کے توسط سے عطا کر دیا ہے تو وہ علم اس حد تک علمِ غیب نہیں رہا۔ یا اللہ اپنے مخصوص رسولوں کو اپنے بعض مخفی قوانینِ فطرت کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ اور رسولِ کریم ﷺ کی بابت قرآن سے ثابت ہے۔ تو ان مشاہدات کی حد تک وہ علم ان رسولوں کے لئے علمِ غیب نہیں رہا۔

عالم الغیب اس ہستی کو کہیں گے جو یہ علم ذاتی استحقاق سے از خود رکھتا ہے۔ وہ صرف اللہ ہے جس حد تک کسی علم کو اس نے خود منکشف کر دیا ہو اور جس پر منکشف کیا ہو وہ اس حد تک اور اس شخص یا اشخاص تک علمِ غیب نہیں رہا۔ حضرت مریمؑ کو اور حضرت زکریاؑ کو بیٹوں کی بشارت دی گئی تو وہ عالم الغیب کی طرف سے دی گئی ایک خبر ہو گئی۔ علمِ غیب نہ رہا۔ اب ملاحظہ ہوں :-

ا۔ ترجمہ جزو آیت نمبر 65 النمل نمبر 27

Marfat.com

"ان سے کہو کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا"

II۔ ترجمہ آیت نمبر 50 الانعام نمبر 6

" اے نبی ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں علمِ غیب رکھتا ہوں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے "۔

III۔ ترجمہ آیت نمبر 188 الاعراف نمبر 7 (جزو)

" اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا"۔

IV۔ ترجمہ جزو آیت نمبر 20 یونس نمبر 10

" غیب کا مالک و مختار تو صرف اللہ ہے "۔

اس ضمن کی چند دیگر آیات بھی ملاحظہ کریں۔

آیت نمبر 34 السجدہ نمبر 31 + آیات نمبر 8,9 توبہ نمبر 9 + آیات نمبر 26,27 الجن نمبر 72 + آیت نمبر 44 آل عمران نمبر 3 + آیت نمبر 109 انبیاء نمبر 21۔

3۔ رسولِ کریم ﷺ کا نفع وضرر پر عدم اختیار۔

I۔ ترجمہ جزو آیت نمبر 48 یونس نمبر 10

" (اے نبی) کہہ دیجئے کہ میرے اختیار میں تو اپنا نفع وضرر بھی نہیں بجز اسکے جو اللہ چاہے"۔

II۔ ترجمہ جزو آیت نمبر 188 اعراف نمبر 7

" (اے نبی کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا بجز اس کے جو اللہ چاہے "۔

III۔ ترجمہ جزو آیت نمبر 21 الجن نمبر 72

" (اے نبی) کہہ دیجئے کہ میں نہ تم لوگوں کے لئے کسی نقصان کا نہ بھلائی کا کوئی اختیار رکھتا ہوں"۔

4۔ رسولِ کریم ﷺ کو ثواب و عذاب میں عدم اختیار۔

ترجمہ آیت نمبر 128 آل عمران نمبر 3

" (اے نبی) فیصلہ کے اختیارات میں تیرا کوئی حصہ نہیں ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے یا عذاب دیا

Marfat.com

جائے کیونکہ وہ ظالم ہیں"۔

5۔ کیا شیاطین سے رسولِ کریم ﷺ کو تحفظ تھا؟

یہ بات عام طور پر علماء یا خطیب باور کراتے رہتے ہیں کہ رسولِ ﷺ کی پشتِ مبارک پر بالوں سے مہر نبوت لگی ہوئی تھی اس لئے آپؐ شیطان کی ترغیب و تحریص سے مامون تھے۔ یہ تاثر درست نہیں۔

اگر حضرت ابراہیم شیطان کی تحریص و ترغیب کا مقابلہ اپنی قوتِ ایمانی سے کر کے محفوظ رہتے ہیں تو دوسرے انبیاء، بشمول رسولِ کریم ﷺ کی حفاظت بھی اسی طرح ہونا قرینِ قیاس و عقل ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر خلقی طور پر آپؐ کو شیطان سے محفوظ کر دیا گیا ہوتا تو پھر آپؐ " بشرا امثلکم "نہ رہتے اس لئے کہ دیگر بشر تو شیطان کی ترغیب و تحریص کے خلاف کوئی قدرتی دفاع نہیں رکھتے۔ اگر یہ خصوصیت آپؐ کو حاصل ہوتی تو انکے اتباع کے پابند عام انسان نہ رہتے۔ آسان عذر تھا کہ انہیں تو شیطان سے واسطہ ہی نہ پڑتا تھا جبکہ ہم تو عام انسان ہیں اور شیطان کی زد میں رہتے ہیں۔ اس رخ سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی بشریت واضح فرمادی۔ ملاحظہ فرمائیں :۔

I۔ ترجمہ جزو آیت نمبر 68 انعام نمبر 6

" اے نبی...... اور اگر کبھی شیطان تجھے بہلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تجھے غلطی کا احساس ہو جائے تو اس کے بعد ایسے ظالموں میں نہ بیٹھو"۔

II۔ ترجمہ آیت نمبر 200 الاعراف نمبر 7

" اگر کبھی شیطان تجھے اکسائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے"۔

لہٰذا یہ امر واضح ہو گیا کہ اس جہت سے بھی رسولِ کریم ﷺ " بشرا امثلکم "ہی تھے۔

عبدیتِ رسول اور الوہیت اللہ پر ایک آیت مزید تلاوت کر لیں۔ اس آیت سے واضح ہو گا کہ اللہ اپنے کسی اختیار سے کسی بندہ کے حق میں دستبردار نہیں ہو گا چاہے وہ بندۂ عظیم رسول ﷺ ہی کیوں نہ ہوں عبد ہمیشہ عبد ہے اور اللہ، اللہ ہے۔

آیت نمبر 96 سورۃ توبہ نمبر 9 میں اللہ نے بدو اہلِ عرب کا ذکر کرتے ہوئے کہ وہ کس طرح

Marfat.com

قسمیں کھا کر اپنی معصومیت کا یقین دلائیں گے، ارشاد ہوا:-

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ٥

ترجمہ: یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ہرگز ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہ ہو گا۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے رسولِ کریم ﷺ پابند تھے مگر اللہ تعالیٰ رسولِ کریم ﷺ کی رضا کا پابند ہرگز نہیں۔

7۔ تہدیدِ رسول۔

اب وہ چند آیات بھی تلاوت فرمائیں جس میں اللہ خطاب صرف رسولِ کریم ﷺ سے کر رہا ہے۔ یہ آیات اللہ کی الوہیت واستغنا اور رسولِ کریم ﷺ کی بشریت اور عبدیت کی واضح تصاویر ہیں۔ کسی ابہام وغلط فہمی کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی۔

I۔ آیات نمبر 73 تا نمبر 75 بنی اسرائیل نمبر 17 میں اللہ کفار کی اس کوشش کا ذکر فرماتا ہے جو کہ رسولِ کریم ﷺ کو وحیِ الٰہی سے منحرف کرنے اور اپنی طرف سے کوئی پیغام منجانب اللہ گھڑ لینے کے لیۓ کی گئی۔ یہاں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ امکان تھا کہ آپؑ (بہ تقاضائے بشریت) تھوڑا بہت کفار کی طرف جھک بھی جاتے اگر ہم آپؑ کو مضبوط نہ رکھتے۔

اس کے بعد آیت نمبر 75 میں نہایت سخت لہجہ میں وعید فرماتا ہے:

وَاِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا٥

ترجمہ: لیکن اگر تو ایسا کر لیتا تو دنیا میں بھی دہرا عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دہرے عذاب کا۔ پھر ہمارے مقابل تو کوئی مددگار نہ پاتا۔

II۔ آیت نمبر 37 الرعد نمبر 13 میں ارشاد ہوا:

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ٥

ترجمہ: اب اگر تو نے اس علم کے بعد جو تیرے پاس آچکا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی مددگار ہے نہ اس کی پکڑ سے کوئی بچا سکتا ہے۔

III۔ آیت نمبر 213 شعراء نمبر 26

Marfat.com

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَo

ترجمہ : (پس اے نبی) اللہ کے ساتھ کسی دیگر معبوذ کو نہ پکارنا ورنہ تم بھی عذاب پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

ہماری مسجدوں اور مجلسوں میں جو اللہ اور رسولِ کریم ﷺ کے تعلق کی تصویر کشی کی جاتی ہے وہ کچھ اس طرح ہے جیسے کہ (معاذ اللہ) دل کے ہاتھوں مجبور ایک عاشق اور اور اس کے محبوب کی ہوتی ہے۔ آیات مذکورہ بالا اس کی قطعاً نفی کرتی ہیں۔ حقیقتاً یہ تعلق ایک عظیم و بااختیار آقا و معبود کا اور ایک انتہائی پسندیدہ بندہ کا ہے۔ اللہ نے اعلان فرمادیا کہ جس بندہ نے میرے اس پسندیدہ بندہ کی پیروی کی وہ بھی میرا پسندیدہ بندہ ہو گا۔ کیونکہ اس بندہؑ کی پسندیدگی اس درجہ کی ہے کہ اللہ اور ملائکہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

عربی میں محبت کے معنی پسندیدگی کے ہیں عشق کے نہیں۔

آیت نمبر 36 الرعد نمبر 13 میں اس مقامِ بندگی کی تائید ملاحظہ کریں :

قُلْ اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ -

ترجمہ : تم صاف کہہ دو کہ مجھے تو اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھرانے سے منع کیا گیا ہے۔

یہ ہے وہ مقامِ بندگی جس پر آپؐ فائز تھے۔

لہٰذا درست راستہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پابندی کی جائے۔ رسولِ کریم ﷺ نے کبھی اور کسی الوہی صفت کا اپنی بابت دعویٰ نہیں فرمایا۔ انؐ کی عظمت بندگی تھی، الوہیت نہیں۔ اسی عظمت کا اعتراف علامہ اقبال نے اس اعلانِ اتباعِ رسول ﷺ سے کیا۔

مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَسَلِّم

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حقیقت.........عقیدت

اصطلاحاً جس واقعہ کو معراج کے نام سے جانا اور یاد کیا جاتا ہے وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک رات مکہ معظمہ سے مسجدِ اقصےٰ یا پھر اس سے آگے آسمانوں تک سفر اور اسی رات واپسی اور مراجعت کا واقعہ ہے۔ عروج کے معنی چڑھنا، اوپر جانا ہے۔ بعض احادیث میں چونکہ یہ لفظ آیا ہے لہٰذا معراج کا لفظ اس واقع سے مخصوص ہو گیا ہے۔ تواریخ سے اس واقعہ کا مکی تیرہ سال نبوت میں ہونا تو یقینی طور پر ثابت مگر سال اور تاریخ کا تعین نہائت غیر یقینی ہے۔ گو علماء کی اکثریت اس واقعہ کا سال 12 یا 11 نبوی میں ہونے پر یقین رکھتی ہے، لیکن بعض روایات میں سال 5 نبوی میں ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ اپنے عجزِ علم کے باوجود میرے پاس کچھ ایسے دلائل ہیں کہ 5 نبوی میں واقعہ معراج کا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل؛ جس میں اس واقعہ کا ذکر آیا وہ ترتیبِ نزول کے اعتبار سے 50 نمبر پر ہے۔ دوسری سورۃ جس میں اس واقعہ کا حوالہ ہے وہ سورۃ نجم ہے جس کا ترتیبِ نزولی سے 23 نمبر پایا جاتا ہے۔ گو یہ ترتیبِ نزولی صد فی صد درست ہونے کا کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا مگر اس تریب کو اگر تقریباً درست تصور کر لیا جائے تو بھی واقعہ معراج کا 5 نبوی میں ہونا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

کُل مکی سورتیں تعداد میں 86 ہیں۔ گویا سورۃ بنی اسرائیل کے بعد 36 آیات کا نزول ثابت ہوتا ہے۔ اور سورۃ نجم کے بعد 63 سورتوں کا نزول ہوا۔ یہ سورتیں بیشتر 100 سے زیادہ آیات پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا یہ بات نا قابلِ یقین لگتی ہے کہ قیامِ مکہ کے آخری سال دو سال کے اندر اس تعداد میں اور اتنی طویل سورتیں نازل ہوئی ہوں۔ البتہ 5 نبوی کے بعد 8 سال میں یہ طویل اور کثیر سورتیں نازل ہو سکتی ہیں۔

11 یا 12 سال نبوی میں واقعہ معراج کا ہونا اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ تمام ترتیبِ نزولی بالکل ہی غلط ہو۔ یہ فیصلہ اب علماء نے کرنا ہے کہ اس ترتیب کو اہمیت دیں یا پھر سال 11 یا 12 نبوی کو سالِ معراج مانیں۔

اس واقعۂ معراج سے منسلک جو کثیر روایات امتِ مسلمہ میں مروج ہیں ان کا ذکر اشارۃً اختصار سے کر دینا مناسب ہو گا۔

بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ اپنے گھر میں سو رہے تھے کہ چھت میں شگاف ہوا اور حضرت جبرائیلؑ حاضر ہوئے۔ اور پھر واپسی تک بستر گرم تھا اور کنڈی ہل رہی تھی۔ بعض نے بتایا کہ آپؐ ام ہانیؓ کے گھر استراحت فرما رہے تھے کہ لیجائے گئے۔ اکثر نے کہا کہ حطیم (مسجدِ حرام) میں استراحت فرما رہے تھے کہ جبرائیلؑ آئے مع حضرت میکائیلؑ۔ پیٹ اور سینہ چاک کر کے دھویا گیا۔ پھر بند کر دیا گیا۔ پھر براق کی بابت تفصیلات بیان ہوئیں۔ اسکی برق رفتاری کا ذکر کہ جہاں نظر جاتی تھی اسکا قدم وہاں پڑتا تھا' پھر راستہ میں مبینہ طور پر دو آدمیوں اور ایک عورت کے ملنے کا ذکر کہ اول یہودی دوئم نصرانی اور عورت کی صورت میں دنیا نے آواز دی تھی۔ اگر آپ ﷺ ان میں سے کسی ایک پر توجہ دیتے تو آپ ﷺ کی امت یہودی یا نصرانی یا پھر دنیادار ہو جاتی۔

اس کے بعد مسجدِ اقصےٰ پہنچ کر براق کو حلقہ سے باندھا' اذان دی گئی اور انبیاءِ ماسبقؑ کا آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنا۔ انبیاؑ سے جناب ﷺ کا تعارف' (بشمول حضرت عیسیٰؑ جواب تک حیات ہیں)۔

روایات کے مطابق بعد ازاں آپ ﷺ کو صخراء کے مقام پر لایا گیا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سے مبینہ طور پر فرشتے آسمان کی طرف عروج کرتے ہیں۔ اس کے بعد مبینہ طور پر جبرائیلؑ نے آپ ﷺ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر آسمان کی طرف پرواز کی اور یکے بعد دیگرے مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاؑ سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں سدرۃ المنتہیٰ پر جانا اور اسکی تفصیلات ملتی ہیں۔ نہر کوثر و سلسبیل کا دکھایا جانا مروی ہے۔ اسکے بعد بیت المعمور کا ذکر آتا ہے جو ٹھیک خانہ کعبہ پر واقع ہونا بیان ہوا۔ پھر شراب' شہد اور دودھ آپ ﷺ کو پیش کیا گیا جس میں سے آپ ﷺ نے مبینہ طور پر دودھ قبول فرمایا جو آپ ﷺ کی امت کے فطرتِ سلیم پر رہنے کی وجہ بنی۔

پھر مقاماتِ قرب کا تذکرہ ملتا ہے کہ کس طرح تقربِ ایزدی عطا ہوا اور مبینہ مکالمات کا ذکر۔ اس سے آگے جبرائیلؑ کی معذرت بہ کہہ "اس سے آگے میرے آقا میرے پر جلتے ہیں" پھر آپ ﷺ کا تنہا عرش تک سفر جس میں 70 حجابات کا ذکر ملتا ہے اور یہ کہ ہر حجاب 500 سالہ دبازت کا

Marfat.com

تھا۔ پھر مبینہ طور پر "قاب قوسین" کے فاصلہ سے کم فاصلہ سے زیارتِ ربی کا ہونا۔ اس کے بعد روایات کے مطابق فرضیت صلاۃ پنجگانہ کہ بار بار اللہ کے پاس حاضری اور نماز کی تعداد جو پچاس تک تھی کم کی گئی۔ یہ کمی کی درخواست مبینہ طور پر حضرت موسیٰؑ کے مشورہ پر کی گئی۔

مبینہ طور پر واپسی (مراجعت) پر حضرت جبرائیلؑ نے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا۔ دوزخ سے پردہ اٹھا تو چیخ و پکار اور آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھیں۔

مبینہ بالا وہ روایات ہیں جو اس واقعہ کے متعلق مختلف روایانِ حدیث سے ہم تک پہنچی ہیں۔

اب تاریخ کی طرف آیئے جو اس رات کے فوراً بعد چند دن سے متعلق ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے کفار مکہ بالخصوص ابو جہل کو بتایا کہ میں رات مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا اور رات ہی واپس آ گیا۔ اس پر تمسخر اور تضحیک کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ کیونکہ اس وقت کے وسائلِ سفر کے لحاظ سے یہ ناممکن تھا کہ رات رات میں سینکڑوں میل جا کر کوئی واپس آ سکے کئی مؤمنین منحرف ہو گئے، اکثر نے بے یقینی کے ساتھ سکوت کیا۔ مگر حضرت ابو بکرؓ نے نہایت مستعدی سے آپ ﷺ کی بلا جھجک تائید فرمائی اور "صدیق" کے لقب سے مشرف ہوئے۔

تاریخ مزید یہ بتاتی ہے کہ وہ اہل مکہ جو متعدد مرتبہ بیت المقدس جا چکے تھے لائے گئے اور مسجدِ اقصیٰ کی ہیئت و تعمیر سے متعلق انہوں نے رسولِ کریم ﷺ سے متعدد سوالات کئے جن کا آپ ﷺ نے درست جواب دیا۔ جسکی ان سب نے تصدیق کی۔

منقول ہے کہ آپ ﷺ سے بعد ازاں پوچھا گیا کہ ہمارا جو قافلہ شام گیا ہوا ہے اس کے متعلق بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اسے مقام "روحا" پر دیکھا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس کی انہیں پریشانی تھی۔ مزید فرمایا کہ وہاں پانی کے پیالہ سے میں نے پیاس بجھائی تھی۔ ایک دوسرے قافلہ کا ذکر فرمایا کہ میری سواری کے گزرنے سے انکا ایک اونٹ جس پر دو آدمی سوار تھے بدک گیا تھا اور ایک آدمی گر پڑا تھا اسکا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ ایک تیسرے قافلہ کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کل صبح تک پہنچ جائے گا۔ ان تمام انکشافات کی تصدیق ہو گئی۔ قریش کا جوشِ تضحیک سرد پڑ گیا۔ منحرف مؤمنین بھی مطمئن ہوئے۔

Marfat.com

توضیح

مبینہ روایات کا جائزہ جب ہم عقلِ سلیم اور تاریخی پس منظر میں لیتے ہیں تو عام لوگ ایک نہایت بچگانہ توضیح کرتے ہیں کہ اللہ کو سب قدرت ہے وہ یہ سب کچھ کر سکتا تھا۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اللہ کی قدرت کاملہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ وہ چشم زدن میں تمام کائنات کو وجود سے عدم میں تبدیل کر سکتی ہے۔ ایک یا ہزار ہا ایسی ہی یا جیسی وہ چاہے کائناتیں عدم سے وجود میں لا سکتا ہے۔ اس کی قدرتِ کاملہ اور لامحدود طاقت سے انکار کفر ہے۔ کوئی یہ بات اللہ کی نسبت سوچ بھی نہیں سکتا۔

ہم جب کسی واقعہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں تو اللہ کی قدرت پر قطعاً شک نہیں کرتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ نے وہ کام کس طریقہ پر انجام دیا۔ بے شک اللہ اسی کام کو ہر طرح کرنے پر قادر ہے مگر اس نے ہمیں جس کام کی بابت یہ اطلاع دی کہ میں نے وہ کس طرح کیا ہے تو حقیقت کی تصدیق کے لئے ہم اس طریقہ کو دریافت کرتے ہیں۔ اسکی قدرت کا تعین نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ مثلاً وہ نسلِ انسانی کو بغیر آدم وحوا کے بھی وجود میں لانے کی قدرت رکھتا ہے۔ مگر اس نے ہمیں بتایا کہ اس نے نسلِ انسانی نفسِ واحد سے اس کا جوڑ پیدا فرما کر تناسل و توالد کے ذریعہ زمین پر پھیلائی ہے۔ یا یہ کہ کائنات میں سب کچھ ایک گولہ (یونٹ) کی شکل میں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسے پھاڑ (شق) کر کائنات بنائی۔ لھٰذا یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہمارا موضوع صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ اس نے واقعہ معراج کس طرح وقوع پذیر کیا، یہ نہیں کہ وہ اس کو کس طرح کر سکتا تھا۔

مبینہ احادیث

اکثر علماءِ احادیث نے زمین و آسمان، سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور، جنت و دوزخ کا مشاہدہ غرضیکہ ہر قسم کی روایات کو اس واقعہ سے جس کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں آیا ہے منسلک کر دیا ہے۔ بہت سی مبینہ بالا روایات ثقہ راویوں اور اجلۃ صحابہؓ ، جن میں حضرت عائشہؓ ، حضرت علیؓ اور حضرات شیخین شامل ہیں، سے مروی ہیں۔ لھٰذا ان روایات کو بیک قلم نہ مسترد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انکی تکذیب ممکن ہے۔ مگر یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ایسے واقعات پر مبنی احادیث جو انسانی تصور سے ماورا ہوں، انکے راویان کی دیانتِ قطعی کے باوجود درست طور پر یاد رکھنا اور بیان کرنا سہل کام

Marfat.com

نہیں تھا۔ بہت کچھ قوتِ متخیلہ نے وہ سمجھا جو شاید رسولِ کریم ﷺ کا مقصد نہ ہو یا اس کا مفہوم سامع کے ادراک سے باہر ہو یا عجز گویائی اس کا احاطہ نہ کر سکی ہو۔ اللہ نے قرآنِ حکیم کی طرح احادیثِ نبوی کی حفاظت کی ضمانت شاید اس لئے نہیں دی۔ لھٰذا ان مبینہ روایات کو قرآنی صحت کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اس میں غلطی، بھول چوک، سقمِ ادراک یا سقمِ اظہار، موضوع کا ابہام وغیرہ ہمہ وقت ممکن اور موجود ہیں۔

چند پہلوؤں سے میری عرض بالا کا مطلب زیادہ واضح ہو جائے گا۔ مثلاً آنجنابؐ کی سفرِ معراج کیلئے روانگی گھر سے ہوئی، حضرت ام ہانیؓ کے گھر سے ہوئی، حطیم کعبہ سے ہوئی یا حجر اسود سے۔ روانگی کسی ایک ہی جگہ سے ہو سکتی تھی متعدد مقامات سے روانگی کی بات بذات خود ایک تضاد ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں روایات کی غلطی موجود ہے۔ پھر اگر براق نظر کی رفتار تک تیز رو تھا تو راستہ میں دو آدمیوں کا اور ایک عورت کا کھڑے ہونا اور آواز دینا اس آواز کا سننا کس طرح ممکن ہوا۔ اسی طرح واپسی کے سفر پر اس رفتار سے سفر میں دو قافلوں کا مفصل مشاہدہ کیسے ممکن ہوا۔ پھر ایک آدمی کا اونٹ سے گرنا اور ہاتھ ٹوٹ جانا . . . یا پانی پینا . . . یہاں سب روایات درست نہیں ہو سکتیں۔ انبیاء کی امامت سے قبل اذان کی روایت بھی باعثِ حیرت ہے۔ معراج مکی واقعہ ہے۔ اذان مدینہ میں ہجرت کے کچھ عرصہ بعد ایجاد ہوئی۔ اس قسم کی متضاد روایات میں حقیقت جان لینے کی کوشش ہمیں افراط و تفریط اور خیالی و تصوراتی کہانیوں سے بچا کر معراج النبیؐ کی عظمتِ حقیقی سے روشناس کرا سکتی ہے۔ لھٰذا اس پر غور و خوض مناسب ہے۔

تحقیقی جائزہ

جو واقعہ ''معراج'' کے نام سے معروف ہے اس کا ذکر اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل نمبر 16 کی پہلی آیت میں فرمایا ہے۔ ارشاد ہے :-

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○

ترجمہ : سبحان ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے دور کی مسجد (اقصیٰ) تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہوئی ہے تاکہ اس (بندے) کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرا دے۔

Marfat.com

حقیقتِ معراج سے کسی حد تک آگاہی کے لئے مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کے چند الفاظ خصوصی توجہ طلب ہیں۔ ان الفاظ کے مفہوم سے اس واقعہ کی کیفیت ہم بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

وہ الفاظ یہ ہیں :-

• صفتِ سبحان کا ذکر اور اسکے بعد لفظ " اسراء " پھر الفاظ "مِنَ الْمَسْجِدِالْحَرَامِ اِ الَی الْمِسْجِدِ الْاَقْصَی" اس کے بعد الفاظ "بٰرَکْنَا حَوْلَه" "اور آخر میں "لِنُرِیَه مِنْ آیَاتِنَا"۔

جسدی سفر تھا یا روحانی

صفتِ سبحانیت کا ذکر اصل واقعہ سے پہلے فرمانا نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ کی یہ صفت اس کی ذات میں یا قدرت میں ہر قسم کے نقص اور سقم کی مکمل نفی کرتی ہے۔ اللہ کے ارادہ کی تکمیل میں کوئی سبب، کوئی مشکل یا کوئی رکاوٹ حائل ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ جو ارادہ فرمالے وہ مکمل ہو جاتا ہے۔ ہمارے لئے جو کام بظاہر ناممکن ہو اسکی ذاتِ سبحان کے لئے بسہولت ممکن ہو جاتا ہے۔ گویا اللہ کے اس ارشاد کی کہ فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُo (آیت نمبر 16 البروج نمبر 85)

(جو ارادہ کرے وہ کام ہو جاتا ہے)

اس ایک لفظ ایک صفت سے مکمل عکاسی ہو جاتی ہے۔

اس قدر اہم صفت کا ذکر صاف طور پر یہ نشاندہی کر رہا ہے کہ جو بات آگے بتائی جارہی ہے وہ اس وقت کے وسائل سے ناقابلِ یقین ہے مگر جس ذات نے وہ بات اور وہ کام کیا ہے اس کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں۔ لہٰذا اللہ کے حوالہ سے اس بات پہ یقین کر لینا لازمی ہے۔

اس قدر اہتمام سے یہ کہنا کہ آپ ﷺ کو اللہ روحانی طور پر لے گیا تھا قطعاً بعید از قیاس ہے اس لئے کہ روحانی طور یا منامی (خواب) سفر کہیں سے کہیں تک بھی کر لینا کوئی ناقابلِ یقین، ناممکن یا بعید از عقل بات ہرگز نہیں تھی۔ البتہ اس دور میں جسمانی طور پر اسقدر طویل سفر راتوں رات کر کے واپس آجانا ناممکن بات تھی۔ اسی ناممکن کے احساس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس صفتِ سبحانیت کا ذکر فرمایا کہ تم جسدی اور جسمانی اس سفر کو اپنے اسباب و وسائل کے اعتبار سے ناممکن خیال کر سکتے ہو مگر جو ذات اپنے بندہ کو لے کر گئی وہ ذات سبحان ہے۔ وہ وسائل و اسباب کی پابند نہیں بلکہ انکی خالق ہے۔ وہ اپنے ہر ارادہ پر عمل کی قوت رکھتی ہے اس لئے اپنے وسائل و اسباب کو بھول کر میری

Marfat.com

سبحانیت کو پیشِ نظر رکھو اور یقین کر لو کہ یہ واقعہ جسمانی طور پر لے جائے جانے کا ہے۔ اس واقعہ کے ذکر پر کفار کی نکتہ چینیاں اور تضحیک اور سوال و جواب بھی دلالت کرتے ہیں کہ انھیں اس سفر کے جسمانی/جسدی ہونے پر یقین نہ آیا تھا۔ روحانی سفر پر انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

لھٰذا یہ طے ہے کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کا یہ سفر رسولِ کریم ﷺ نے جسمانی طور پر کیا تھا۔

"من المسجد الحرام"

دوسری اہم بات یہ کہ اس سفر کی ابتداء اور اس کی انتہائی منزل کا واضح طور پر ذکر فرما دیا گیا۔

اب ایک طرف تو ان قیاسات کا کوئی جواز نظر نہیں آتا جس میں اس سفر کے آغاز کے متعلق ابہام ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بسترِ استراحت سے شروع ہوا یا حضرت ام ہانیؓ کے گھر سے ہوا۔ آپ ﷺ یقیناً اس وقت مسجدِ حرام میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں آپ ﷺ حطیم میں ہوں یا حجر اسود کے قریب ہوں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اللہ کے اس واضح ارشاد کے بعد کہ مسجدِ حرام سے آپ ﷺ کو لے جایا گیا دیگر کسی قیاس یا ابہام کی گنجائش نہیں رہتی۔ روایات کی بنیاد پر قرآن کو جھٹلانا جہلِ عظیم ہے۔ ان مبینہ روایات کی بابت بعد میں بات ہو گی۔ رسولِ کریم ﷺ کو مسجدِ حرام ہی سے جسمانی طور پر لے جایا گیا تھا۔ حضرت ام ہانیؓ کے گھر سے یا پھر اپنے گھر سے جانے والی بات اس واقعہ سے بالکل غیر متعلق ہیں۔

"الی المسجد الاقصیٰ"

I اب ہمارے مروّج عقائد کا زیادہ نازک مرحلہ آتا ہے یعنی یہ سفر اور اسکی منزل مسجدِ اقصیٰ تھی یا اس کے بعد آسمانوں پر لے جایا گیا تھا۔

اس ضمن میں پہلا سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ وہ سینکڑوں میل کا سفر جو زمینی تھا اور اس دور میں ایک رات میں کرنا ممکن نہیں تھا، اس کا ذکر تو اسقدر اہتمام سے کر دیا گیا مگر اس سے آگے کسی سفر کا ذکر بالکل نہیں کیا جاتا... یعنی وہ بات جو آج بھی ناممکن العمل ہے، زیادہ حیرت انگیز ہے اور اللہ کی سبحانی صفت کا کہیں بڑا مظاہرہ ہو سکتا تھا۔ تو اگر واقعتاً ایسا ہوا تھا تو اللہ نے اس کا ذکر کیوں نہیں فرمایا۔

II دوسرا سوال یہ ہے کہ جو کچھ بیت المقدس پہنچ کر ہونا روایات میں آتا ہے یعنی انبیاءؑ کا آنجنابؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنا، تعارف ہونا اور پھر سفرِ سماوی... یہ سب کچھ مسجدِ حرام میں بھی اسی طرح ہونا ممکن تھا۔ اس کے لئے مسجدِ اقصیٰ لے جایا جانا کیوں ضروری تھا۔ پھر آپ ﷺ کی واپسی براہِ

Marfat.com

راست مکہ مکرمہ میں ہو سکتی تھی مگر نہیں ہوئی۔ کیوں ؟ اس کا جواب اسی آیت میں مضمر ہے۔

III مروّج روایات کے مطابق رسولِ کریم ﷺ کا بیشتر وقت آسمانی سفر حضرت جبرائیل کی معیت میں ہوا۔ فرشتوں کے سفر آسمانی کے متعلق اللہ تعالیٰ آیت نمبر 4+3 سورۃ السجدہ نمبر 32 میں چھ (6) یوم میں آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے کے پیدا فرمانے کا ذکر فرماتا ہے۔ پھر اس وجہ سے کہ ہم "یوم" سے مطلب اپنے 24 گھنٹہ کا دن نہ تصور کر لیں وضاحت فرماتا ہے کہ یوم سے مراد وقت کا خدائی پیمانہ ہے۔ کہیں یہ ایک یوم پچاس ہزار سال کا ہے کہیں ہمارے ایک ہزار سال کا۔

آیات ملاحظہ کریں۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ٥

(آیت نمبر 4 معارج نمبر 70)

ترجمہ : اس (اللہ) تک فرشتے اور روح (جبرائیل) ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے چڑھتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ٥

(آیت نمبر 5 السجدہ نمبر 32)

ترجمہ : وہ آسمان سے زمین تک تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ اور اس تدبیر کی روئداد اس کے حضور میں ایک ایسے دن میں جاتی ہے جسکی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے۔

آیت نمبر 47 الحج نمبر 22 میں پھر ارشاد ہے :

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ٥

ترجمہ : تمہارے رب کا ایک دن تمہارے شمار کے ہزار برس کے مثل ہوا کرتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سفر جسمانی تھا تو آسمانوں پر پہنچنا بھی جسمانی طور پر ہی ہونا تھا۔ جب جبرائیلؑ اور فرشتے وہ سفر ہمارے ایک ہزار سال میں کرتے ہیں 'یا زیادہ میں' تو یہ آسمانی سفر رسولِ کریم ﷺ کے لئے بھی کم از کم اتنی مدت کا ہونا تھا۔ جبکہ آپ ﷺ کی واپسی رات ہی کو ہو گئی۔

یہاں پھر یاد دلا دوں کہ بات اللہ کی قدرت کی نہیں اس کے اس طریقِ کار کی ہو رہی ہے جس کا ذکر

Marfat.com

رسولِ کریم ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ لے جانے اور فرشتوں کی بابت مذکورہ بالا قرآنی آیات میں ہوا ہے۔

علاوہ مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی کے خود روایات میں ایک آسمانی طبق سے دوسرے طبق آسمان کا سفر 500 سال کا بیان ہوا ہے۔ کیا آپ ﷺ اس رات جسدی (جسمانی) طور پر آسمان / آسمانوں پر واقعی لے جائے گئے تھے؟ یا یہ ممکن تھا کہ اسقدر فوق الطریقہ کام ہوا مگر اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

IV اس کے بعد جنت اور دوزخ کے مشاہدہ کی روایات آتی ہیں۔ حشر سے پہلے جنت اور دوزخ میں کوئی نہیں جائے گا۔ یہ شاید ممکن ہو کہ کچھ نفوسِ مطمئنہ کو براہِ راست جنت دی گئی ہو مگر جہنم میں یقیناً حشر سے پہلے مقدمہ کے فیصلہ کے بغیر کوئی نہیں جا سکتا۔ تو آپ ﷺ نے جنت اور دوزخ میں کن لوگوں کو دیکھا۔۔۔۔ جبکہ وہاں کوئی موجود ہی نہیں تھا۔

اس کے متعلق بعض علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ سب مشاہدہ صورتِ مثالیہ میں (یعنی غیر حقیقی تمثیل) میں دکھائے گئے تھے۔ اس تمثیل کو ہم آج کی زبان میں ڈرامہ سمجھ سکتے ہیں۔ یعنی حقیقت تو نہ ہو مگر اسکی تشکیل حقیقت کے انداز میں کی جائے۔ اب غور کی بات یہ کہ صرف تمثیل دکھانے کے لئے آسمانوں پر سفر کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔ تمثیل کا مشاہدہ کبھی بھی اور کہیں بھی کرایا جا سکتا تھا۔

V آخری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ جو ہر جگہ موجود ہے اس سے ملاقات یا زیارت کیلئے کسی خاص مقام تک لے جایا جانا ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ قیام پذیر ہے۔ جو کہ صریحاً غلط ہے۔ اللہ زمان و مکان کی قید سے ماوراء ہستی ہے۔ اسے محدود نہیں کیا یا سمجھا جا سکتا۔ حضرت موسیٰ کا کوہِ طور پر اپنے رب سے بات کرنے کے لئے جانا اس لئے تھا کہ جس درخت کے وسیلہ سے وہ اللہ سے کلام کرتے تھے وہ کوہِ سینا پر تھا۔ یہ حضرت موسیٰ کی، ایک بندہ کی محدود صلاحیت تھی۔ ورنہ اللہ تو ہر جگہ اور ہمہ وقت موجود ہے۔

ان تمام دلائل کا ایک ہی جواب ہے کہ اس رات رسولِ کریم ﷺ کا جسدی / جسمانی سفر صرف مسجدِ اقصیٰ تک ہی تھا۔

اللہ کے واضح ارشاد کو جس میں منزل بیان کر دی گئی 'تاویلات' سے اور روایات کی بنیاد پر غلط یا نامکمل بیان قرار دے دینا ہرگز قرینِ ایمان نہیں۔

"بارکنا حولہ"

مسجدِ اقصیٰ کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ اس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہوئی ہے۔ اس ذکر کو ایک ضمنی اضافہ ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا۔ اللہ کا ایک لفظ بھی حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ مسجدِ اقصیٰ لے جائے جانے کی وجہ اسکے ماحول کی وہ برکت تھی جس کا خصوصی ذکر فرمایا گیا۔

لفظ برکت کا اردو میں عام استعمال جو مروّج ہے وہ اضافہ کے معنی میں ہے۔ قرآن حکیم میں اس لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہیں۔ ہر جگہ یہ لفظ کسی خصوصیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور جس جگہ بھی برکت کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ اچھے معنی اور اچھی خصوصیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ فلسطین کی سرزمین کو بابرکت قرآن حکیم میں کئی جگہ فرمایا گیا۔ مثلاً سورۃ الاعراف نمبر 7 کی آیت نمبر 137 میں اور سورۃ الانبیاء نمبر 21 کی آیت نمبر 71 میں اس سرزمین کی برکت کی خصوصیت یقیناً کسی بہت اہم بات کی نشاندہی کرتی ہے۔

اب واقعۂ معراج میں رسولِ کریم ﷺ کا مسجدِ اقصیٰ (فلسطین) کی سرزمین تک لے جانے کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا " بارکنا حولہ "۔ جس سے یہ قیاس بسہولت کیا جاسکتا ہے کہ وہاں کوئی ایسی خصوصیت (برکت) ہے کہ آپ ﷺ کو وہاں لے جایا جانا ضروری تھا۔ وہ خصوصی صفت مکہ مکرمہ کے ماحول کو عطا نہیں ہوئی۔ پھر اس خصوصیت یا برکت کے ذکر کے بعد مقصدِ سفر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ قوانینِ فطرت (آیات) کا مشاہدہ کرانا چاہتا تھا۔ یہ نہیں کہ آپؐ کو اس جگہ سے آگے یا اوپر لے جایا جانا مقصود تھا۔

اس تجزیہ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کے ماحول میں کوئی ایسا نظامِ قدرت پوشیدہ ہے کہ آفاقی قوانینِ الٰہی کا مشاہدہ کیا جاسکتا تھا۔ ہم آج کی زبان میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اس ماحول میں کوئی قدرتی ٹیلی ویژن پوشیدہ ہے جس میں نظام کائنات کو درہم برہم کئے بغیر اس کل نظام کا مشاہدہ کرایا جاسکتا تھا اور کروایا گیا۔

اس مرحلہ پر ایک اہم ارشاد جو حضرت ابراہیمؑ کے متعلق اللہ نے فرمایا، اس پر بھی غور کرنا مفید ہوگا۔

آیت نمبر 73 سورۃ الانعام نمبر 6 میں ارشاد ہوا کہ "وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا فرمایا"

Marfat.com

(یعنی مضبوط اور ٹھوس قوانینِ فطرت کے تحت پیدا کیا)

"اور جس دن وہ کہے گا کہ (حشر ہو جائے تو وہ ہو جائے گا) گویا یہ بھی اس کا اٹل قانون ہے کہ حشر یقینی امر ہے) پھر ارشاد ہے "اسکا فرمان ہی حق ہے (اس کا فرمان ہی قانون ہے)

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے اپنے والدہ کے ساتھ ایک مکالمہ کا ذکر فرما کر آیت نمبر 75 الانعام نمبر 6 میں ارشاد ہے:

وَكَذَالِكَ نُرِىٓ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَo

ترجمہ: ابراہیم کو ہم اسی طرح آسمانوں اور زمین کا نظام سلطنت دکھاتے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے (یعنی اسے عین الیقین ہو جائے)

اب ہم تقریباً یقین سے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے کائنات میں اپنے نظام کا مشاہدہ کرایا تھا تاکہ ان کا یقین عین الیقین یا حق الیقین تک پہنچ جائے۔ اسی طرح رات رسولِ کریم ﷺ کو اسی ماحول میں لے جایا گیا جہاں حضرت ابراہیمؑ موجود تھے یعنی مسجدِ اقصیٰ کے قرب وجوار میں، اور آیات دکھانے کا مقصد اس نظامِ کائنات کا اسی طرح مشاہدہ کرانا تھا جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو کرایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بھی اس مشاہدہ کا متعدد بار کرائے جانے کا اشارہ ہے (الفاظ ہیں "دکھاتے تھے") گویا یہ مشاہدہ کئی بار کرایا جاتا رہا تھا۔

"لنریہ من آیاتنا"

آیتِ اسراء میں جو مقصد رسولِ کریم ﷺ کے اس سفر کا فرمایا وہ اپنی آیات میں سے کچھ کا مشاہدہ کرانا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق مذکورہ بالا آیت نمبر 75 الانعام نمبر 6 میں بھی اسی مشاہدہ کا ذکر ہے۔ لھٰذا بات صاف ہو گئی کہ مسجدِ اقصیٰ لے جائے جانے کا مقصد صرف بنیادی قوانین کا اسی طرح مشاہدہ کرانا تھا جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو کرایا جاتا رہا تھا۔ اس سفر کا مقصد ہرگز آسمانوں تک لے جانا نہیں تھا نہ ہی لے جایا گیا۔ ورنہ اس کا ذکر یقیناً فرما دیا جاتا۔ حضرت ابراہیمؑ کو بغیر آسمانوں پر لے جائے مشاہدات کرائے گئے تھے۔

البتہ حضرت ابراہیمؑ کے مشاہدہ کی کیفیت اور حدود کیا تھیں اور رسولِ کریم ﷺ کے مشاہدہ کی وسعت کیا تھی یہ ایک الگ معاملہ ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق رسولِ کریم ﷺ کے مشاہدہ کی وسعت سدرۃ

المنتہیٰ تک پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ کے بارہ ایسا کوئی ارشاد قرآنِ حکیم میں موجود نہیں۔

ضمناً یہ ذکر ہو جائے کہ اس مشاہدہ کی ضرورت کیوں تھی اور اس کے لئے یہ طریقہ کار کیوں اختیار کیا گیا تھا۔ اس کے متعلق مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے جو توضیح فرمائی ہے وہ نہایت قرینِ عقل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

انبیاءؑ کو ملکوت السمٰوات والارض (نظام کائنات) کا مشاہدہ اس لئے کرایا جاتا ہے کہ جن حقائق پر وہ ایمان بالغیب لانے کی دعوت دے رہے ہیں وہ خود انکا مشاہدہ مادی حجابات ہٹالیے جانے کے بعد کر لیتے ہیں۔ اور انکی دعوتِ ایمان براہ راست علم اور مشاہدہ پر مبنی ہوتی ہے جس میں ان کا یقین بالغیب 'عین الیقین کے درجہ کا ہوتا ہے۔ ہر شک و شبہ سے بالا ہوتا ہے۔ آیت نمبر 75 الانعام میں اللہ تعالیٰ اسی یقین کی بات حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرماتا ہے۔

دوسرے اس مشاہدہ کے لئے بندہ کو لے جانا اس لئے ضروری تھا کہ جس طرح اللہ بیک وقت تمام کائنات کو دیکھ رہا ہے بندہ کے لئے اس طرح دیکھنا ممکن نہیں۔ لھٰذا جب اللہ نے رسولِ کریم ﷺ کو اس نظام کا مشاہدہ کرانا تھا تو ایسی جگہ لے گیا جہاں تمام مادی حجابات ہٹا کر جزو جزو اس نظام کا مشاہدہ بندہ کو کرایا جا سکتا تھا اور اس مشاہدہ سے نظامِ کائنات میں کوئی خلل بھی واقع نہ ہو سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس خاص رات میں رسولِ کریم ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ کے بابرکت ماحول (اس خدائی ٹیلی ویژن) میں مادی حجابات رفع فرما کر مشاہداتِ نظامِ کائنات کرائے۔ مختلف احادیث میں جو روایات ہیں وہ انہیں مشاہدات پر مبنی معلوم ہوتی ہیں۔ ان مشاہدات میں موجود حقیقتوں کے علاوہ مستقبل کے حقائق بھی صورتِ مثالیہ سے آنجنابؐ کو دکھائے گئے جو ہم تک پہنچے۔

مجھے یقین ہے کہ اس تفصیل نقلی (قرآن و حدیث سے) اور عقلی تجزیہ کے بعد کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔ آپ ﷺ خود آسمانوں پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ تمام آسمانوں کی سیر اور مشاہدات بیت المقدس ہی میں کرائے گئے۔ ان روایات کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں نہ انکی ہر تفصیل پر تبصرہ یا یقین کرنا لازمی ہے۔ ان روایات میں راویان کے نقصِ علم اور نقصِ بیان کے علاوہ ان کا اپنا تخیل اور عقیدت انسانی کمزوریوں کی وجہ سے شامل ہو سکتا ہے۔ لھٰذا ان روایات کی باریک تفاصیل کو نظر انداز کرنا

Marfat.com

زیادہ موزوں ہوگا۔

سورۃ النجم نمبر 53

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ النجم کے نزول کی تقدیم و تاخیر کو فی الحال بھول کر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا ذکر بنی اسرائیل کی آیت میں صرف ابتداء و انتہاءِ منزل اور سفر کا مقصد کہ آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرانا تھا۔ مختصراً بیان فرما کر بات ختم کر دی گئی ہے۔ مگر اس واقعہ کی کسی حد تک تفصیل سورۃ نجم کی چند آیات میں موجود ہیں۔

سورۃ نجم نمبر 53 میں رسولِ کریم ﷺ کے اس سفر اور اسکے مشاہدات کے بیان کے بعد رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی پر کفار کے الزامات کہ (معاذاللہ) آپ ﷺ بہکے ہوئے ہیں یا یہ کہ یہ کہانی آپ ﷺ کی خود ساختہ ہے وغیرہ کی اللہ تردید فرماتا ہے کہ نہ وہ بہکے ہیں نہ ہی انہوں نے اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی غلط بات دل سے گھڑ لی ہے۔ بلکہ جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ امر واقعہ تھا اور جو بات بھی آپ ﷺ اللہ سے منسوب فرماتے ہیں وہ حقیقتاً وحی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس سفیر کی عظمت اور اعلیٰ مقام اور قوت کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو اللہ کی طرف سے وحی لارہا ہے۔ یعنی جبرائیلؑ۔

آیت نمبر 7 سے اس سفر معراج کی ابتداء میں حضرت جبرائیل کے افق اعلیٰ پر اصل شکل میں ظاہر ہو کر رفتہ رفتہ رسولِ کریم ﷺ سے قریب ہو جانے کی کیفیت کا ذکر فرمایا گیا کہ دو ہاتھ کے فیصلہ پر آپ ﷺ تک پہنچ گئے۔ اصل صورت میں آنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ سفر جس پر آنجناب کو لے جانا تھا وہ بطور فرشتہ اور بصورتِ فرشتہ لے جانا تھا۔ انسانی شکل میں یہ تیز رفتار سفر ممکن نہ ہوتا۔ دوسرے یہ کہ بعد میں سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبرائیل نے اپنی اصل شکل میں نظر آنا تھا تاکہ رسولِ کریم ﷺ کو یقین ہو جاتا کہ وہ جبرائیل ہی کو دیکھ رہے ہیں کسی وہمی شکل کو نہیں۔ قریب پہنچ کر اللہ کی وحی پہنچائی، یعنی پیغام کہ آیاتِ الٰہی کے مشاہدہ کے لئے مسجدِ اقصیٰ چلنا ہے۔ حضرت جبرائیل کو اصل شکل میں دیکھنے اور سمجھ لینے میں کہ وہ جبرائیل ہیں رسولِ کریم ﷺ نے کوئی غلطی نہیں کی بلکہ جاگتی آنکھوں، مکمل شعور سے فرشتہ کو دیکھا اور دل سے پہچانا تھا۔

اس اختصار کی تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو قبل ازیں ہمیشہ انسانی صورت میں دیکھا تھا۔ اس رات جبرائیل کو اصل شکل میں دکھایا جانا اور آپؐ کا

دیکھنا مصالح ربّی کے مطابق ضروری تھا۔ یہ مصالح ربّی سمجھ میں بھی آجائیں گی۔ اور جبرائیل دو دفعہ اصل میں نظر آئے۔ نظر آنے کے ذکر سے پہلے حضرت جبرائیل کا تعارف بھی بطور شدید القویٰ (زبردست قوت کے حامل) کرایا گیا۔ بعد کے واقعات انکی قوت سے متعلق تھے۔

پہلی بار انسانی آنکھ کی عام حد نظر یعنی افق پر مکہ مکرمہ میں نظر آئے۔ پھر آہستہ آہستہ اتنے قریب آگئے کہ رسولِ کریم ﷺ سے ان کا فاصلہ دو ہاتھ (قاب قوسین) کے برابر یا اس بھی کم رہ گیا۔ نظر جبرائیل کو دیکھ رہی تھی اور دل نے یقین دلا دیا کہ یہ جبرائیل ہیں۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰیo (پھر اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو پہنچانی تھی) یعنی اللہ کی طرف سے یہ حکم کہ آپ نے مسجدِ اقصیٰ چلنا ہے تاکہ نظامِ قدرت کا آپ کو مشاہدہ کرایا جائے، بطورِ وحی پہنچایا۔ اس طرح ایک اجنبی شکل اور ہئیت کو دیکھ کر جو خوف طبعی طور پر آپ محسوس فرما سکتے تھے وہ بھی رفع ہو گیا اور جبرائیلؑ کی اصل شکل سے آپ آشنا ہو گئے۔ اور حکم ربّی بھی پہنچ گیا۔

اس مرحلہ پر جبرائیلؑ کا اصل شکل میں آنا اس لئے ضروری تھا کہ رسولِ کریم ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ لے جانے کا کام وہ صرف بطور فرشتہ کر سکتے تھے۔ انسانی شکل میں انسانی محدود قوت سے لے جایا جانا ممکن نہ تھا۔ وقت اور فاصلہ اہم رکاوٹ تھے۔ ایک فرشتہ کے طور پر اور اصل شکل میں پرِ پرواز میں وہ برق رفتار قوت تھی۔ بطور انسان نہیں۔ اور جبرائیلؑ کا تعارف بطور شدید القویٰ اسلئے کرا دیا گیا تھا۔

پھر ارشاد ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰیo عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی o (آیات نمبر 14+13)

ترجمہ: اور ایک مرتبہ پھر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کو اترتے دیکھا۔

رسولِ کریم ﷺ نے دوسرے مرتبہ جبرائیلؑ کو اصل شکل میں اس مادی اور موجود کائنات کی آخری سرحد پر اترتے دیکھا۔ لفظِ منتہیٰ سے اس کائنات کی انتہائی حد کا اشارہ ملتا ہے۔ پھر یہ ارشاد کہ "عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰیo (جس کے قریب جنت الماوی ہے) سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ سدرۃ مذکورہ اس کائنات کی آخری حد تھی۔ اور سدرۃ پر دھند چھائی تھی، یعنی اس سے آگے نہ کچھ دیکھانا مقصود تھا نہ ہی دیکھا جا سکتا تھا۔ یہاں ارشاد ہوا: لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰیo آیت نمبر 18۔ (اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں (قوانینِ نظامِ کائنات) دیکھیں)۔

Marfat.com

آیت نمبر 18 میں اس سفر کے مقصد کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا جس مقصد سے یہ سفر کرایا گیا تھا۔ مسجدِ اقصیٰ کے قرب وجوار سے سدرۃ المنتہیٰ تک تمام نظامِ کائنات کا مشاہدہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمالیا۔ کسی شک وشبہ کے بغیر۔

اس حد پر دوسری بار حضرت جبرائیل کو انکی اصل شکل میں صاف طور پر دیکھ لینے کا مطلب یہ یقین دلانا تھا کہ درمیان کے تمام مادی حجابات اٹھا دیئے گئے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ تک جو کچھ رسولِ کریم ﷺ دیکھ رہے تھے وہ حقیقت تھی نظر کا دھوکہ نہ تھا۔ آیت نمبر 17 میں یہی تصدیق فرمائی گئی۔ سدرۃ المنتہیٰ تک جبرائیل بطور فرشتہ اپنی اصل شکل میں ہی جا سکتے تھے اور جبرائیل کو وہاں پہچاننے کے لئے ضروری تھا کہ رسولِ کریم ﷺ انکی اصل شکل سے آشنا ہوتے۔ اسلئے اصل شکل سے شناسا ہونا بھی ضروری تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر مری کی ایک پہاڑی سے بہت فاصلہ پر دوسری پہاڑی پر کھڑے آپ اپنے کسی قریبی آشنا اور ساتھی کو صاف صاف پہچان رہے ہوں تو درمیان کے پھول، پودے، درخت اور جانور بھی جو نظر آئیں گے انکے حقیقی ہونے کا آپ کو یقین ہوگا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیo آیت نمبر 17 میں تصدیق فرمائی گئی کہ جو کچھ آپ ﷺ نے دیکھا وہ ٹھیک ویسا ہی تھا نہ آنکھ نے کسی شے کو کم دیکھا نہ زیادہ (Precise & Exect)۔

آیت نمبر 15 میں ارشاد ہے کہ:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰیo (اس وقت سدرۃ پر دھند چھا رہی تھی)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر جس کے قریب جنت الماوٰی ہے اور جہاں جبرائیل نظر آرہے تھے تک منظر بالکل صاف آپ ﷺ کو نظر آیا اس سے آگے ایسی دھند چھائی تھی کہ آپ ﷺ آگے کچھ نہیں دیکھ سکے نہ اس سے آگے کچھ دکھانا مقصود تھا۔ حجابات صرف سدرۃ المنتہیٰ تک ہٹائے گئے تھے۔

سورۃ نجم کے اس مضمون کی مزید تائید آیات نمبر 19 تا 23 سورۃ التکویر نمبر 81 میں بھی کی گئی ہے۔ اس کی تلاوت بھی سودمند ہوگی۔ خصوصاً اس لئے کہ اس میں جبرائیل کے دیکھے جانے کا ذکر ہے۔

Marfat.com

رویئتِ رب

سورۃ نجم میں چونکہ نام لئے بغیر جبرائیل کے دو دفعہ دیکھنے کا ذکر فرمایا، خصوصاً سدرۃ المنتہیٰ کے حوالہ سے، تو عقیدت نے یہ باور کرا لیا کہ شاید یہ اللہ تعالیٰ کے دیکھے جانے کا تذکرہ ہے۔ بہت سے سادہ لوحوں نے یہ خیال کر لیا کہ رسولِ کریم ﷺ نے معراج میں اللہ کی زیارت بھی کی تھی۔ یہ گمان سراسر غلط ہے۔ کسی آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اللہ کی ذاتِ اقدس کا سرسری مشاہدہ یا ادراک بھی کر سکے اسکی ایک معمولی تجلی نے کوہِ طور کو جلا کر راکھ کر دیا اور حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر اور قوی الاعصاب نبی بھی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا یہ جواب "لن ترانی"۔۔۔۔(تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) دراصل مخلوقات کے لئے جواب تھا۔ اللہ کا واضح ارشاد ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ o (آیت نمبر 103 الانعام نمبر 6)

ترجمہ: نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ وہ نگاہوں کو پا سکتا ہے۔ وہ لطیف و باخبر ہے۔

یہ اعلان بلا استثنیٰ سب کے لئے ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کے لئے بھی۔ حضرت عائشہؓ سے جب اس بابت سوال کیا گیا تو آپ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے اللہ کی زیارت کی تھی وہ جھوٹا ہے۔

اس ضمن میں ایک ذاتی واقعہ کا ذکر مفید ہوگا۔ میرے بچوں نے اپنی نو عمری میں یہی سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو رسولِ کریم ﷺ کو اپنی زیارت کرا سکتا تھا اور اس زیارت کی قوت بھی آپ ﷺ کی آنکھ اور حواس کو دے سکتا تھا پھر ایسا کیوں نہ کیا گیا۔ اس کا جو جواب میری سمجھ میں آیا اور دیا اس پر آپ بھی غور فرمائیں۔

اوّل یہ کہ منفرد، مافوق الانسانیت قوت اگر عطا ہو جاتی تو رسولِ کریم ﷺ "بشرا امثلکم" (تمھاری طرح بشر ہوں) نہ رہتے بلکہ فوق البشر ہستی بن جاتے اور ان کے اسوہ کی پیروی کی امت پابند نہ رہتی۔ جبکہ امت کی نجات ان کے اسوۃ کی پیروی میں مضمر ہے۔

دوئم یہ کہ ہم تمام روئے زمین پر انسانی عقل و علم کے مظاہر مثلاً ہوائی جہاز، کمپیوٹر، نت نئی مشینیں، ایٹمی ہولناکیاں، ہائیڈروجن بم، بے شمار ادویات، ایکسرے مشینیں، ٹیلی فون، موبائل وغیرہ دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ انسانی عقل و علم کے کرشمے اور مظاہر ہیں۔ لیکن اگر سر کھول کر دیکھا جائے

Marfat.com

تو آئن سٹائن اور ایک موچی کا مغز ہمیں یکساں نظر آئے گا۔ عقل اور علم کا شائبہ تک نظر نہیں آئے گا۔ اسی طرح زندہ انسانوں کے دماغی ایکسرے یا سکینگ (Scaning) میں علم و عقل کا وجود نظر نہیں آسکتا۔ جب عقل اس قدر لطیف ہے تو اس عقل کا خالق کس قدر لطیف ہو گا۔ ہم محض ایک مبہم تصور ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ کی ذات ہر نظری اور بصری ادراک سے بالا ہے۔ وہ صرف مظاہر صفات میں نظر آتا ہے اور بس۔ اسی طرح ہر بشر اس کی آواز سے نا آشنا ہے۔ وہ صرف کسی حجاب سے یا وحی سے کلام فرماتا ہے۔ آیت نمبر 51 الشوریٰ نمبر 42 ۔

معراجِ سماوی کا دوسرا نظریہ

علامہ سید جمال حسینی نے آسمانی معراج کا ایک دیگر نظریہ پیش کیا ہے جو بالکل منفرد مگر لائق توجہ ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ نظریہ بھی درست ہے۔ ان کا خیال ہے کہ معراج جسمانی میں رسولِ کریم ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ تک ہی لے جایا گیا تھا۔ مگر رسولِ کریم ﷺ کو معراجِ منامی (سونے کی حالت) میں ایک سے زائد مرتبہ آسمانی اور غیبی مظاہر قدرت دکھائے گئے۔ نبی کے خواب ہمیشہ سچ ہوتے ہیں۔ لھٰذا جو کچھ آپؑ کو اس حالت میں دکھایا گیا وہ بھی حقیقت تھی جو متعدد احادیث میں روایت ہوئی۔ منامی معراج میں وقت اور فاصلہ کا مسئلہ حائل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حالتِ خواب میں مختلف آسمانوں پر مختلف حقیقی یا تمثیلی مظاہر آنجنابؑ کو دکھائے گئے۔ وہی مناظر جنت و دوزخ وغیرہ آپ ﷺ سے مختلف احادیث میں مروی ہیں۔ ان احادیث کو اس واقعہ اسرا یعنی جسدی / جسمانی سفر میں خلط ملط کر دیا گیا۔ تفصیلی باریکیوں کو چھوڑ کر وہ روایات بھی سچ ہیں۔ سبق آموز ہیں۔ عبرت انگیز ہیں۔ واللہ اعلم

معراج اور فرضیتِ نماز

یہ روایت بھی توضیح طلب ہے کہ آیا نماز پنجگانہ کی فرضیت کا قصہ اسی واقعہ اسرا سے متعلق ہے یا ہو سکتا ہے یا یہ محض ایجادِ بندہ ہے۔

ایک بات تو طے ہے کہ عرشِ عظیم تک بار بار حاضری اور مبینہ طور پر پچاس نمازیں کم ہو کر پانچ رہ جانا قطعاً خلافِ واقعہ اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے منافی ہے۔ اسے اپنے بندوں کے عجز اور کوتاہیوں کا ادراک، معاذاللہ، رسولِ کریم ﷺ سے کم ہو یہ ممکن نہیں۔

یہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اسے انسانوں اور مؤمنین کی طہارت اور پاکیزگی مقصود ہے انہیں مشکلات میں

Marfat.com

بتلا کرنا نہیں۔ وہ ارحم الراحمین ہے اسے کسی سفارش کے بغیر بھی رحم اور سہولت عطا کرتا ہے اور کرتا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآنِ حکیم میں مختلف نمازوں کی فرضیت مختلف سورتوں میں یعنی مختلف اوقات میں ہوئی۔ ان کا یک وقت فرض ہونا ثابت نہیں۔ ملاحظہ کیجئے :

1۔ سورۃ الھود نمبر 11 کی آیت نمبر 114 میں ارشاد ہوا :-

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ o

ترجمہ : اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گذرنے پر۔

2۔ سورۃ بنی اسرائیل نمبر 17 کی آیت نمبر 78 میں ارشاد ہوا :-

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ o

ترجمہ : نماز قائم کرو زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کا بھی اہتمام کرو۔

3۔ تیسری آیت نمبر 130 سورۃ طٰہٰ نمبر 20 تلاوت کریں :

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَاءِ الَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی o

ترجمہ : اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کر سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے قبل اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح کر اور دن کے کناروں پر بھی۔ توقع ہے کہ تو راضی ہو جائے۔

(نمازِ فجر، عصر، عشاء، تہجد اور پھر فجر، ظہر، مغرب)

مگر تہجد کی نماز رسولِ کریم ﷺ پر فرض رہی۔ امت پر نہیں۔ اسکی وضاحت آیت نمبر 79 سورۃ بنی اسرائیل نمبر 17 میں اللہ تعالیٰ نے فرمادی کہ تہجد کی نماز آپؐ کو مقامِ محمود کا مستحق بنانے کے لئے ضروری ہے گو تہجد صرف نفل (زائد نماز) ہے۔ گویا دوسروں کے لئے لازم نہیں۔ دراصل پانچ نمازیں ہی فرض ہیں۔

ان تمام آیات کی تلاوت سے نمازِ پنجگانہ کا بتدریج اور بذریعہ قرآن فرض ہونا ظاہر ہے۔ لہٰذا 50 نمازوں کی فرضیت اور پھر کم کرنے والی بات جو واقعۂ معراج سے متعلق بیان کی جاتی ہے درست معلوم نہیں ہوتی۔

خلاصہ

اس تمام تفصیلی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :

1۔ آیت نمبر 1 سورۃ بنی اسرائیل نمبر 17 اور پہلی تا 17 آیات سورۃ نجم کی ایک دوسرے کا تتمہ ہیں۔

2۔ رسولِ کریم ﷺ کو مذکورہ شبِ معراج میں جسمانی طور پر مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ حضرت جبرائیل افقِ اعلیٰ سے اپنی اصل صورت میں رسولِ کریم ﷺ تک اتر کر آئے اور حسبِ وحیِ ربی آپؐ کو مسجدِ اقصیٰ تک لے گئے۔

3۔ مسجدِ اقصیٰ میں انبیاءؑ کی ارواح نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ چند مخصوص انبیاء سے ذاتی تعارف ہوا۔

4۔ مسجدِ اقصیٰ کے بابرکت ماحول میں اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہیٰ تک تمام مادی حجابات رفع فرما کر سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبرائیل کو انکی اصل شکل پر آپؐ کو دوبارہ دکھایا اور آپ ﷺ نے انہیں واضح طور پر دیکھا۔

5۔ اس رفع حجابات کے تیقن کے بعد اللہ نے اپنی آیاتِ کبریٰ (عظیم کائناتی قوانینِ فطرت) کا آپ ﷺ کو مشاہدہ کرایا۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو بھی کرایا جاتا رہا تھا۔

6۔ اس مشاہدہ سے رسولِ کریم ﷺ کا یقین ایک فلسفی کے تخمینی یقین سے اور ایمان بالغیب سے بڑھ کر عین الیقین / حق الیقین کے درجہ تک مستحکم کر دیا گیا۔ اب وہ چیز جو دوسروں کے لئے ایک ایمان بالغیب تھی آپؐ کے لئے آنکھوں دیکھی حقیقت بن گئی۔ رسولِ کریم ﷺ کے ایمان کی اس عظمت سے صحابہؓ کا ایمان بھی ارفع و اعلیٰ درجے تک پہنچ گیا۔ کوئی اور امت اس درجہ پر کبھی فائز نہ ہوئی۔ اسکی سند خود اللہ تعالیٰ نے دی۔

7۔ رسولِ کریم ﷺ جسدی / جسمانی طور پر آسمانوں میں نہیں لے جائے گئے۔ اس میں فاصلہ اور وقت دونوں حائل تھے۔

8۔ آنجنابؐ کو منامی (حالتِ خواب میں) معراج متعدد مرتبہ ہوئی۔ وہ احادیث جو آسمانی سفر کا ذکر کرتی ہیں وہ جسدی نہیں بلکہ منامی معراج سے متعلق ہیں۔ اس میں فاصلہ اور وقت حائل نہیں ہو سکتا

Marfat.com

تھا۔ ان سب روایات کا بالکل درست سمجھنا، آگے روایت کرنا اور درست طور پر ہم تک پہنچنے کا امکان کم ہے مگر عبرت کے لئے مفہوم درست پہنچا ہے۔

اصل حقیقت صرف اللہ جانتا ہے۔

9۔ فرضیتِ نماز پنجگانہ قرآنِ حکیم کی مختلف مکی سورتوں میں ہوئی اس کا کوئی تعلق واقعۂ معراج سے نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

تعددِ ازواج النبی ﷺ

رسولِ کریم ﷺ کی شادیوں کی تعداد / تعددِ ازواجِ مطہراتؓ عیسائی اور مغربی دنیا کے لئے وہ دلچسپ ہدف ہے جسے موضوع بنا کر وہ اپنے بغض کا بسہولت اظہار کرتے رہے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کا رویہ اس ضمن میں معذرت خواہانہ رہا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کے ان نکاحوں کا کبھی معاشرتی مصلحت اور کبھی سیاسی ضرورت کہہ کر جواز پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ کبھی اور کہیں یہ جواز بھی موجود ہو اور رسولِ کریم ﷺ کے پیش نظر رہا ہو مگر تعددِ ازواج کی بنیاد اس جواز کو ہرگز نہیں بنایا جاسکتا۔

تعددِ ازواجِ گرامی کی جس مصلحتِ ربی کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں اس کے لئے رسول کریم ﷺ کے اس خانگی پہلو کا ایک سرسری تعارف ضروری ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جس معاشرہ میں پرورش پائی وہاں کم سنی اور نوعمری کی شادیاں عام تھیں۔ 17 سے 20 سال عمر کے لڑکے عام طور پر شادی کر لیتے تھے۔ مزید یہ کہ اس معاشرہ میں جنسی اخلاقیات کا معیار بھی کم تھا۔ جنسی ناجائز اختلاط کے مواقع بھی بسہولت میسر تھے اور اس بے راہ روی کو باعزت نام دینے کے لئے نکاح کے متعدد طریقے (جو نکاح بھی نہیں تھے) رائج تھے۔ ان میں ایک طریقۂ نکاح کو ہم متاع کے نام سے جانتے ہیں۔ مگر متاع کو محدود مدت تک اسلام نے جن پابندیوں کے ساتھ گوارا کیا، عرب معاشرہ ان پابندیوں سے آزاد تھا۔ گویا ایک مقرر مدت کے جنسی تعلق کی رضامندی معاوضہ پر حاصل کر لی جاتی تھی۔ نہ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی ہوتے تھے نہ باپ پر اولاد کا کوئی قانونی حق تھا۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے طریقے جنسی بے راہ روی کے جائز قرار دیے گئے تھے جو دراصل دو انسانوں کا ساتھ نہ تھا بلکہ جسم فروشی کی قانونی شکل تھی (A legal pros-titution)

متذکرہ ماحول میں ایک جوان شخص کا غیر شادی شدہ رہنا ہی کم محیر العقول نہ تھا چہ جائیکہ اس ذاتِ پاکؐ سے کسی بھی جنسی بے راہ روی، بے اعتدالی، حرص یا ہوس کو کبھی منسوب نہ کیا جاسکا ہو۔ اس ذاتِ عظیم نے کسی کو بھی میلی نظر سے کبھی نہ دیکھا ہو۔ اس کا پاکیزہ کردار کبھی داغدار نہ ہوا ہو۔ یہ بات اور یہ کردار مکہ کے اہل قریش کے لئے تنہا اور اپنی مثال آپ تھا۔ مگر رسول کریم ﷺ کی دیگر عظیم اور

Marfat.com

بے بہا فضیلتوں اور عظمتوں میں جناب اقدس ﷺ کی زندگی کا یہ پہلوئے تقدس کماحقہ توجہ نہ پا سکا۔ مگر جس موضوع کی ہم بات کر رہے ہیں اس کے لئے رسول کریم ﷺ کی زندگی کا یہ پہلو بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح اور انکی وفات تک یعنی 25 سالہ اس ازدواجی عرصہ میں نہ کوئی دیگر نکاح فرمایا نہ ہی کسی کنیز یا لونڈی سے استفادہ کیا۔ حالانکہ اولادِ نرینہ کے زندہ ہونے کی خواہش قدرتی امر تھا اور اس پر کفار بھی طعنہ زنی کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ کے وصال کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے انکی کم سنی کے باوجود نکاح فرمایا۔ مگر رخصتی بلوغ تک ملتوی رہنا تھی اسلئے اس درمیانی وقفہ میں خانگی ضرورت کی تکمیل کے لئے حضرت سودہؓ سے نکاح فرما لیا۔

یہ تینوں نکاح قبل از ہجرت ہوئے۔ بعد از ہجرت حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے علاوہ آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمر فاروقؓ پھر حضرت زینبؓ بنت خزیمہ اور حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمائے۔ ان امہات المؤمنینؓ سے نکاح خالصتاً طبعی رغبت اور پسند سے فرمائے جس کی کوئی خاص معاشرتی یا سیاسی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش سے رسول کریم ﷺ کا نکاح اللہ نے آپؐ کے تامل کے باوجود خود حکماً فرما دیا جس کی مصلحت رسمِ متبنیٰ (گود لئے گئے یا منہ بولے تعلق) کا ہمیشہ کے لئے اختتام تھا۔ حضرت زینبؓ آپ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ تھیں اور آپؐ کی سگی پھوپھی زاد بھی تھیں۔ یہ نکاح مصلحتِ رسمی تھی کہ ایک شرعی حکم پر عملی مہرِ صداقت نصب ہو سکے۔

اس کے بعد امہات المؤمنین حضرت جویریہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ریحانہؓ اور حضرت میمونہؓ سے عقد ہوئے ان تمام نکاحوں میں معاشرتی یا سیاسی مصالح موجود نہیں تھیں۔ صرف آنجناب ﷺ کی پسند تھی۔ گو ان میں چند ازواجِ گرامی کے حوالہ سے مذکورہ مصلحتیں پیدا کی جا سکتی تھیں اور پیدا بھی کی گئیں، مگر رسول کریم ﷺ کے کسی قول و فعل سے ان پیدا کردہ مصلحتوں کا جواز نہیں ملتا۔

Marfat.com

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے علاوہ یہ تمام نکاح 50 سال کی عمر کے بعد اور حضرت سودہؓ کے علاوہ تمام رفاقتیں رسول کریم ﷺ کی 53 سال عمر کے بعد کی ہیں۔

ان تمام حالات کے مطالعہ کے بعد تعددِ ازواج کی ایک عظیم وجہ سامنے آتی ہے۔ اللہ نے رسولِ کریم ﷺ کی بطور انسان ہر اعتبار سے فوقیت عملاً ظاہر فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کے یہ تین پہلو بھی انکی ایک دوامی، بے مثل اور عملاً ثابت شدہ فوقیت ہی کے پہلو ہیں جو معلوم نسلِ انسانی میں بجز رسولِ کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے کبھی ایک شخص کی زندگی میں یکجا نہیں ہوئے۔

تقدس

بلوغ کی عمر سے 25 سال کی عمر تک اس بے مثال تقدس کی نظیر قائم ہوئی جو نہایت حیرت انگیز ہے۔

ایک غیر شادی شدہ شخص اس معاشرہ کی سہل الحصول جنسی بے راہ روی کے باوجود بھر پور شباب کی عمر مین اسقدر پاکیزہ رہ سکتا ہے اس کی مثال اس ذاتِ اقدس ﷺ کے علاوہ ملنا شاید ممکن ہی نہیں۔ مگر اس تقدس اور پاکیزگی کے شاہد بچپن کے دوست جو تا مرگ ساتھ رہے، اعزہ و اقارب، دوست اور دشمن سب تھے۔ انؐ کے اس تقدس میں کوئی رخنہ یا بھول بدترین دشمن بھی کبھی تلاش نہیں کر سکے۔

قناعت

رسولِ کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی کا دوسرا دور حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد 25 سالہ دور ہے۔ یہ دور مسلسل غور و فکر یکسوئی سے رجوع اللہ کا دور ہے۔ معاشی اعتبار سے طمانیت نے فرصتِ فکر فراہم کر دی تھی۔ پھر بعثت کے بعد نبوت کے مشن کی تکمیل میں ہمہ وقت مصروفیت۔ اعلانِ وحدت نے ایک دنیا کو دشمن بنا دیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے مسلسل مالی تعاون نے ان مراحل میں آپ ﷺ کو فکرِ معاش سے بہت حد تک بے فکر کیا ہوا تھا۔ ان حالات میں ذہنی یکسوئی کی ضرورت کے علاوہ خود حضرت خدیجہؓ کے مالی وسائل پر انحصار کر کے نکاحِ ثانی فرمالینا کسی اعتبار سے مناسب نہ تھا۔ لھذا سن و سال میں پندرہ سال زیادہ کی وہ عظیم خاتون رسولِ کریم ﷺ کی معاشی ذمہ داریوں کی معاون ہونے کے علاوہ آپ ﷺ کے مجروح احساسات اور دل شکن حالات میں تسکینِ قلب کا سامان بھی فراہم کرتی رہیں اور دامے، درمے، قدمے مسلسل تادم مرگ آپ کے ساتھ رہیں۔

یہ پچیس سالہ دورِ قناعت کا دور تھا۔ عمر میں پندرہ سال بڑی ان خاتون کی رفاقت آپ ﷺ کی قناعت کا مظہر تھا۔

قوت

اگر بات یہیں ختم ہو جاتی تو اس یگانۂ روزگار شرفِ انسانیت کو کمزور جنسی قوت کا حامل سمجھا جاسکتا تھا۔ اس دورِ اوّل کے تقدس اور ایک بیوی پر قناعت کی عظمت نسلِ انسانی کی کم ظرف نگاہوں سے ہمیشہ پوشیدہ رہتی۔ اس ڈھلتی عمر میں یعنی 53 سال سے 63 سال کی عمر تک تقریباً دس ازواجِ مطہرات سے عقد آنجناب کی قوت و طاقت کی تصدیق تھی۔ آخری عشرۂ عمر میں اس قوت و طاقت کی حامل شخصیت کا دورِ اوّل کا تقدس اور دورِ ثانی کی قناعت ازحد باعثِ حیرت و عقیدت ہو جاتی ہے۔ کس منہ زور جوانی پر وہ تقدس غالب رہا اور اس بھرپور قوت کے ساتھ وہ قناعت اختیار کی۔

ہر دو ادوار کی عظمت آپ ﷺ کے تعددِ ازواج سے ثابت ہوئی اس لئے رسولِ کریم ﷺ کا متعدد نکاح فرمانا اللہ کی اس مصلحت کا تقاضا نظر آتا ہے کہ اس نے اپنے رسول ﷺ کی فوقیت ہر اعتبار سے عملاً ثابت فرمائی۔

دو قابلِ غور نکات

ازدواجی زندگی کے اعتبار سے دو پہلو قرآنی آیات کی روشنی میں مزید قابلِ ذکر ہیں۔

اوّل یہ کہ تمام مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ چار ازواج بیک وقت رکھنے کی اجازت تھی۔ جبکہ رسولِ کریم ﷺ سے یہ پابندی ختم فرما کر ارشاد ہوا کہ وہ جتنے چاہے نکاح فرمالیں ان کے لئے تعداد کی قید ختم کر دی گئی مگر یہ نکاح کی آزادی چند طبقات کی خواتین تک تھی۔ ان طبقات کی خواتین سے باہر خواہ آپ کو کسی خاتون کا حسن بہت پسند بھی آئے مگر ان سے نکاح کرنے سے آپ ﷺ کو روک دیا گیا۔ ملاحظہ ہو :-

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ٥ (آیت 52 احزاب نمبر 33)

ترجمہ :- اس کے بعد تمہارے لئے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اسکی اجازت ہے کہ انکی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ انکا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو البتہ لونڈیوں کی تمہیں اجازت ہے۔

Marfat.com

اس آیت کی تلاوت و ترجمہ سے صاف ظاہر ہے کہ ازواجِ مطہّرات کا انتخاب سیاسی یا معاشرتی مصلحت نہیں بلکہ ازواجِ گرامی کا ظاہری اور باطنی حسن تھا جو باعثِ انتخاب ہوا۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں سے کم حصہ ملنے اور مالی کشائش نہ ہونے پر ازواجِ مطہّرات کے مطالبوں سے رسولِ کریم ﷺ خفا ہو کر ایک ماہ کے قریب سب ازواجِ مطہّرات سے علیحدہ رہے ۔ پھر آیت نمبر 28 سورۃ احزاب نازل ہوئی جس میں تمام ازواجِ مطہّرات کو رسولِ کریم ﷺ سے مستقل طور پر علیحدگی لے لینے کا اختیار دیدیا گیا کہ تم چاہو تو رسولِ کریم ﷺ کو چھوڑ کر جا سکتی ہو جو میسر ہو گا رسول ﷺ تمہیں دے کر رخصت کر دیں گے۔ بصورت دیگر اللہ اور رسول ﷺ کی رضا چاہو تو انہیں حالات میں گزارہ کرنا ہو گا۔ ایک زوجہ مطہّرہ نے بھی آپ ﷺ کی رفاقت ترک نہ کی۔ یہ ان بیبیوں کی عظمت اور رسول اللہ ﷺ کی مردانگی کا ثبوت ہے۔ تعددِ ازواج میں حرص و ہوس نہیں ایک مردانہ قوت و شان پوشیدہ تھی۔ بصورت دیگر کوئی ایک تو آپؐ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر سکتی تھی۔

اس قطعاً خانگی مسئلہ کا قرآن حکیم میں ذکر بظاہر رسولِ کریم ﷺ کے ایک نجی مسئلہ کا ذکر ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ اختلاف اور اللہ کا فیصلہ جزوِ قرآن نہ ہوتا تو کتنے ہی بد طینت لوگ رسولِ کریم ﷺ پر یہ ناروا الزام لگاتے کہ آپ ﷺ نے مال غنیمت سے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو عیش کرائے مگر اب کوئی ذلیل ترین دشمن بھی یہ الزام لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حق یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تمام زندگی اور تمام خوشگواریاں اور ناگواریاں منشاءِ ربی تھیں تاکہ کوئی جویائے حق انکیؐ کی کسی بھی عظمت کی تصدیق سے جائز وجوہ کی بنا پر محروم نہ رہ جائے۔ آپ ﷺ سے محبت حاصلِ ایمان ہے۔

نتیجہ

رسولِ کریم ﷺ کا تعددِ ازواج کسی قسم کی معذرت کا متقاضی نہیں۔ بلکہ آپؐ کی اس جہت میں فوقیت تا قیامت قائم رکھنے کے لئے مصلحتِ ربی تھا۔ اس قوت و طاقت کا حامل کوئی جوان اتنا مقدس اور پاکیزہ اور اس قناعت کے معیار پر نہ کبھی پورا اترا ہے نہ اترے گا۔

تقدس۔ قناعت۔ قوت ان سب کی یکجائی صرف ایک ذات گرامی حضرت محمد ﷺ میں ہوئی۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تخلیق آدمؑ و حوّا

(اسرار و حکمت)

آدمؑ و حوا کا قصہ عام طور پر ہمارے معاشرہ میں محض ایک تفریحی موضوع ہے۔ اس قصہ کی اصل اہمیت سے ہم واقف نہیں نہ اس پر غور کرتے ہیں۔

اس قصہ کو قرآنِ حکیم میں کم از کم 8-7 جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ آخر کیوں؟ ظاہر ہے کہ اس میں حکمتیں پوشیدہ ہیں جس پر غور و فکر لازم ہے۔

میں نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود یہ کاوش کی ہے۔ ان نکات کا حسبِ توفیق تذکرہ کیا ہے جو میرے خیال میں اہم ہیں۔ وہ نکات ہیں :-

1۔ نسلِ انسانی اصل Species ہے کسی جاندار کی ارتقائی صورت نہیں۔

2۔ نسلِ انسانی نفسِ واحد سے اس کا جوڑ پیدا کر کے شروع ہوئی۔

3۔ حوّا ہر عظمت و ذلت میں آدمؑ کی شریک تھیں۔

4۔ انسانی فضیلت اس کی علمی صلاحیت ہے۔

5۔ علم الاسماء سے کیا مراد ہے۔

6۔ فرشتوں کے سجدہ سے کیا مقصد تھا۔

7۔ شیطان کے سجدہ سے انکار کی وجہ اور نتیجہ۔

8۔ شجرِ ممنوعہ کی تاثیر۔

9۔ زمین پر اتارا جانا۔

10۔ آدمؑ کی نبوت اور حکم عدولی۔ نتیجہ۔

11۔ شیطان کی طاقت۔

12۔ کائنات میں انسان کا مقام۔

Marfat.com

13۔ انسان اور شیطنت میں فرق۔

14۔ خلافت کا قرآنی مفہوم۔

15۔ عبدِ کامل۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

اب اصل مضمون ملاحظہ فرمائیں۔ حتی الامکان اختصار اور اشاروں سے کام لیا گیا ہے کہ قاری اکتاہٹ محسوس نہ کریں۔

قرآنِ حکیم میں تخلیق آدم، اعلانِ خلافت، فرشتوں پر فوقیت، آدمؑ کو سجدہ کرانا اور ابلیس کا انکار، جنت میں قیام، شجرِ ممنوعہ اور حکم عدولی، جنت سے حبوط (اتر جانے) کا حکم، نسلِ انسانی کو انبیاء کی پیروی کا حکم اور کائنات میں نسلِ انسانی کے مقام کی بابت 8-7 مقامات پر تفصیل سے اور بہت جگہ اختصار سے فرمایا گیا۔ ان باتوں کا تکرار سے ذکر ان واقعات کی اہمیت اجاگر کرتا ہے۔

اس مضمون میں اسی اہمیت کے بارہ مختلف نکات کا جائزہ لینے اور انکی اہمیت کا ادراک کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔

جن آیات میں سب سے مفصل ذکر آتا ہے وہ سورۃ البقرۃ نمبر2 کی آیات نمبر30 تا نمبر39 اور سورۃ الاعراف کی آیات نمبر10 تا 28 ہیں۔ دیگر مقامات مندرجہ ذیل ہیں :۔

آیات نمبر59+33 آل عمران نمبر3 + آیت نمبر165 الانعام نمبر6 + آیات نمبر10 تا نمبر28 الاعراف نمبر7 + آیت نمبر61 بنی اسرائیل نمبر17 + آیت نمبر115 تا نمبر117 طٰہٰ نمبر20 + آیت نمبر50 الکہف نمبر18۔

ان آیات کے علاوہ اس زمین پر انسانی اہمیت، کائنات میں انسانی مقام، انسان کی انفرادیت، اسکی کمزوریاں اور اس کی ذمہ داریوں کے موضوع پر بہت سی آیات ہیں۔ حسبِ ضرورت ان کا حوالہ بھی آئے گا۔

موضوع کی اہمیت

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انساں
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے

اس موضوع کی اہمیت کی بہت سی جہات ہیں۔

Marfat.com

جس طرح ہر انسان اپنے آباؤاجداد، خاندان اور اپنی ابدائی نسل سے واقفیت کے بغیر انسانی معاشرہ میں رہ کر تشنگی محسوس کرتا ہے اسی طرح انسانی معاشرہ اپنی ابتداء سے ناواقفیت کی بناء پر اس ارضی ماحول میں خود سے اجنبی اور حیرانگی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس ضرورت کو آسمانی کتب کے ذریعہ پورا کر دیا گیا جن میں قرآنی حقائق سب سے مفصل ہیں۔

نسلِ انسانی اصل ہے ارتقاء نہیں

اپنی اصل اور ابتداء کی بابت جس تجسس کا میں نے ذکر کیا ہے اس کا ثبوت ڈارون، اور اسکے ما قبل اور مابعد کے سائنسدانوں کی کاوشیں ہیں۔ ڈارون اور اس کے ہم خیال لوگوں نے اسی تجسس کا جواب یہ دیا کہ انسان جانوروں (بندر اور بن مانس) کی ارتقائی نسل ہے۔ یہ تجسس تو قدرتی تھا مگر اس کا جواب اور تحقیق غلط تھی۔

دوسری طرف اس تجسس نے اس مبینہ انکشاف کو غلط قرار دیا۔ اس غلطی کا ادراک ایک تو اس بناء پر ہوا کہ بندروں اور بن مانسوں کی کسی بھی نسل کا بلڈ گروپ (خون کے خلیوں کا امتزاج) انسان کے کسی بلڈ گروپ سے نہیں ملتا۔ ارتقاء سے اگر صرف صورت شکل میں تبدیلی آئی تو خون کی نوعیت بہر حال باقی رہنا تھی وہ کیوں تبدیل ہو گئی۔ دوسرے زمانۂ قریب میں D.N.A اور 2000 میں جین (Genetic Code) کی تحقیق نے ثابت کر دیا کہ انسانی جین کسی بھی دیگر جانور سے یکسر مختلف ہیں انسانی جین سے صرف انسانوں کی ہی نسل چل سکتی تھی کسی دیگر جاندار کے جین سے یہ نسل و قوع پذیر نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا قرآنِ حکیم اور دیگر آسمانی کتب میں اللہ کا یہ ارشاد کہ انسان صرف آدم کی نسل سے پیدا ہوا ثابت ہے اور مزید ثبوت بھی آتے رہیں گے۔ قدو قامت اور عمروں کا فرق مختلف ادوار میں بدلتا رہا ہے مگر (Specics) کی نوعیت وہی رہی۔

آدم مٹی سے بنا تھا

اللہ نے بغیر کسی شک و شبہ اور غیر مبہم طور پر ہمیں بتا دیا کہ آدم کو بے جان مٹی اور پانی کے امتزاج کے مختلف مراحل سے گزار کر تشکیل دیا گیا تھا اور پھر اس مٹی کے پتلہ میں اللہ نے اپنی روح میں سے کچھ پھونک (نفخ) کر کے زندہ مخلوق بنائی تھی۔ آدم ہی کے جسم میں سے زنانہ عنصر بطور مادہ جوڑا (حوا)

Marfat.com

علیحدہ کیا گیا۔ اور آدم و حوا سے ولادت و نسل کا موجودہ سلسلہ چلا اور چل رہا ہے۔ آدم سے قبل اس پتلے کا تعلق کسی جانور سے نہیں بلکہ بے جان مٹی سے تھا۔ یہ ارتقاء نہیں بلکہ اصل سپیشیز (Species) کی ابتداء تھی۔

قرآن کہتا ہے کہ آدم کو اللہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے یعنی قدرت خاص سے بنایا (آیت نمبر 75 ص آ نمبر 38) پھر ارشادات ہیں کہ :

I "اللہ نے اسے مٹی سے بنایا پھر حکم دیا ہو جا اور وہ (زندہ) ہو گیا"۔ (آیت نمبر 59 آلعمران نمبر 3)

II "وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا"۔ (آیت نمبر 2 الانعام نمبر 6)

III "ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا"۔ (آیت نمبر 26 حجر نمبر 15)

IV "ابلیس نے کہا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے"۔ (آیت نمبر 61 بنی اسرائیل نمبر 17)

V "ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا پھر اس بوند کو.........."۔ (آیت نمبر 12+11 مومنون نمبر 23)

VI "وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے....."۔ (آیت نمبر 67 مومن نمبر 40)

VII "جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں اور جب اسے مکمل کر دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اسکے سامنے سجدہ میں گر جاؤ"۔ (آیات نمبر 72+71 ص آ نمبر 38)

ان تمام ارشادات سے واضح ہو گیا کہ انسانِ اول یعنی آدمؑ بے جان مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ پھر مرد و زن کے ملاپ سے انسانی نسل آگے بڑھی۔

نفسِ واحد سے مرد و زن

پھر اللہ نے بتایا کہ اسی آدم کے پتلہ سے جس میں نفخ روح کر کے زندہ کیا گیا تھا اس کا جوڑا عورت پیدا کی گئی۔ لفظ "حوا" قرآن نے کہیں استعمال نہیں کیا یہ لفظ بائبل سے لیا گیا ہے جو اسی خاتونِ اول کیلئے استعمال ہوا ہے جو آدم سے علیحدہ کی گئی تھی۔

اللہ نے ارشاد فرمایا :۔

"لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا"

(آیت نمبر 1 النساء نمبر 4)

"اور وہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا پھر....." (آیت نمبر 98 الانعام نمبر 6)

"اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر وہی ہے جس نے اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا......"

(آیت نمبر 6 الزمر نمبر 39)

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ آدم کے پتلہ میں ہی حوا (جوڑا) موجود تھا۔ اسے نفخ روح کے بعد علیحدہ کر کے نسوانی جوڑا بنادیا گیا۔ ہر فضیلت وذلت میں آدم وحوا برابر کے شریک تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

یہاں ایک ضمنی قیاس کا ذکر مناسب ہوگا جو حضرت عیسیٰؑ کی باپ کے بغیر پیدائش کی بابت ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اللہ نے ارشاد فرمایا ہے :-

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ o خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ o

(آیت نمبر 59 آل عمران نمبر 3)

ترجمہ : اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا تھا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

اس مثال سے اللہ کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح آدم کو مٹی سے بغیر ماں باپ پیدا فرمایا عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ دونوں طرف اسکی خاص حکمت وقدرت کارفرما تھی۔ دوسرا مخفی اشارہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح آدم میں مردانہ اور زنانہ عنصر کے اندرونی ملاپ سے حواؑ پیدا کی گئی اسی طرح ایک خودکار نظام کے تحت مردانہ اور زنانہ عناصر کے اندرونی ملاپ سے عیسیٰؑ پیدا فرمائے گئے تھے۔ یعنی کسی بیرونی عنصر کے داخلہ کے بغیر تدبیر خاص سے جسم کے اندر عناصر کا ملاپ ہو گیا۔ اسے اللہ نے اپنی اس قدرتِ کاملہ کے حوالہ سے بیان فرمایا جو ہمارے معلوم اسباب سے فائق اور ماوراقوت ہے یعنی "کن فیکون"

یہ ایک قیاس ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

لکُمْ ○مَا فَرَّطْنَا فِی کِتَابِ مِنْ

والے کسی پرندہ کو دیکھ لو یہ سب
ئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر یہ

کے اعتبار سے زمین پر چلنے والے
نواع کا اختلاف ہر ایک کا علیحدہ
سکتیں۔ مدر اگر اڑنے والا پرندہ
ہے۔ مگر انواع کا اختلاف کتاب
یادی تبدیلی سے انکار واضح معلوم

ینے سے یہ بات واضح فرمادی کہ
جوڑا (حوا) آدمیت میں برابر کا
توبہ اور اسکی قبولیت میں حوا ہر

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّی خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍo فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِی فَقَعُو لَہٗ سٰجِدِیْنَo (آیات نمبر 71,72 ص آ نمبر 38)

ترجمہ : جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے مکمل کر دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اسکے آگے سجدہ میں گر جاؤ۔

اس اعلان میں انسانی جبلت کہ وہ زمین میں فساد اور خوں ریزی بھی کرے گا سے بھی باخبر کر دیا گیا ہوگا۔ یہ بھی کئی مقامات سے ظاہر ہے کہ اس بشر کو زمین پر اللہ کا خلیفہ بنانے کا علم بھی فرشتوں کو دے دیا گیا تھا۔ اس لئے فرشتوں نے اپنی حیرانی کا اظہار کیا کہ یہ مجوزہ مخلوق جو مفسد اور خوں ریز ہے اسے پیدا کرنے اور خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم اطاعت گزار ہیں اور آپ کی تسبیح و تقدیس ہمہ وقت کرتے ہیں مگر ہمیں یہ شرفِ خلافت نہیں دیا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں کہ بشر کی پیدائش میں کیا مصلحت ہے۔

شرف کا ثبوت

اسکے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِo

ترجمہ : (اور آدم کو تمام اسماء کا علم دیا پھر اسے فرشتوں کے سامنے پیش کیا)

پھر فرشتوں سے ان علوم الاسماء کے متعلق سوال ہوا تو انہوں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا کہ ہم تو وہی کچھ جانتے ہیں جو تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ پھر آدم سے پوچھا گیا تو اس نے بتا دیا۔ پھر سجدہ کا حکم ہوا۔

(مکمل قصہ کے لئے آیات نمبر 30 تا 39 سورۃ البقرۃ کی تلاوت مع ترجمہ کریں)

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ علم فرشتوں اور آدم ہر دو کو اللہ ہی نے دیا تھا پھر آدم کی فضیلت کیا تھی۔

2۔ دوسرے یہ کہ علم الاسماء (چیزوں یا ناموں کا علم) سے اللہ کی مراد کیا تھی

فضیلتِ آدم و حوا۔

فرشتے اللہ کی وہ کارکن مخلوق ہے جو مختلف جہات میں منشاء ربی کی تکمیل اللہ کے القاء

ہیں۔ زمین سے پودے اور درخت، جانداروں کی نسلیں، پرندوں کے انڈے اور ان سے چوزے نکلنا غرضیکہ کہ ہر قسم کی پیدائش اللہ کے بنائے قوانینِ فطرت کے تحت ہو رہی ہے۔ ان قوانین کا علم یکے از علم الاسماء ہے۔ علیٰ ھٰذالقیاس اللہ نے اپنے تمام صفاتی قوانین کا علم آدم کو سکھا دیا گویا اس میں اور آدم کی نسل میں یہ تمام علمی صلاحیت ودیعت کر دی گئی۔

اس نظریہ کی تائید ایک آیتِ قرآنی سے ہو رہی ہے جو بہت واضح ہے۔

آیت نمبر 4 سورۃ المائدۃ نمبر 5 میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: "جن شکاری جانوروں کو تم خدا کے دیے گئے علم کی بناء پر شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو (سدھاتے ہو) وہ جس جانور کو تمہارے لئے پکڑ رکھیں اس کو بھی تم کھا سکتے ہو"۔

گویا کتوں، چیتوں، باز اور عقاب کی شکار کرنے کی تربیت ہم اللہ کے دیے گئے علم سے کرتے ہیں۔ گو کوئی نبی یا فرشتہ یہ علم سکھانے کے لئے نہیں اتارا گیا مگر انسان کی اس علمی صلاحیت کو بھی اللہ نے اپنا عطیہ اس لئے فرمایا کہ یہ بھی "علم الآدم الاسماء کلھا" کا جزوِ علم تھا۔ انسان اپنی کاوش سے اللہ کے دیے گئے ان علوم کو صرف دریافت کرتا ہے ورنہ تمام علوم نسلِ انسانی کو ودیعت روزِ اول ہی کر دیے گئے تھے۔

فرشتوں کو سجدہ کا حکم

آیات نمبر 71,72 سورۃ ص نمبر 38 میں اللہ نے آدم کی تخلیق سے پہلے ایک اعلان فرمایا۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں تو جب اسے مکمل کر دوں اور اپنی روح میں سے کچھ اس میں داخل کر دوں تو اسکے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ"۔

سجدہ کے اس حکم میں دو شرائط سجدہ سے پہلے عائد کی گئی تھیں۔

I ایک بشر کی تکمیل ــــ اس سے مراد اس کی صلاحیت علمی تھی جس کے تحت اسے علم الاسماء عطا ہوا اور اس سے فرشتوں پر فوقیت ثابت کی گئی۔ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

II دوسرے اللہ کا اپنی روح میں سے کچھ اس میں پھونک دینا۔ اس نفخِ روح سے انسان کو اعلیٰ روحانی صلاحیتیں بھی دی گئیں۔ جیسے صبر، شکر، رحمت، سخاوت، ربوبیت، حلم وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

یہ تھا وہ آدم جسے سجدہ کرایا گیا۔

سورۃ والتین نمبر 95 میں ذو مادی بہترین چیزوں (انجیر اور زیتون) اور دو وہ مقاماتِ روحانی (طورِ سینا اور مکہ مکرمہ) جہاں اللہ کا کلام بزبان اللہ نازل ہوا۔ یعنی حضرت موسیٰ کو تختیاں (الواح) اور رسولِ کریم ﷺ کو قرآن عطا ہوا، ان چار کی قسم کھا کر اللہ اعلان نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین تقویم سے پیدا کیا۔ یعنی مادی اور روحانی بہترین قوام / خمیر سے اس کو بنایا۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ انسان کو انتہائی پستی تک گر جانے کی صلاحیت بھی دے دی گئی۔ (ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ) ایمان و عمل صالح پر اجرِ عظیم کا وعدہ کر لیا گیا۔ خرابیءِ عمل کی سزا کیلئے قیامت کا لازمی ہونا بتادیا گیا۔ ہر دو صلاحیتیں انسان کی آزمائشیں ہیں۔

فرشتوں کے سجدہ سے مراد یہ تھی کہ انسان اپنے علم سے قوانینِ فطرت کے مطابق اللہ کی مخلوقات پر جب قابو حاصل کر لے تو فرشتے انسانی قوتِ تسخیر میں حائل نہ ہوں اور نہ ہی اس قوت کے اچھے یا برے استعمال پر اعتراض کا حق فرشتوں کا دیا گیا۔ بلکہ اللہ کی اس کارکن مخلوق (فرشتوں) نے انسان کی اطاعت کرنا ہے۔ یہ انسان کی خلافت کا استحقاق تھا۔

ایٹم کو جب انسان اپنی علمی صلاحیت سے شق کر لے (پھاڑ لے) تو وہ اس سے بجلی پیدا کرے یا ہیروشیما اور ناگاساگی کو تباہ کرے فرشتوں کو اعتراض کا حق نہیں انہیں انسان کی اطاعت کا پابند کر دیا گیا۔

اس سجدہ کے حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام ارضی قوتوں کو حکم دے دیا گیا کہ زمین پر میرے اس خلیفہ کی حسبِ قانونِ فطرت اطاعت کرنا ہے۔ اگر یہ خلیفہ اپنے علم سے اے سی (A.C) تخلیق کرتا ہے تو حرارت میں حسبِ قانون کمی ہونا چاہئے، اگر یہ خلیفہ قانونِ کشش پر اپنے علم سے قابو پا لیتا ہے تو سیارہ کو خلاء میں جانا چاہئے۔ فرشتوں کو اس پر اعتراض کا حق ختم کر دیا گیا۔ ان کا کام انسان کے علم و عقل کی اطاعت کرنا ہے۔ اپنے اس خلیفہ کے اچھے اور برے اعمال کا محاسبہ صرف اللہ نے خود کرنا ہے۔ اسی نے آزمائش کے لئے اس خلیفہ کو علمی صلاصیت، روحانی عظمت اور سفلی اہلیت سے آراستہ کیا ہے۔ وہی صرف اس کا محاسبہ کر سکتا ہے۔ فرشتوں (کارکن مخلوق) کو انسان کے تابع فرمان کر دیا گیا۔ سجدہ سے یہی مراد معلوم ہوتی ہے۔

فرشتوں نے انسان کی منفی صلاحیت یعنی فساد اور خوں ریزی کو دیکھ کر اعتراض کیا تھا کہ

Marfat.com

ایسی مخلوق کو خلافت دی جا رہی ہے۔ وہ انسان کی علمی صلاحیت اور روحانی عظمت اور مثبت نکات سے بے خبر تھے۔ انہیں عملی جواب دے کر اطاعتِ علمِ انسانی کا حکم دے دیا گیا۔

شیطان کا انکار۔ اس کی وجہ اور نتیجہ

جبرائیل نے ابلیس سے بزبان اقبالؒ کہا:

کھو دیے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند
چشمِ یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

ابلیس نے سجدہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ صرف انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے مردود قرار نہیں دیا۔ بلکہ انکار کی وجہ پر مردود ہوا۔ انکار کی وجہ اس نے یہ بتائی کہ اے اللہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اس لئے میں اس سے بہتر ہوں۔ یہ تکبر اسے لے ڈوبا۔ اسی تکبر کی بنا پر اس پر لعنت ہوئی۔ (آیات نمبر 10 تا 13 سورۃ الاعراف نمبر 7)

ہمارے لئے یہاں لحۂ فکریہ ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھے سید گھرانے میں، چودھری گھرانے میں، یا جاگیردار گھرانے میں پیدا کیا۔ جب کہ اُسکو ایک موچی، کسان، یا کارندہ گھرانے میں پیدا کیا اس لئے میں تیری اس دوسری مخلوق سے بہتر ہوں۔ کیا یہ ذہنی افتاد اور یہ تکبر وہی شیطانی تکبر نہیں۔ کیا اسی کی پیروی نہیں؟

اللہ نے سورۃ الکھف میں نمبر 18 کی آیت نمبر 50 میں ارشاد فرمایا کہ ابلیس جن قوم سے تھا اس لئے منکر ہوا (ورنہ اطاعت گزار فرشتہ ہوتا تو نہ کرتا) کیا اس کا مطلب ہے کہ تمام جن قوم فاسق ہے۔ بالکل نہیں۔

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آدم سے قبل صرف قوم جن باشعور اور با اختیار مخلوق تھی۔ اسے غلط و صحیح میں تمیز تھی اور حسبِ خواہش عمل کا اختیار بھی تھا۔ جنات آگ سے پیدا ہوئے تھے اور انسان سے پہلے موجود تھے (آیت نمبر 27 الحجر نمبر 15)۔ آدم سے قبل وہ تنہا مخلوق تھی جو خیر و شر میں تمیز اور عمل کے لئے اختیار رکھتے تھے۔ جب تک جنات کی یہ انفرادیت باقی رہی اس کی مخلوقات پر فوقیت برقرار رہی وہ وہ اطاعت گزار رہا۔ بغاوت یا سرکشی کا کوئی موقع نہ تھا نہ جواز تھا۔ لیکن جب ایک دوسری باشعور اور با اختیار مخلوق آدم کی صورت میں علمی فضیات کے ساتھ پیدا ہوئی ابلیس کا پندارِ فوقیت

Marfat.com

مجروح ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ لٰہذا سر کشی کا راستہ اس نے اختیار کر لیا۔ اسکی زندگی اور اسکی نسل کا مشن انسان کو کمتر اور نااہل ثابت کرنا بن گیا۔ یہ نسلی دشمن شیطان کے نام سے موسوم ہیں۔

لیکن جنات کی قوم میں بے شمار صالح جن بھی موجود ہیں اور مختلف انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ شریر بھی ہیں اور شیطان بھی ہیں۔

شجرِ ممنوعہ ــــ پُر تاثیر درخت

آدم وحواؑ کو جنت میں رہنے کی سہولت عطا فرمائی مگر اس شرط کے ساتھ کہ ممنوعہ درخت کا پھل نہ کھانا ورنہ گھاٹے میں رہو گے۔ جنت میں موسموں کی اذیت نہ تھی، غذا کے حصول کی کاوش نہ تھی، پردۂ معصومیت میں ہمیشہ محفوظ تھے۔ اس حکم سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کو خیر وشر کی تمیز دے کر عمل کا اختیار اور آزادی دے دی گئی تھی۔

جبرائیل کے جواب میں ابلیس نے بزبانِ اقبال کہا:

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو

حکم عدولی میں شیطان کی مصلحت

شیطان کی مہلتِ عمل حیاتِ انسانی تک محدود تھی۔ اگر آدم وحواؑ اس پاکیزگی کی حالت میں عمر طبعی پوری کر لیتے تو نسلِ انسانی ان کے صلب میں ہی ختم ہو جاتی۔ ابلیس کی مہلت بھی ختم ہو جاتی۔ لٰہذا اس کی بے چینی یہ تھی کہ نسلِ انسانی آگے بڑھے۔ یہ جب ہی ممکن تھا کہ وہ شجرِ ممنوعہ چکھ لیتے۔
(آیت نمبر 14 اعراف نمبر 7+ آیت نمبر 79 صؔ نمبر 38)

شجرِ ممنوعہ، اغلباً زیتون کا درخت تھا جسے اللہ نے شجرِ مبارکہ، جو نہ شرقی نہ غربی کہہ کر تعارف کرایا۔ یہ صرف قیاس ہے۔ مگر وہ درخت پر تاثیر تھا اور حقیقی تھا۔ آج بھی سنِ شعور سے قبل ہر بچہ Adolescence کے وقفہ سے گزرتا ہے۔ جب یہ وقفہ ختم ہوتا ہے تو جنسی شعور بیدار ہوتا ہے۔ شرم وحیا اور اختلافِ جنس کا ادراک ہو جاتا ہے۔ سنِ شعور سے قبل جنسی اعضاء کا اختلاف بے معنی ہوتا ہے مگر بعد میں نہیں۔

اس درخت کے پھل سے جنسی شعور بیدار ہو گیا۔ آدم وحواؑ کو جنسی اعضاء کے اختلاف کا

اور اک اور شرم وحیا کا احساس ہو گیا۔ درختوں کے پتوں سے پردہ کرنے لگے۔ اب جنسی اختلاط لازمی تھا۔ جس کا مطلب توالد (اولاد) و تناسُل کا سلسلہ شروع ہونا تھا' جس کی جنت میں گنجائش نہ تھی۔ زمین پر اتار دیے گئے۔

آدم وحوا کا جنسی اختلاط گناہ نہ تھا وہ تھے ہی خاوند بیوی۔ گناہ اس درخت کے پھل سے جنسی شعور بیدار کر لینا تھا۔ جو حکم عدولی کا نتیجہ تھا۔

ایک علمی نکتہ

قرآنِ حکیم کی دو آیات میں ایک لفظ شیطان کے ضمن میں ایسا استعمال ہوا ہے کہ اس کے لغوی ترجمہ نے ایک طالبِ علم کے ذہن میں لازماً اضطراب پیدا کر دیتا ہے۔ اس لفظ کی درست وضاحت تفاسیر میں موجود نہیں۔ لہٰذا اس کا ذکر اور وضاحت ضروری ہے۔

آیات مع ترجمہ مولانا مودودی ملاحظہ فرمائیں۔

قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ○ (آیت نمبر 39 الحجر نمبر 15)

ترجمہ: (ابلیس نے کہا) میرے رب جیسا تو نے مجھے بھکایا اسی طرح اب میں زمین میں ان کے لئے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بھکا دونگا۔ (بجز تیرے چنیدہ بندوں کے)۔ آیت نمبر 41 میں ابلیس کے اس قول کی اللہ نے تصدیق فرمائی۔

دوسری جگہ سورۃ الاعراف نمبر 7 کی آیت نمبر 16 میں ارشاد ہے :-

قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ○

ترجمہ: (ابلیس نے کہا) جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں بتلا کیا ہے میں اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں (بھکانے کے لئے) لگا رہوں گا۔

ان دونوں آیات میں ابلیس کا اس قول "کہ جس طرح تو نے مجھے بھکایا گمراہی میں بتلا کیا" کا اللہ سے خطاب ہے۔ گویا اللہ نے ابلیس کو بھکایا تھا۔ معاذ اللہ۔ پھر اگر ایسا تھا تو وہ مردود کیوں ٹھہرا۔

میں نے اپنی محدود استطاعت کے مطابق اس لفظ پر غور و فکر اور مطالعہ کیا۔ ذی فکر حضرات کے لئے لفظ اغوا، غشی، غوا وغیرہ جن آیات میں آیا ہے اس کا حوالہ دے رہا ہوں۔

آیت 146+175 اعراف +34 ھود +59 مریم +121 طٰہٰ +91,94,224 شعراء +

Marfat.com

18,63 قصص + 31,32 صفٰت + 82 صٓ اور النجم نمبر 53۔

ان تمام مقامات و آیات کے مطالعہ سے، ترجمہ بہکنا اور گمراہی میں مبتلا ہونا دونوں غلط ہیں۔ اس لفظ کا مذکورہ بالا ہر دو آیات میں ترجمہ ہونا چاہئے کہ "جس طرح تو نے مجھے غلط کاری کا اختیار دیا ہے" اسی طرح انسان کی اس آزادیٔ اختیار سے انہیں غلط کار بنا دوں گا۔

یہ بات اللہ کی رحمت کے خلاف بھی ہے اور اس کے عدل کے بھی کہ وہ مخلوق کو گمراہی میں مبتلا کرے یا بھکادے۔ البتہ اسکے قانون کے مطابق جنات اور انسانوں کو غلط یا صحیح راہ کی تمیز دی گئی ہے اور انہیں اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو چاہیں راہ اپنا سکتے ہیں۔ جبراً راہِ راست یا ایمان کی طرف نہیں لایا جاتا۔ ورنہ نہ شرفِ خلافت رہے نہ ہی آزمائش کا موقع رہے۔

اس طرح یہ بات واضح ہو گی کہ شیطان / ابلیس نے کہا تھا کہ غلط راہ اپنانے کی جو آزادی مجھے دی ہے اسی آزادیٔ اختیار سے انسانوں کو راہِ راست سے بھٹکاتا رہوں گا۔ اس لئے کہ یہی آزادی انسانوں کو بھی حاصل ہے۔ یہ ایک مجمل توضیح کر دی گئی ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ واللہ اعلم۔

ھبوط علی الارض

زمین پر اتارے جانے کی وجہ شیطان کی ترغیب بنی۔ لیکن کیا اگر ابلیس نے نہ بھکایا ہوتا تو کیا انسان زمین پر کبھی نہ اترتا؟ کیا یہ شیطان کی صرف کامیاب چال تھی؟ اس حکم عدولی کا ذمہ دار کون تھا؟

اللہ نے واضح طور پر فرمادیا کہ آدم وحواؑ دونوں کو شیطان نے بھکادیا تھا۔ اسکی ذمہ داری ان دو میں سے کسی ایک کی نہ تھی۔

ملاحظہ ہوں آیاتِ قرآنی:

آیات نمبر 22+20 الاعراف نمبر 7 + آیت نمبر 36 البقرۃ نمبر 2 + آیت نمبر 121 طٰہٰ نمبر 20

آیاتِ قرآنی کی تلاوت سے معلوم ہوتا کہ شیطان نہ بھی ہوتا تو بھی آدم وحواؑ نے شجرِ ممنوعہ کھالینا تھا اور زمین پر اترنا تھا۔

اول تو یہ کہ آدم کی پیدائش کا مقصد ہی خلیفۃ اللہِ علی الارض (زمین پر خلیفہ) بنانا تھا۔
ملاحظہ ہوں آیات نمبر 165 انعام نمبر 6 + آیت نمبر 59 آل عمران نمبر 3 + آیت نمبر 62 النمل

Marfat.com

نمبر 27۔ لہٰذا آدم وحوا کا زمین پر لایا جانا منشاء ایزدی تھا۔

دوسرے آدم میں عزم کی کمی نے جلد ہاد یر اسے اللہ کے حکمِ امتناعی کو بھلا دینا تھا اور شجر ممنوعہ کھا ہی لینا تھا۔ اس ضمن میں آیت نمبر 115 طٰہٰ نمبر 20 تلاوت کریں۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ ۔۔ ۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ٥

ترجمہ : ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔

لہٰذا یہ بھول چوک ہونا ہی تھی اور نتیجہ میں آدم وحوا نے زمین پر آنا تھا۔

لیکن شیطان کی کامیاب چال نے انسان کو خبردار کر دیا کہ وہ انسان کا دشمن ہے اور جس طرح اس نے پہلے جنت کی راحت سے نکلوایا ہے اسی طرح اس کی پیروی جنت میں داخلہ بھی بند کر سکتی ہے۔ اسلئے رحمٰن کی اطاعت اور شیطان سے بچتے رہنے میں ہی عافیت ہے۔

آدمؑ کی نبوت اور گناہ

یہ بات تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ حضرت آدمؑ نبی تھے۔ دوسرا کلیہ یہ ہے کہ نبی سے گناسرزد نہیں ہوتا۔ ان کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے آدم سے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کیسے سرزد ہوئی۔

گناہ کی تعریف یہ ہے کہ اللہ کے کسی واضح حکم کی دانستہ خلاف ورزی ہو۔ انبیاء کی عصمت کی حفاظت اللہ فرماتا ہے۔ اس لئے ان سے گناسرزد نہیں ہوتا۔ رائے کی غلطی ممکن ہے۔ جیسے حضرت یونسؑ سے ہوئی یا رسولِ کریم ﷺ نے شہد نہ کھانے کی قسم کھالی اور سورۃ تحریم میں اس کی اصلاح فرمائی گئی۔

حضرت آدمؑ جب تک جنت میں تھے بطور نبی ان کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ اسلئے اگر دانستہ بھی خلاف ورزی ہوتی تو وہ بطور نبی گناہ نہیں تھا۔ وہ اس دنیا میں آنے کے بعد بطور نبی مبعوث ہوئے۔

ملاحظہ ہو آیت نمبر 38 البقرۃ نمبر 2 اور آیت نمبر 123 طٰہٰ نمبر 20

دوسرے یہ کہ وہ اللہ کے حکمِ امتناعی کو بھول گئے تھے۔ اور بھول چوک کی خلاف ورزی گناہ نہیں ہوتا۔

شیطان کی طاقت

یہاں یہ بات ضمناً واضح کرنا مناسب ہے کہ شیطان کو بھکانے، پھسلانے، ترغیب گناہ دینے

Marfat.com

کی صلاحیت موجود ہے مگر اسے انسان پر جبر کی طاقت نہیں ہے۔ اگر شیطان کو یہ طاقت ہوتی تو انسان کی نہ آزمائشیں ہوتیں اور نہ خلافت رہتی۔

ملاحظہ ہوں : آیت نمبر 22 ابراہیم نمبر 14

کائنات میں انسانی مقام

حضرت علامہ اقبالؒ نے بہت خوب ارشاد فرمایا ہے :

بزمِ ہستی اپنی آرائش پہ تو نازاں نہ ہو
تو تو اک تصویر ہے محفل کی، اور محفل ہوں میں

I قرآنِ حکیم سے ہمیں علم ہوا کہ آدم کے پتلہ میں نفخِ روح سے بہت پہلے زمین پر انسانی بہبود کے تمام انتظامات فرمادیے گئے تھے۔

ملاحظہ ہو آیت نمبر 28,29 البقرۃ نمبر 2

II بنی آدم کو اللہ نے اپنی کثیر مخلوقات پر تکریم (عزت) عطا فرمائی۔

(آیت نمبر 70 بنی اسرائیل نمبر 17 ــــ آیت نمبر 28 بقرۃ نمبر 2)

III پوری کائنات انسانی بہبود کے لئے مسخر کر دی گئی۔

سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ o

(آیات نمبر 13 جاثیہ نمبر 45 + آیت نمبر 20 روم نمبر 30 + آیت نمبر 15 حج نمبر 22)

IV زمین کی ہر شے انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ (آیت نمبر 27,28 البقرۃ نمبر 2)

V انسان کو بہترین تقویم سے پیدا کیا گیا۔ (سورۃ والتین نمبر 95)

VII انسان کو بہترین غذا فراہم کی گئی۔ (آیت نمبر 70 البقرۃ نمبر 2)

VIII بحر و بر پر حکمرانی دی گئی۔ (ایضاً)

IX اکثر مخلوقات پر اسے اکرام بخشا گیا۔ (آیت نمبر 17 اسرائیل نمبر 17)

X انسان کی دینوی اور اخروی بہبود کے لئے انبیاء کو مبعوث کیا گیا۔

(آیت نمبر 38 بقرہ نمبر 7 + آیت نمبر 123 طٰہٰ نمبر 20)

XI انسان پر شیطان کو قابو عطا نہیں فرمایا گیا۔ (آیت نمبر 22 ابراہیم نمبر 14)

Marfat.com

XII آدم کی تخلیق اللہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے فرمائی یعنی قدرت خاص سے پیدا کیا۔
(آیت نمبر 75 صٓ نمبر 38)

XIII زمین آسمان کو ستاروں سے مزین کیا گیا۔ (آیت نمبر 5 الملک نمبر 8)

XIV قلم سے انسان کو وہ علم سکھایا گیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (آیت نمبر 4 العلق نمبر 96)

XV انسان کو بیان کی صلاحیت عطا کی گئی۔ (آیت نمبر 4 رحمٰن نمبر 55)

XVI آدم کی ذریت کی پشت سے نسلوں کو نکال کر انہیں اپنی ربوبیت سے شناسا کرایا گیا اور اقرار لیا گیا۔ فطری طور پر شرک سے محفوظ کرایا گیا۔ (آیت نمبر 173 اعراف نمبر 7)

گویا انسان اللہ کی منظورِ نظر مخلوق ہے۔

انسان اور شیطنت میں فرق

حکم عدولی شیطان نے کی مگر اس پر ندامت کی بجائے تکبر سے اس کا جواز پیش کیا۔ ملعون ہوا۔ آدم سے بھی حکم عدولی ہوئی شجرِ ممنوعہ کی بابت۔ پرسش پر فوراً ندامت ہوئی اسلئے اللہ نے کلماتِ توبہ سکھائے۔ توبہ قبول فرمائی۔ مگر جنت سے نکلنے کا حکم بدستور رہا۔ مگر بتا دیا گیا کہ میں نبی، رسول اور پیغمبروں کے ذریعہ ہدایت بھیجتا رہوں گا جو تمہیں فطرت کے مطابق زندگی کے ستھرے اصول سکھاتے رہیں گے۔ جو لوگ ان ہدایات کی پیروی کریں گے انکی دنیا و آخرت میں بہبود اور نجات کی ضمانت ہے۔ جس نے اللہ کے قوانینِ ہدایت سے انحراف کیا اسکی دنیا اور آخرت میں تباہی ہے۔ شیطان تمہارا دشمن ہے جس کی وجوہات بتا دیں گئی۔ شیطان کے مکر سے ہمیشہ ہوشیار رہو۔ وہ تمہیں جنت سے نکلوا چکا ہے۔ پر خلوص توبہ کے لئے دروازے کھلے ہیں۔ جب بھی ندامت محسوس ہو اللہ کے قوانینِ ہدایت کی طرف واپس آسکتے ہو۔ "صد بار گر توبہ شکستی باز آ" (سو بار بھی توبہ توڑو تو اللہ کی رحمت پھر بھی قبول کرے گی)۔ موت کے نزع کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

خلافت کا قرآنی مفہوم

آدم اور اسکی نسل کا شرفِ خلافتِ ارضی ہے۔ اس خلافت کی بنیاد اجتماعی علم کی صلاحیت خیر و شر کا علم اور اس کی تمیز اور انتخاب اور عمل کی آزادی ہے اسے جبر سے نیکی کی طرف نہیں لایا جاتا۔

آدم کے توسط سے اللہ نے اسے علم کی وہ صلاحیت عطا فرما دی جو زمین پر کسی دیگر مخلوق کو

حاصل نہیں۔ اس علم کو منکشف کر کے بروئے کار لانا انسان کا کام ہے۔ اسی علم سے اپنی اور بنی نوعِ انسان کی بہبود کے لئے کام کرنا انسانی فرائض میں ہے

ہر چیز کا خالق اول اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ مبدی (ابتداء کرنے والا) ہے اور وہی معید ہے یعنی حسبِ قانونِ قدرت فنا کرتا ہے۔ مگر اسکی پیدا کردہ چیزوں سے فائدہ اٹھانے اور اسکے مختلف استعمال سے نوع بہ نوع اشیاء انسان کو بنانے کی صلاحیت دی گئی ہے۔

گھڑی کے پرزوں کو دیکھئے، ٹی وی کی صنعت کو لیجئے، ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کو دیکھئے غرضیکہ کسی بھی انسانی صنعت میں جو دھات، گیس یا مائع استعمال ہوا ہے وہ سب اللہ کا پیدا کردہ ہے۔ مگر اس کے خواص کا علم اور قوانینِ فطرت کے تحت اسکی کارکردگی سے یہ سب نتائج انسان نے خود حاصل کئے۔ یہ انسان کی خلافت کا اعجاز ہے۔ اور کوئی مخلوقِ ارضی کو نہ یہ علم ہے نہ اس کے نوع بہ نوع استعمال کی صلاحیت ہے۔

نسل بہ نسل علوم اور تحقیقات کے نتائج کو جمع کرنے اور پہنچانے کے لئے قلم کا استعمال کوئی دوسری مخلوق نہیں کر سکتی۔ یہ شرفِ خلافت ہے۔ (سورۃ العلق نمبر 96)

علامہ اقبال نے اسی انسانی شرف کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ایک نظم رقم کی ہے۔ کہتے ہیں:

تو شب آفریدی' چراغ آفریدم
سفال آفریدی' ایاغ آفریدم

دوسری طرف اپنی روح میں سے کچھ داخل فرما کر نہ صرف آدم کو زندگی بخشی بلکہ صفاتِ اخلاقی کے ربانی پہلو کا انعکاس کر دیا گیا۔ ان صفات کے اعتبار سے بھی خلیفہ ہے۔ عطا اللہ کرتا ہے اسکی درست اور موزوں تقسیم انسان کی ذمہ داری ہے۔ معاشرہ کے زیادہ اہل لوگ خواہ مالی طور پر ہوں، عقلی طور پر ہوں یا جسمانی طور پر وہ کم اہل یا نااہل لوگوں کے کام آئیں۔ مالدار' غریبوں کے، تندرست' بیماروں کے، بڑے لوگ' بچوں کے کام آئیں۔ وہ ملک جن کی پیداوار زیادہ ہو غریب اور قحط زدہ ملکوں کی مدد کریں۔ اس لئے قرآنِ حکیم سب سے بنیادی ضرورت یعنی غذا کی بابت بار بار حکم دہراتا ہے کہ جنہیں ہم نے دیا ہے وہ انہیں کھلائیں یعنی انکی ضروریات پوری کریں جو محروم ہیں۔

Marfat.com

ہم بیوی بچوں پر اپنی کمائی بغیر احسان خرچ کرتے ہیں۔ گویا اس حکمت کو اپنے گھر میں سمجھتے اور عمل کرتے ہیں مگر انسانی معاشرہ میں اور عالمی انسانیت کے اس فرض کو بھول جاتے ہیں۔ گویا فرضِ خلافت کو بھول جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل تخلیق اللہ کرتا ہے۔ مگر ان تخلیقات سے بے شمار مصنوعات اللہ کا خلیفہ دیتا ہے۔ رزق، صحت عقل و علم اللہ کی دی ہوئی ہے مگر اس کی منصفانی تقسیم سے انسانیت کی خدمت نسلِ انسانی کا فرض ہے۔ یہ خلافت کے تقاضے ہیں۔ یہ ہمارا شرف ہے جو جس حد تک اسے حاصل کر سکے۔

اللہ نے جس آزمائش کے لئے انسانی نسل کو خلافت کا شرف، علمی صلاحیتیں، صفاتی خوبیاں اور انسانی کمزوریاں ودیعت کی تھیں ان کا مقصد ایک باہوش و حواس اور باصلاحیت عبد (اللہ کا بندہ) بنایا جانا تھا۔ ایسا بندہ جو خالص اللہ کا بندہ ہو مگر بہترین صلاحیتوں اور صفات سے مرصع ہو۔

اللہ کی بخشی ہوئی علمی صلاحیت کے استعمال اور اظہار کے لئے ایمان اور نیک عمل شرط نہیں۔ ہر وہ قوم جو ذکر، فکر، تعقل اور تدبر کرے وہ اپنی علمی صلاحیت سے عظیم کارنامے انجام دے سکتی ہے۔ یہ علم الاسماء قبل از نفخ روح آدم میں ودیعت کر دیے گئے تھے۔

اللہ کی روح میں سے کچھ کے ادخال نے انسان کو صفاتِ اخلاقی سے لیس کر دیا۔ مگر ساتھ ہی ذلیل ترین حد تک گر جانے کی صلاحیت بھی دے دی گئی اور یہ اختیار بھی کہ جو اور جتنی چاہے صفاتِ ربانی اختیار کرے اور جو چاہے ذلت اختیار کر لے۔

شرفِ بندگی کا تعلق صفاتِ ربانی کے اپنانے اور اختیار کر لینے میں رکھ دی گئی۔ بندگی کے لئے صرف عقل اور علم ہی نہیں بلکہ سلامتیٔ فکر و عمل کی ضرورت ہے۔ اس ایمان بالغیب کی ضرورت بھی ہے جو دراصل عقل کی معراج ہے۔ جیسے یہ عقل کہ ایک مالک و خالق اچھے اور برے کام کا اختیار دے مگر یہ کبھی نہ پوچھے کہ تم نے اپنے اختیار کو غلط کیوں استعمال کیا۔ نہ صحیح استعمال پر انعام دے۔ بالکل نا قابلِ یقین بات اور خلافِ عقل ہے اس لئے عقلِ سلیم یوم الدین یا یوم قیامت کو عین عقل کے مطابق تسلیم کرتا ہے۔ یہ ایمان بالغیب عقلِ سلیم کے عین مطابق ہے۔ بندگی کی عظمت صرف صفاتِ ربانی کو اپنانا ہی نہیں بلکہ ان صفات میں توازن کا حصول بندگی کی معراج ہے۔ جو رسولِ کریم ﷺ کا اسوۂ مبارکہ ہے۔

اللہ کے اس ارشاد کا مطلب اب واضح ہے جس میں کہا گیا ہے :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَo (آیت نمبر 56 الذاریات نمبر 51)

ترجمہ : میں نے جن اور انسانوں کو بجز اپنی عبادت کسی اور مقصد سے پیدا نہیں کیا۔

ایک ذی علم، فعال، بیدار مغز مگر با اخلاق و باایمان و اطاعت گذار مخلوق ہونا خلافت ہے۔

Marfat.com

تقدیر ــــــ کوشش

قضائے الٰہی اور کاوشِ انسانی میں ہم آہنگی۔ کیا اس مسئلہ پر غور گناہ ہے۔ کیا یہ مسئلہ لاینحل ہے۔

بعض مبینہ احادیث کو بنیاد بنا کر مسئلۂ تقدیر کو بہت سے علماء نے ایک شجرِ ممنوعہ کی حیثیت دیدی ہوئی ہے۔ کیا اس پر غور و فکر گویا گناہ ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ذہنِ انسانی جائز طور پر ہمیشہ قضائے الٰہی اور کاوشِ انسانی میں ہم آہنگی کا متلاشی رہا ہے۔ انبیاءؑ اور خصوصاً رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ان دونوں بنیادی حقائق میں توازنِ فکر و عمل کا بہترین نمونہ رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اسوۂ رسول کی پیروی کرتے ہوئے تقدیر پر انحصار کی وجہ سے ترکِ عمل نہ کیا اور عمل پر انحصار کرتے ہوئے حتمی و حقیقی قوت یعنی قوتِ الٰہی سے کبھی انحراف نہیں کیا۔

یہ توازنِ یقین و عمل دراصل دنیا و آخرت کی کامیابی کا بنیادی سنگم ہے۔

مگر بعد کے دور میں امت ذہنی انتشار کا شکار ہوگئی۔ جبریہ فرقہ پیدا ہوا جن کا عقیدہ تھا کہ انسان مجبورِ محض مخلوق ہے اور قضائے الٰہی کے سامنے انسان کی حیثیت ایک بے وقعت مہرہ سے زیادہ نہیں ہے۔ دوسرا فرقہ قدریہ کہلایا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے اس کائنات کو بنا تو دیا مگر اب وہ محض خاموش تماشائی ہے اور تمام اختیارات انسان کو حاصل ہیں اور مکمل طور پر مختار ہے۔

قرآنِ حکیم نے ان دونوں عقائد کی واضح تردید کی ہوئی تھی۔ لہٰذا ان دونوں عقائد کے غلط ہونے میں کوئی شبہ ہرگز نہیں۔ دونوں فرقے بطور فکری مذاہب تو ختم ہوگئے مگر انسانوں کی انفرادی زندگی میں آج بھی ایک بڑا سوالیہ نشان ذہنوں میں یہ ہے کہ اللہ کے مکمل اقتدار اور قوتِ قادرہ کے ہمہ وقت جاری و ساری ہونے کے باوجود انسانی فکر و عمل کی کتنی گنجائش ہے اور کتنی اہمیت ہے۔ دراصل یہی سوال مسئلہ تقدیر ہے۔ اسی پر غور کرنا ضروری ہے۔

غالب نے کہا کہ محشر میں جب میرا نامہ اعمال پیش ہو تو اس کا میرے نوشتۂ تقدیر سے موازنہ کر۔ اگر یہ فرق ہو تو میں ذمہ دار ہوں۔

یہاں تک کہ علامہ اقبال نے بھی ابتدائے فکر میں اسی نہج پر فکر کیا۔ فرماتے ہیں :-

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

Marfat.com

یعنی تو نے میری تقدیر میں لکھا اور میں نے اس پر عمل کیا ہر دو شرمسار ہوئے مگر بعد میں علامہ نے رجوع کرلیا اور فرمایا۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند۔

کیا اسقدر اہم مسئلہ پر غور و فکر ممنوع ہوسکتا ہے یا یہ ممکن ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت قرآنِ حکیم و کتاب فرقان میں موجود نہ ہو۔ یا اس مسئلہ کو آیاتِ متشابہات میں شامل سمجھا جائے کہ اسکا درست مفہوم اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہو۔ اگر یہ سب کچھ نہیں ہے تو اس اہم مسئلہ کا جواب قرآنِ حکیم سے تلاش کرنا نہ صرف ممکن ہے بلکہ لازمی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم درست جواب فی الحال تلاش نہ کرسکیں۔ یا جواب جو ملے وہ تمام ممکنہ حالات کی تسلی بخش وضاحت نہ کرسکے مگر یہ موضوع شجرِ ممنوعہ بہرحال نہیں اور اس سمت کوشش ایک مستحسن عمل ہوگا گناہ نہیں۔ لہٰذا میں اپنی حقیر کاوش سے جو سمجھا ہوں پیش کرتا ہوں۔

لفظی وضاحت

تقدیر کے حوالہ سے جو مختلف الفاظ قرآنِ حکیم میں استعمال ہوئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔
قَدر، مقتدر، یَقدِر، قُدِر، قادِر، تقدیر، قدیر، وغیرہ اول لفظ قدر جسکے معنی وُقعت، صلاحیت، مقدار، وضع، کرنا، کمکرنا گھٹانا وغیرہ ہیں۔ جن معنی میں یہ لفظ جہاں استعمال ہوا اسکا مفہوم نفسِ مضمون سے اللہ نے واضح فرمادیا ہے۔

دوسرا لفظ جو زیرِ نظر مضمون کے اعتبار سے اہم ہے وہ ہے لفظِ تقدیر، جو بہت کم استعمال ہوا مگر مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔

حوالہ کیلئے جن آیات کا ذکر ہوگا وہ آیت نمبر اور سورۃ نمبر کے طور پر لکھا جائیگا تا کہ غیر ضروری طوالت سے بچا جاسکے۔

قدر کا لفظ قدر و قوت کے معنی میں جہاں استعمال ہوا وہ ہیں
ارشاد ہوا ''وَمَا قَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖ'' 91/6
(انہوں نے اللہ کی عظمت و وقعت کا اندازہ حقیقت کے خلاف لگایا) دیگر آیات 67/39+74/22 اس لفظِ قدر کا استعمال بمعنی مقدار بھی بہت جگہ ارشاد ہے:۔

Marfat.com

''وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ'' 8/13،

(اللہ نے ہر چیز کی مقدار مقرر کر رکھی ہے)

دیگر آیات:-21/42+49/54+22/77+38/33+18/23+95/10+60/15

+18/34+5/10+16/176+11/34

لفظ قدر گھٹانے اور کم کرنے کے معنی میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے مثلاً

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ہ 16/89

(اللہ) جب انسان کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا)

دیگر آیت 39/36۔

قدر کے مادہ سے مشتق دیگر الفاظ کے مختلف معنی ہیں۔ مثلاً قدرت واختیار + مقرر ومقدر ہونا + اندازہ مقرر کرنا، کسی بات کو طے کر دینا۔ موت کا لازم ہونا وغیرہ ہے۔ اس وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو اور اس مادہ سے ماخوذ دیگر الفاظ کو مختلف مواقع پر مختلف معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ مگر نفس مضمون خود معنی کی طرف واضح نشاندہی کر دیتا ہے لہٰذا اکثر وبیشتر ابہام نہیں رہتا۔ موضوعِ تحقیق مسئلہ بھی انشاء اللہ بالکل وضاحت سے سامنے آجائیگا۔

قانونِ الٰہی

پوری کائنات کو اللہ نے اپنے قانون کے تحت اور اسکا پابند پیدا فرمایا ہے اور زمین وآسمان کا ہر ذرہ قانونِ الٰہی کے تحت پیدا ہوا اور اسی کے قانون کا ہمہ وقت پابند ہے۔ ارشاد ہے۔

أَلَمْ تَرَوْنَ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ہ 19/14

ترجمہ: (کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق (قانون) کے تحت پیدا کیا۔

خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ہ آیت 3 نحل نمبر 16

ترجمہ: (آسمانوں اور زمین کو حق (قانون) کے مطابق پیدا کیا)

دیگر آیات بھی اس مضمون کی متعدد ہیں جنکی تفصیل یہاں ضروری نہیں مگر یہ بات ہر شک وشبہ سے بالا اور طے ہے کہ تمام کائنات قانونِ الٰہی کی پابند اور انہیں قوانین کے تحت رواں دواں ہے۔

قوانینِ الٰہی کی اقسام اور جہات بھی بے شمار ہیں جنہیں اللہ نے اپنی آیات فرمایا مگر وہ ایک

علیحدہ اور مفصل موضوع ہے جس پر اللہ کی توفیق سے بات ہوگی۔

فی الحال موضوع کی مناسبت سے قانونِ الٰہی کی دو بنیادی اقسام کو سمجھنا کافی ہوگا۔

I قانونِ طبعی، اور

II قانونِ اختیاری

قانونِ طبعی:-

اللہ عزیز و حکیم کا یہ وہ قانون ہے جو اس کائنات میں ہر چیز پر حاوی ہے۔ زندہ ہو یا بے جان ہو اللہ کے اس قانونِ طبعی کی ہر چیز پابند ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ربانی:-

وَلِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ طَوۡعاً وَّ کَرۡھًا وَّظِلٰلُھُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ہ

آیت نمبر 15 الرعد نمبر 13

ترجمہ: اللہ کو زمین و آسمان کی ہر چیز خواہی نخواہی سجدہ کرتی ہے اور صبح و شام اسکے سامنے جھکتی ہے۔ (اطاعت پر مجبور ہے) دیگر آیات نمبر 83، عمران نمبر 3۔ نمبر 11، حم نمبر 41

یہاں ان طبعی قوانین کا ذکر فرمایا گیا جن کی پابندی اگر اطاعت کی ساتھ نہ بھی کیجائے تو جبراً کرالی جاتی ہے۔ ستارے، سورج، چاند، زمین، ہواؤں کا چلنا بارش کا برسنا، نباتات کی پیدائش، اور ہر شے کا مقررہ مدت کے بعد فنا ہو جانا، موت واقع ہونا قرارِ حمل اور بچہ کی رحمِ مادر میں تکمیل۔ بیج کا مٹی میں پودہ یا درخت بننے کا عمل۔ ان سب کو تقدیر فرمایا گیا ہے یہ سب کچھ اللہ کے وضع کردہ وہ طبعی قوانینِ فطرت ہیں جن سے کسی کو فرار ممکن نہیں۔ ان قوانینِ فطرت کے جن و انس بھی اسی طرح پابند ہیں جس طرح چاند، سورج، درخت اور پودے ہیں۔

اب اس ضمن میں چند آیاتِ ربانی تلاوت کریں۔

I وَالشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرَ حُسۡبَاناً ہ ذَالِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ہ آیت (جزو) نمبر 96 الأنعام نمبر 6.

ترجمہ: اسی نے چاند اور سورج کا حساب مقرر کیا ہے یہ اس زبردست اور علیم کے مقرر کردہ طریقہ (تقدیر) ہے۔

II وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّلَّھَا ہ ذَالِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡم. وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنَاہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَ الۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ .لَاۤ شَمۡسَ یَنۡبَغِيۡ لَھَآ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَوَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّھَار. وَکُلٌّ فِيۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡن ہ آیت نمبر 38 تا 40 یٰس نمبر 36.

ترجمہ: اور سورج اپنے ٹھہرنے کی جگہ کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ تقدیر زبردست اور علیم کی مقرر کردہ ہے اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی خشک شاخ کی طرح رہ جاتا ہے سورج کے لئے ممکن نہیں کہ چاند کو جا پکڑے۔ نہ رات دن پر سبق لیجا سکتی ہے۔ یہ سب اپنے مدار میں تیر رہے ہیں (چل رہے ہیں)۔

III فَقَضٰهُنَّ سَبعَ سَمٰوَاتٍ في يَومَينِ وَ اوحىٰ في كلِ سَمَآءٍ اَمرَهَا.وَزَيَّنَ السمآءَ الدُّنياَ بِمَصَابيحَ وَ حِفظاً. ذَالِكَ تَقدِيرُ العَزيزِ العليم ہ آيت نمبر 12 حم السجده نمبر 41 .

ترجمہ: اس نے دو دن میں سات آسمان بنا دئے اور ہر آسمان میں اسکا قانون نافذ کردیا اور آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ اور محفوظ کردیا۔ یہ سب ایک زبردست علیم کی بنائی ہوئی تقدیر ہے۔ آیت نمبر 60 الواقعہ نمبر 56 بھی تلاوت کریں۔

IV اِنّاَ كُلَّ شئيٍ خَلَقنَاهُ بِقَدَرٍ ہ آيت نمبر 49 القمر نمبر 54

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو (مخصوص) صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ دیگر آیت نمبر 5 یونس نمبر 10 بھی تلاوت کریں۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَئى فَقَدَّرَ ہ تَقدِيرَ ہ آيت نمبر 2 الفرقان نمبر 25

ترجمہ: (اس نے ہر چیز پیدا کی اور اسکی قدرتی صلاحیت بھی مقرر کردی) دیگر آیات نمبر 3 الطلاق نمبر 65 و آیت نمبر 20 مزمل نمبر 73 ملاحظ کریں۔

یہ تمام آیات ان طبعی قوانینِ فطرت کی غماز ہیں جو اللہ نے تمام اشیاء جن وانس، ملائک، زمین و آسمان کیلئے پیدائشی طور پر مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان سے مفر اور انحراف کسی صورت ممکن نہیں۔

ان آیات کریمہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر چیز جو اللہ نے پیدا فرمائی اسکی صلاحیت کارکردگی کا طریقہ کار اور راستہ بھی اللہ نے خود متعین فرما دیا۔ سورج کو گرم رکھنے کے عوامل مسلسل اسی مقصد کیلئے کارفرما ہیں اور سورج ایک متعین راستہ پر اپنے جائے (قرار) (Solar Apex) کی طرف رواں دواں ہے۔

یہ تقدیر الٰہی ہے سورج کی اپنی منشاء کا اسمیں کوئی دخل نہیں۔ چاند کا روشنی کو منعکس کرنے کی صلاحیت رکھنا اور اللہ کے قانون کے مطابق گھٹنا بڑھنا اور منازل طے کرتے رہنا تقدیر الٰہی ہے۔ جس میں چاند کے ارادہ کا دخل نہیں۔

Marfat.com

ان ہر دو اجسامِ فلکی (بلکہ تمام اجسامِ فلکی) کا ایک مقرر حساب اور وقت کے مطابق فطری اور طبعی عوامل کی تکمیل تقدیرِ الٰہیٰ ہے۔ کوئی بھی ایک سیکنڈ کم و بیش کرنے پر قادر نہیں نہ ہی اپنے مدار سے باہر نکل سکتا ہے۔

اسی طرح ہر موسم اور سال میں رات اور دن کی مقررہ مدت تقدیرِ الٰہیٰ ہے۔ تقدیر کے وہ معنی جو ان آیات کریمہ سے سامنے آئے وہ یہ ہے کہ:۔

ہر چیز کی صلاحیت طبعی، اہلیت، طاقت، صفات، اللہ نے پیدا کی ہیں اس میں کوئی استشنا نہیں ہے۔ یہ سب کچھ پیدائش کے ساتھ مل جاتی ہیں۔

مگر جن مخلوقات کیلئے اور جس حد تک اس صلاحیت، اہلیت اور طاقت کے استعمال کا طریقہ بھی قوانین طبعی سے اللہ نے مقرر فرما دیا اسے تقدیر فرمایا گیا۔ جہاں اور جس حد تک قوانینِ طبعی خود بخود کارفرما ہیں وہ تقدیرِ الٰہیٰ ہے یعنی اللہ کی مقرر کردہ صلاحیت کا اسکے قوانین طبعی کے مطابق عمل ہوتے رہنا ہے۔

قانونِ اختیاری

دوسرا اور اہم قانون جو اس کائنات میں کارفرما ہے وہ ہے قانونِ اختیاری۔ یہی دراصل ہمارے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی اختیار ہمیں ذمہ داری عطا کرتا ہے اور اس کے صحیح و غلط استعمال پر ہم جواب دہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

سورۃ الاعلیٰ نمبر 87 آیت نمبر 1 تا 3

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الاَعلیٰ الَّذی خَلَقَ فَسَوّیٰ و الَّذِی قَدَّرَ فَھَدیٰ ہ۔

ترجمہ: اپنے اس اعلیٰ رب کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا پھر صورت وغیرہ مکمل کی، وہی ہے جس نے صلاحیت عطا کی پھر ہدایت وراہنمائی فرمائی۔

اگر یہاں قدر کا مطلب تقدیر لیا جائے تو ہدایت بے معنیٰ ہو جاتی ہے۔ اگر اچھی یا بری تقدیر اللہ نے بنادی پھر ہدایتِ عمل کیوں اور کس لئے دی گئی۔ ظاہر ہے اس آیت کا واضح مقصد یہ بتانا ہے کہ پیدا کرنا، مکمل کرنا اور ہر کام کی صلاحیت عطا کرنا اللہ کا کام تھا۔ پھر اس نے ہدایت دی کہ ان صلاحیتوں کو کس طرح اور کس مقصد کیلئے استعمال کرنا چاہیے تا کہ تم ایک مفید اور متوازن شخصیت

بن سکو اور اس ہدایت کے خلاف ان صلاحیتوں کا استعمال کب اور کتنے نقصان اور خسران کا سبب ہو گا۔

یہ آیتِ مبارکہ زندہ مخلوقات کیلئے ہے جن میں چرند، پرند آبی مخلوقات اور جن و انسان شامل ہیں۔

اللہ کی ہدایت کئی قسم کی ہوتی ہے

I- جبلی رخلقی (Instinctive) ہدایت۔ اس میں تمام زندہ مخلوقات شامل ہیں۔ بچہ کو دودھ پینے کا طریقہ خلقی طور پر ودیعت شدہ ہے، چوزہ کا دانہ چگنا، مچھلی اور آبی جانوروں کا تیرنا وغیرہ سب خلقی ہدایات ہیں۔

II- نقل سے سیکھنا جیسے بچہ بولنا سیکھتا ہے۔ دوسروں کی نقل کر کے۔ بہرہ بچہ اسلیئے بول نہیں سکتا کہ سنے بغیر وہ نقل نہیں کر سکتا۔ پرندوں کے بچے نقل کر کے اڑنا سیکھتے ہیں۔ شیر کا بچہ نقل سے شکار کرنا سیکھتا ہے۔

III- عقل کی ہدایت۔ غور و فکر کر کے سیکھنا ہے یا عمل کرنا ہے۔

IV- علم سے ہدایت۔ یہ دوسروں کے تجربات اور علم اور غور و فکر سے فائدہ اٹھانا ہے۔ زبانی بھی، تحریری بھی۔

V- وحی کی ہدایت + یہ آخری اور سب سے زیادہ درست خالق کی رہنمائی ہے جو انبیاء علیم السلام کے توسط سے خالق انسانوں اور اجنّہ کو عطا فرماتا ہے۔ وحی کی ہدایت کا اتباع فلاحِ دارین ہے اور اس سے انحراف تباہی و بربادی ہے۔ اسکا تعلق ایمان سے بنیادی طور پر ہے۔ ان ہدایات کی معقولیت سے عقل سلیم بھی اتفاق کرے تو یہ ہدایت عقلی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ ہدایت ربانی ہمیں یہ اختیار دیتی ہے کہ اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کا مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہم ہدایت کو قبول کر کے خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں کا استعمال اس ہدایت کے مطابق کریں تو فلاح پائینگے اور اجر کے حقدار ہونگے۔ بصورتِ انحراف اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں تباہی کے ذمہ دار ہونگے (معاذ اللہ) انہیں اختیاری قوانین کیلئے ہم جواب دہ ہیں۔ اللہ نے سب کو ہدایت دی۔ پیروی کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی دیا۔ اسکی ذمہ داری خالصتاً اس اختیار کے صحیح اور غلط استعمال پر منحصر ہے۔

اللہ نے کسی کے مقدر میں نہ ضلالت لکھی ہے نہ ہدایت لھٰذا یہ سمجھنا کہ اچھے اور برے اعمال

Marfat.com

تقدیر میں لکھے گئے ہیں۔ بالکل غلط اور گمراہی ہے۔ ابولہب کی تقدیر میں جہنمی ہونا نہیں تھا یہ اسکے اپنے اعمال کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح فرعون، شداد، نمرود اور قوم نوح، عاد و ثمود کو ہدایت دی گئی مگر عدم قبولیت اور بداعمالیوں کے نتیجہ میں مردود ہوئے۔

یہ کہنا کہ کسی کے مقدر میں گمراہی لکھی ہے بالکل غلط ہے۔ اللہ نے ہر شخص کو فطرت سلیم پر پیدا فرمایا ہے۔ اپنی ربوبیت کا اقرار لیا ہوا ہے۔ اپنی ہدایت سے اسکی رہنمائی فرمائی ہے۔ کسی کی اہلیت سے زیادہ اسے مکلّف نہیں کیا۔

ہر شخص کی ذمہ داری اسکے اعمال کے مطابق ہوگی۔ کسی کا بوجھ کوئی دوسرا نہ اٹھائیگا۔

اور یہ ذمہ داری بقدر اہلیت ہوگی اس سے زیادہ نہیں۔ ایک فاتر العقل شخص گناہ و ثواب سے مبرا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ ہ آیت نمبر 286 البقرہ نمبر 2.

ترجمہ: (اللہ کسی کو اسکی اہلیت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ یہ اسپر ہے کہ وہ کیا حاصل کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا۔

تمام فرائض شرعی اور قوانینِ اخلاقی کی پابندی ہر شخص پر اسکے علم، شعور، قوت اور اہلیت کے مطابق ہیں۔ جس کام کی کسی میں صلاحیت نہیں اس کی بابت اس پر کوئی ذمہ داری بھی نہیں۔ پھر ارشاد ہوا۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ہ وَاَنَّ سَعْیَهُ سَوْفَ یُرٰی ہ ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰی ہ آیات 39-41 النجم نمبر 53 ..

ترجمہ: (اور انسان کیلئے وہی کچھ ہے جسکے لئے وہ کوشش کرے اور اسکی کوشش دیکھی جاتی ہے۔ پھر اسکے مطابق بدلہ دیا جاتا ہے)

یہ وہ عمل و کوشش ہے جسکا تعلق اختیاری قانون سے ہے۔ اس عمل کیلئے کوئی جبر نہیں۔ یہ اختیار ہے کہ اچھائی یا برائی جو انسان چاہے اختیار کرے۔ اسکے مطابق بدلہ ملے گا۔ اسکی بابت ارشاد ہے:

لَا اِکْرَاهَ فِي الدِّین ہ آیت نمبر 256 البقرہ نمبر 2

ترجمہ: دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

انفرادی زندگی کے علاوہ اجتماعی زندگی میں بھی عمل کی اہمیت واضح کردیگئی۔ ارشاد ہوا۔

انا اللّٰہ لَا یُغیرُ مَا بِقَوم حَتّٰی یُغَیِّر وَمَا بِاَنفسهم ہ آیت نمبر 53 انفال نمبر 8

Marfat.com

ترجمہ: (اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت نہ بدلے)

مزید ارشاد ہوا کہ اگر ہم چاہتے تو (جبراً) ان سب کافروں کو بھی ایک ہی امت یعنی ہم عقیدہ وخیال بنا دیتے مگر ہم نے عقیدہ وعمل میں جو انہیں آزادی واختیار دیا ہے اسے ضبط کرنا خلافِ مقصدِ پیدائش انسانی ہے۔ لھٰذا یہ جبر روا نہیں رکھا گیا۔

وَ لَوشَآءِ رَبُکَ لَآمَنَ مَن فی الل رضَ کلُھّمُ جَمیعًا ط آفاَمنت تُکرِ ہُ النَّاسَ حَتیٰ یکونو مومنین ہ آیت نمبر 99 یونس نمبر 10 .

ترجمہ: اگر تیرے رب کی مشیت ہوتی تو سارے اہل زمین ایمان سے آتے تو پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کریگا کہ وہ مومن ہو جائیں۔

وَقُلِ الحَقُّ مِن رَّ بِکمُ فمَن شَآءَ فَلیُومِن وَّ مَن شَآء فَلیَکفُر ہ آیت نمبر 29 الکھف نمبر 18

ترجمہ: صاف کہدو کہ یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے اب جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کردے۔

آنکھ، کان، عقل وحواس دیے گئے کہ صحیح وغلط میں امتیاز کر سکے۔ ان تمام نعمتوں کے درست استعمال کیلئے ہدایت ضرور دی گئی مگر جبر نہیں کیا گیا۔ جو لوگ ان تمام خواص کے حامل ہو کر بھی اپنے رب کو نہیں پہنچانتے اور اسکی ہدایت کو نہیں مانتے انہیں آنکھ، کان اور زبان رکھنے کے باوجود ''صم'' ''بکم'' ''عمیا'' اندھے، بہرے، اور گونگے فرمایا گیا۔

سورہ بقرہ میں جب بنو اسرائیل کو گائے کی قربانی کا حکم حضرت موسیٰ حسب ارشاد خداوندی دیرہے ہیں اور بنو اسرائیل حسب عادت کٹ حجتی کرتی ہے کہ گائے کی عمر کیا ہو رنگ کیا ہو وغیرہ اور آخرکار حکم کی تعمیل کردیتے ہیں تو اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

فَذَ بَحُو ھَا وَمَا کَا دُوا یفعَلُون ہ آیت نمبر 71 البقرہ نمبر 2۔

ترجمہ: پھر انہوں نے ذبح کیا ورنہ وہ ایسا کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔

اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حکم مان لینے یا نہ مان لینے کا بنو اسرائیل کو مکمل اختیار تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ وہ گائے قربان نہیں کرینگے مگر آخرکار انہوں نے حکم مان لیا۔ اس سے اختیار کی آزادی ثابت ہے

نتیجہ

ان تمام آیات ربانی سے جو نتیجہ سامنے آیا وہ یہ ہے کہ:

اللہ نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا۔ ہر چیز میں فطری اور طبعی صلاحیت ودلعیت فرمائی اور ہر چیز اسکے طبعی قوانین کی پابند ہے اور اسکے سامنے سجدہ ریز ہے۔

مگر ایمان واعمال کا اختیار جن وانس کو ہدایت ورہنمائی کے ساتھ دیدیا گیا مان لینا یا نہ مان لینے کا اختیار دیدیا گیا۔ انہیں اختیاری قوانین کے متعلق ہر شخص کی ذاتی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق احتساب ہوگا۔ طبعی قوانین کے متعلق نہیں ہوگا۔ طبعی قوانین تقدیر الٰہی ہیں۔ اختیارات کا درست اور غلط استعمال تقدیر نہیں ہے۔ وہ ہمارا انتخاب ہے اور ہم ہی اسکے ذمہ دار ہونگے۔

کوشش اور کامیابی

یہ بات اللہ نے طے فرمادی کہ کوشش کے بغیر انسان کیلئے کچھ نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا کوشش لازماً کامیاب ہوتی ہے ہمارا تجربہ ہے کہ ہر کوشش اور ہر کسی کی کوشش بھی کامیاب نہیں ہوتی۔ اسکی وجہ کیا ہے۔

اسباب کا اختیار کرنا اور وسائل حاصل کرنے کا نام کوشش ہے۔ یہ کوشش ہم کسی مقصد کیلئے کرتے ہیں۔ یہ کوشش ہم پر فرض ہے۔

وسائل کا مالک اللہ ہے اسباب کا وہ مسبب ہے گویا اسباب بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور کسی الٰہی قانون کے تحت کام کرتے ہیں۔ جب ہم اسباب کو خدائی قوانین کے مطابق اختیار کرتے ہیں تو ہماری رسائی وسائل تک ہوتی ہے۔ پھر وسائل کو جب ہم خدائی قانون کے مطابق استعمال کرتے ہیں تو کوشش کامیابی سے ہم کنار ہوجائیگی۔ انشاءاللہ۔

یہاں خدائی قانون سے مطلب قانونِ طبعی ہے۔ ہر سبب ایک فطری قانون کے تحت ہے اور ہر وسیلہ ایک یا زیادہ قوانینِ طبعی کے تحت کام کرتا ہے۔ ایک موٹی مثال پیش کرتا ہوں۔ گرمی میں کمی کیلئے ہم اگر کولر میں گرم پانی ڈالکر چلائینگے تو یہ ایک کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ گرمی زیادہ ہوجائیگی۔ یہ اسلئے کہ ہم نے اسباب ووسائل کو خدائی قانونِ فطرت کو غلط استعمال کیا۔ کولر میں ٹھنڈا پانی ڈالکر چلانا فطری قانون کے مطابق اسباب ووسائل کا استعمال ہوگا۔ کوشش کامیاب

Marfat.com

ہوگی۔

لیکن یہ بات کہنے میں جسقدر آسان ہے عملاً اتنی ہی دشوار ہے۔ کسی ایک مقصد کے حصول کیلئے بے شمار اسباب اور وسائل ضروری ہو سکتے ہیں۔ ہر سبب اور وسیلہ کے فطری قانون کا علم ہونا اور سب میں ہم آہنگی پیدا کرنا ذہین ترین لوگوں اور ارفع دماغوں کیلئے بھی ہمیشہ ممکن نہیں۔ ہٹلر اور بھٹو کی مثال دی جا سکتی ہے۔ بہترین دماغ اور ناکامی سے دوچار۔

لھذا اللہ نے جو ہمیں اس ضمن میں ہدایت فرمائی وہ یہ ہے کہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کوشش کرو مگر اس کوشش اور ان اسباب و وسائل پر انحصار نہ کرو۔ توکل صرف خدا پر کرو۔ مختصر سبق یہ ملا کہ:

خدا پر توکل کے عذر پر کوشش میں خامی یا کمی ناکامی کا باعث ہوگا۔ اسی طرح بھرپور کوشش بغیر اللہ پر انحصار کئے ناکامی کا سبب بن جاتا ہے۔ مکمل دانشمندنہ کوشش اور اللہ پر مخلصانہ توکل کامیابی کی کلید ہے۔

اس نتیجہ کے اخذ کرنے میں دو انبیاء عظام کی حیاتِ طیبہ زیادہ مشعل راہ ثابت ہوسکتی ہے۔

اولاً حضرت موسیٰ علیہ کی حیاتِ مبارکہ جس میں شیر خوارگی میں سپر دِ نیل کر دیا جانا، انہیں فرعون کے ذبح سے محفوظ کرنے کی ایک ممکن کوشش تھی مگر اسکی کامیابی اللہ کے فضل سے ممکن ہوئی۔ پھر ایک صدیوں کی غلامی کی عادی قوم کیلئے اس قوم کے نجات دہندہ کی پرورش شاہی محل میں ہونا ایک سبب بنا کہ اس غلام قوم کا وہ نمائندہ حاکم قوم سے آنکھ میں آنکھ ڈالکر بات کر سکے۔ انکی خوبیوں اور خامیوں سے بھرپور طور پر واقف ہو اور انکی سیاست کو سمجھ سکے۔ مگر یہ سب صلاحتیں بھی بنو اسرائیل کو غلامی سے نجات نہ دلا سکیں۔ جب تک اللہ کی مدد شامل حال نہ ہوئی۔ مزید یہ کہ فرعون اور قبطی اسباب و وسائل پر اسقدر دسترس رکھتے تھے کہ نو معجزات جن میں فصلوں کی تباہی، دیمک، مینڈک خون وغیرہ سے تباہیاں شامل تھیں قوم قبط اور فرعون کی بالا دستی ختم نہیں کر سکی صرف انکی گرفت کچھ کمزور ہوئی۔ ان سب اسباب کی کامیابی پھر بھی اللہ کی نصرت کی محتاج رہی۔ 40 سال میں بنو اسرائیل میں صرف اسقدر ہمت پیدا ہوئی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے نکل جانے کیلئے تیار ہو سکے۔ یہاں فرعون نے اپنے لشکر کے اور ساز و سامان کے ساتھ بنو اسرائیل کا تعاقب کیا اور وہ تعاقب آخر کار اسکی اور اسکے عساکر کی غرقابی اور تباہی پر منتج ہوا۔ یہ غرقابی معجزاتی تھی کہ دریا یا سمندر نے بنو اسرائیل کو راہ دی اور فرعون اور اسکے لشکر کو غرق کر دیا۔

Marfat.com

حضرت موسیٰ کی زندگی پر گہری نظر ڈالئے تو وہ معجزات اور اسباب کا حیرت انگیز مجموعہ نظر آئیگی۔ انکی زندگی شیر خوارگی میں نہ صرف بچالینا بلکہ شاہی محل میں پرورش پانا، ایک غیر ارادی قتل میں ملوث ہو کر مدائن پہونچنا۔ وہاں ایک نبی کی دختر سے عقد اور 8 یا 10 سال قیام کی شرط۔ گویا تربیتی کورس تھا۔ واپسی پر بعثت اور معجزات کا عطا ہونا۔ مسلسل کوشش کے باوجود قوم فرعون کا اصلاح قبول نہ کرنا اور بنو اسرائیل کو حضرت موسیٰ کے ہمراہ نہ جانے دینا۔ پھر مسلسل معجزات بصورتِ عذاب آتے رہے کہ جس سے فرعون کے وسائل پر زد پڑتی رہی اور وہ کسی حد تک بنو اسرائیل سے غافل ہوگیا۔ اور اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر حضرت موسیٰ مع قوم نکل گئے۔ سمندر کا واقعہ، پھر بادل کا سایہ فگن رہنا۔ من وسلویٰ کی فراہمی 12 چشموں کا عصا مارنے سے جاری ہونا وغیرہ۔

ان تمام واقعات کی نشاندہی اسلیئے کی ہے کہ اسباب ووسائل جو اللہ کی مخلوق ہیں اور اپنی ایک قوت وتاثیر رکھتے ہیں انکا حصول اور ان پر گرفت اور ان سے کام لینا ایک لازمی اور مستحسن کوشش ہے۔ فرعون تمام ملک کے اسباب ووسائل پر دسترس رکھتا تھا۔ اسلیئے اسکی گرفت سے نکلنے مین بنو اسرائیل کو (معجزاتی نصرت کے باوجود) قریباً 40 سال لگے۔ تو اس میں خود بنو اسرائیل کی پست ہمتی اور کٹ حجتی کا بھی بڑا دخل تھا مگر یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسباب وسائل کی قوت جس طرح فرعون کے پاس تھی انکا حصول اس سے مقابلہ کیلیئے بھی لازمی تھا۔ ترکِ اسباب کرنا خدائی راستہ نہیں بلکہ اسباب پر گرفت مضبوط کرنا اور بڑھاتے رہنا ایک مسلمان اور مسلم معاشرہ کیلیئے لازم ہے اللہ کی مخلوق اسباب اور وسائل کا حصول فرضِ عین ہے مگر ان تمام اسباب ووسائل کے باوجود کوشش کی کامیابی اللہ کے فضل سے ہی ممکن ہے لھٰذا جو سبق ملتا ہے وہ یہ کہ اسباب ووسائل پر ہر لحہ گرفت رکھیئے مگر ان پر انحصار نہ کیجیئے۔ توکل اور انحصار صرف اللہ کی ذات پر رکھیئے۔ اسکے فضل اور امداد پر رکھیئے۔

حیاتِ مصطفیٰؐ

اسباب ووسائل کی فراوانی آپکو اللہ سے غافل نہ کردے۔ ایسی صورت میں زندگی ناکام ہے۔ اللہ پر توکل آپ کو کوشش اور حصولِ اسباب کی جدوجہد سے عاری نہ کردے۔ ایسی صورت میں بھی خسارہ اور ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں وہ زندگی جو عمل وتوکل کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی حیات طیبہ ہے۔ یہ زندگی قیامت تک کیلیئے ہر قوم اور ہر نسل کیلیئے ہر اعتبار سے اسوۂ حسنہ ہے ہی مگر جس مضمون پر ہم غور کر رہے ہیں فی الحال اسی نکتہ کو سامنے رکھ کر حیاتِ مبارکہ کے اسی

Marfat.com

پہلو پر مختصراً بات کرینگے۔"

رسولِ کریمؐ کی ایک منفرد عظمت دیگر تمام جلیل القدر رسولوں کے مقابلے میں یہ ہے کہ آنجناب کی زندگی معجزات کے بغیر کوشش و کاوش اور توکل علی اللہ کا انتہائی ایمان افروز نمونہ ہے۔"بشراً مثلکم"، کا مکمل مظہر۔ ایسی ماورائے فطرت کوئی بات جو صرف انبیاء سے مخصوص ہو جیسے معجزات آپکی زندگی میں نظر نہیں آتے۔ نصرتِ الٰہی ہمہ وقت اور ہر قدم پر ہو رہی ہے مگر انسانی ادراک میں اس نصرت کا علم خود اللہ کے بتا دینے پر ہوتا ہے۔ وہ انسانی حواس سے ماوراء ہے۔ جنگِ بدر میں جہاں ارشاد ہے کہ وہ کنکریاں آپ نہیں بلکہ ہم پھینک رہے تھے وہیں مسلمانوں سے ارشاد ہوا کہ کفار کو تم نہیں ہم قتل کر رہے تھے۔ گویا وہ نصرت خلوصِ نیت و عمل سے ہمیشہ مومن کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ہجرت کے بعد کا زمانہ غریب الایاری، عزت، مالی، اور اسباب و وسائل کے بحران کا زمانہ ہے۔ مگر آپؐ ہر دستیاب ہتھیار کو صیقل کر کے، ہر صحت مند مومن کو ہمراہ لیکر ایک قلیل جماعت اور ناکافی میسر ہتھیاروں اور وسائل کے ساتھ ایک عزمِ صمیم سے میدانِ بدر میں اترتے ہیں۔ صفیں درست فرماتے ہیں جنگی حکمت عملی تعلیم فرماتے ہیں اور پھر بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز اور دست بدعا ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی نصرت شامل حال ہوتی ہے۔ اسطرح کے بارش ہو جاتی ہے پانی کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔ ریت سخت ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں پر اونگ طاری ہو کر انہیں تازہ دم کر دیتی ہے، دشمن کی نظر میں جمیعت مومن کثیر ہے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ مومن کیلئے دشمن انکی نظر میں حقیر کر دئے جاتے ہیں۔ یہ سب ان فرشتوں کے توسل سے ہوا جنکی تعداد ہزاروں میں ہے۔

رسول کریمؐ کوئی ممکن اور دستیاب سبب اور وسیلہ ترک نہیں فرماتے مگر انحصار صرف نصرتِ ایزدی پر ہے کوشش اور توکل کا بھرپور اور قابلِ رشک و قابلِ پیروی نمونہ یہ سیرتِ نبوی ہے۔ تمام عمر نہ کوئی سبب اور وسیلہ ترک کیا نہ کبھی صرف سبب و وسیلہ پر انحصار فرمایا۔ انحصار صرف اللہ کی ذاتِ اقدس پر کیا۔ اللہ کا بھی یہی حکم تھا کہ سواریوں کو اور ہتھیاروں کو تیار کر کے اللہ پر توکل کرو۔ یہی مومن کی خصوصیت ہے۔ یہ اسوۂ رسولؐ ہے۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کو اپنی کثرتِ تعداد (24000 افراد) پر غرہ محسوس ہوا۔ کامیابی

حاصل نہ ہو سکی۔ اللہ نے اصلاح فرمائی۔ توکل علی اللہ کا سبق دلادیا۔ قلیل تعداد اور بے بضاعتی میں جو اللہ نے نصرت فرمائی تھی وہ یاد دلائی۔

اس طرح رسولِ کریمؐ کی حیاتِ طیبہ بھرپور کوشش، حصولِ اسباب وسائل اور توکل علی اللہ کا شاندار اسوۂ ہے۔

حضرت علامہ نے کیا خوب فرمایا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت سے نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اللہ کے قوانینِ طبعی، کا ہر ذرہِ کائنات پابند ہے۔ خواہی نہ خواہی وہ قانون ہمہ وقت کارفرما ہے۔

اللہ کی دی ہوئی ہر صلاحیت کا اسکی ہدایتِ قرآنی اور اسوۂ رسول کے مطابق استعمال ہماری ذمہ داری ہے اور اسکے لئے ہم دنیا و آخرت میں اللہ کو جواب دہ ہیں۔ یہی عمل جنت و دوزخ کا فیصلہ کریگا۔ لھٰذا التقدیر کا فاسخ عقیدہ صحیح عمل سے منحرف نہ کرنے پائے۔

ہمارے خالق نے ہمیں بہت سی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اپنی ان صلاحیتوں کا ادراک ہمیں جدوجہد اور کوشش کے دوران ہوتا ہے۔ ان صلاحیتوں کا حسبِ ہدایت وسلامتی فکر کے ساتھ استعمال ہمارا کام ہے۔ بغیر درست کوشش کچھ بھی ممکن نہیں۔ ان کوششوں کی کامیابی اللہ کے فضل پر منحصر ہے۔ لھٰذا انسانی کوشش اور اللہ کے فیصلہ کا نام تقدیرِ انسانی ہے۔ اللہ پر توکل آپکو کوشش سے لاپرواہ نہ کردے اور کوشش آپکو اللہ پر توکل سے محروم نہ کردے۔ اگر آپ نے ہر دو جہات کو مضبوطی سے گرفت میں لینا سکھ لیا تو میں آپ کو خوش قسمتی کی بشارت دیتا ہوں۔

(اللہ غفور الرحیم ہے)

Marfat.com

عورت

کا

قرآنی مقام

Marfat.com

مضمون کی اہمیت

تاریخ کے مطالعہ اور اقوام عالم کی بابت مشاہدہ سے ایک بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ جس معاشرہ میں انصاف نہیں رہتا وہ معاشرہ امن سے محروم اور بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے جو آخر کار قوموں کو یا تو تباہ و برباد کر دیتا ہے یا کسی دیگر قوم کا محکوم بنا دیتا ہے یا خود اس معاشرہ میں ایسا انقلاب برپا ہوتا ہے کہ ناانصافی کے ذمہ دار عناصر کو ذلیل و خوار کر کے بالکل بے دست و پا کر دیتا ہے۔ انصاف یا ناانصافی کے چند بہت اہم شعبے ہیں گو اسکی اہمیت نازک ترین احساسات اور انفرادی طور پر ایک بچے تک بھی کم نہیں ہوتی وہ اہم شعبے ہیں۔

1: معاشی انصاف۔ 2: معاشرتی انصاف اور 3: عدالتی انصاف۔

ان ہر سہ شعبہ جات کی ایک طویل ذیلی شعبہ جاتی تقسیم بھی کی جاسکتی ہے ہر شعبہ کا حال ہمارے ملک میں زبوں سے زبوں تر ہے۔ مگر فی الحال یہ سب یا انکی ذیلی تفصیلات موضوع فکر نہیں ہیں۔ فی الوقت وہ ظلم و ناانصافی جو صدیوں سے اسلام کے نام پر روا رکھی جا رہی ہے اس پر غور کرنا ہے۔ موجودہ موضوع گفتگو صرف معاشرتی ناانصافی کا شکار معاشرہ کا وہ تقریباً نصف حصہ ہے جو خواتین پر مشتمل ہے۔ مسلم معاشرہ کا یہ حصہ یعنی خواتین اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب نبی ﷺ نے انصاف اور فطرت کے مطابق جو انکی حیثیت کا تعین زندگی کے ہر شعبہ میں فرمایا ہوا ہے اس سے لاعلم ہیں۔ اور بجز حق وراثت کسی دیگر شعبہ زندگی میں خواتین کی حیثیت کے واضح تصور سے محروم ہیں۔ حالات کی کشمکش اور خاندانوں کے طور طریقوں نے جو انہیں دیا وہ عورتوں کو کبھی بخوشی اور اکثر جبراً قبول کرنا پڑا۔ معاشرہ تقریباً ہمیشہ ہی اور ہر جگہ ہی مرد کے اقتدار اور اختیار میں (MALE DOMINATED) رہا اور مردوں نے دانستہ یا غیر شعوری طور پر عورت کی حیثیت کم اور طفیلی رکھی۔ انہیں اللہ کے عطاء کردہ حقوق و حیثیت سے محروم کیا گیا اور ان قواعد و ضوابط کا پابند کر کے مزید کمزور کر دیا گیا جو اللہ اور رسول ﷺ کے مقصد کے بالکل خلاف تھے۔ ہر تشریح و توضیح و تفسیر اس طرح کی گئی کہ وہ عورتوں کے حق کی حفاظت کے بجائے مرد کے جبر میں اضافہ کا سبب بن گئی۔ اور عورتوں نے اکثر و بیشتر اس جبر کو مقدر جانا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اسی میں ہے۔ اس قربانی کی نیت کے نتیجہ میں وہ انشاء اللہ ماجور ہونگی مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ

Marfat.com

نے خواتین پر کوئی ناروا پابندی یا جبر نہیں فرمایا۔ ان کی فطرت اور صلاحیت کے مطابق معاشرتی اور عائلی حیثیت متعین فرمائی۔ انکے حقوق قائم فرمائے مگر آہستہ آہستہ اللہ کے نام پر انہیں بہت سی آزادیوں سے محروم کر دیا گیا اُن پر ناروا پابندیاں عائد کر دی گئیں اور عملاً انہیں کنیزوں اور لونڈیوں کے درجہ تک پست کر دیا گیا۔

دوسری طرف مغرب سے متاثر ایک طبقہ نے خواتین کو بے محابا آزادیاں دیں۔ فحاشی، عریانی اور کم لباسی کی حد تک خواتین کی بے باکی کو ترقی پسندی کا نام دیا گیا اور معاشرتی اور عائلی سکون کو درہم برہم کر کے رکھ دیا گیا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی لازمی ہو گئی کہ خالق نے مرد و عورت کی جو حیثیت انسانی معاشرہ میں متعین فرمائی ہے اس پر تحقیق کی جائے اور صحیح صورت حال سامنے لا کر ہر دو کے حقوق و فرائض کو واضح کیا جائے تا کہ معاشرہ میں منصفانہ فطری توازن قائم ہو اور ہر فرد کو سکون و طمانیت کا احساس ہو۔

انصاف کا بنیادی تصور یہ ہے کہ:۔

1:۔ انسانی بہبود پر مبنی قوانین موجود ہوں۔ جو مرد و زن، بچوں، معذوروں، بیماروں، ضعیفوں، غریبوں وغیرہ کی انفرادی اور اجتماعی بہبود کا مقصد پورا کرتے ہوں۔

2:۔ قانون کی مکمل اور بلا استثناء بالادستی ہو۔

3:۔ نفاذِ قانون اس قدر یقینی اور دیانتدارانہ ہو کہ ہر کمزور اور بے گناہ خوف و خطر سے آزاد اور مطمئن ہو اور ہر غلط کار خوف زدہ اور ہراساں محسوس کرے کہ اسکی گرفت یقینی ہے۔ کمزور طاقتور کے ہاتھوں استحصال کا شکار نہ ہو۔ عورتوں اور بچوں کے تحفظ کو اولیت حاصل ہو۔ کم وسیلہ غریب کی جان و مال اور عزت باوسیلہ، خوش حال اور بااختیار لوگوں کے جان و مال اور عزت کی طرح محترم گردانی جائے۔

طاقتور اور کمزور کے ضمن میں سب سے پہلے معاشرہ کی بنیادی اکائی یعنی مرد و عورت کا نمبر آتا ہے۔ ہر دو کے فرائض اور حقوق کا تعین ہر مہذب معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہے۔ اسلام جو کہ ایک دین فطرت ہے ۔ جسکی اساس اللہ کے وضع کردہ قوانین ہیں اور وضاحت رسول کریم کی سنت ہے اس اہم پہلو کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا اور نہ ہی کیا ہے۔

موجودہ مضمون میں اسی معاشرتی پہلو کا قرآن حکیم کی روشنی میں جائزہ لیا ہے اور سنت نبوی ﷺ سے اسکی تائید و وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض غلط روایات دوسرے

مذاہب سے مسلمانوں میں رواج پا گئیں جنکا ازالہ ضروری ہے۔ ابتداء آفرینش سے سے آج تک مرد کی ناروا فوقیت یا عورتوں کی غیر فطری برابری کے تصورات کو اللہ کے احکام کی روشنی میں دیکھیں گے تو ہر دو میں واضح طور پر مُروج اِفراط و تفریط نظر آئیگی۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مرد و عورت کا رشتہ صرف زن و شوہر ہی کا نہیں بلکہ باپ بیٹی، ماں بیٹا، بہن بھائی، خسر اور بہو، ساس اور داماد کے رشتوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ قرآنِ کریم نے ان تمام رشتوں کو ملحوظ رکھ کر احکام صادر فرمائے ہیں۔ گو اس بنیادی اکائی کا زیادہ ذکر ہے جو خاوند اور بیوی پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

عورت کی حیثیت

(ایک تقابلی جائزہ)

یوں تو تمام انبیاء علیہم السلام کا مذہب اسلام ہی تھا مگر اس نام سے جو مذہب آج جانا پہچانا جاتا ہے وہ حضرت محمد کا دین مکمل ہے۔

اصل موضوع پر گفتگو سے پہلے ایک سرسری جائزہ اس بات کا لینا ہے کہ دیگر مذاہب کے حاملین اور دیگر معاشروں نے عورت کو کونسا مقام دیا اور اس کی انسانی اور معاشرتی حیثیت کا تعین کیسے کیا اور ان کے مقابلے میں شریعت محمد مصطفیٰ میں عورت پر کون کون سے انعامات فرمائے اور اسے کیا مقام عطا فرمایا۔ یہ بھی ملاحظہ کریں کہ حاملین مذہب اسلام نے عورت کو اللہ اور رسول کے عطا کردہ مقام سے کس کس طرح محروم کیا یا محروم کرنے کی کوشش کی۔ اس تقابلی جائزہ کیلئے ضمنی موضوعات اختیار کئے ہیں تاکہ زیادہ وضاحت سے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جاسکے۔ یہ ضمنی موضوعات ہیں۔

عورت بطور انسان، تعدد ازواج، نکاح و طلاق، عورت بطور ماں، بہن، بیٹی اور بیوی اور عورت کی معاشرتی آزادی۔

ہمیں تاریخ کا علم پانچ ہزار سال سے زیادہ کا نہیں ہے۔ اس معلوم تاریخ کا بھی ابتدائی حصہ خاصا مبہم ہے اور غیر مفصل ہے جو علم ہم تک پہنچا وہ بھی ان مشہور تہذیبوں کے متعلق ہے جنہوں نے اقوام عالم میں اپنا لوہا منوایا اور اپنی تہذیب کے کچھ واضح نشانات چھوڑ گئے۔ بعد کی تاریخ واضح بھی ہے اور ان کا ریکاڈ بھی محفوظ ہے۔ وہ قومیں میڈین، فونیشین، ایران، بابل، اسیریا، ایتھنز، یونان، روم، مصر، چین، کوریا اور آریا ہیں یا پھر وہ عالمی مذاہب ہیں جن کی قومی اور مذہبی تاریخ محفوظ رہ گئی جیسے ہندو مذہب، یہودی، عیسائی اور مسلمان ہیں۔ لہٰذا درج ذیل معروضات مورخین کے اخذ کردہ نتائج پر مبنی ہیں۔

عورت بطور انسان

تاریخ کے تقریباً ہر دور میں عورت کی حیثیت پالتو جانور سے زیادہ نہیں تھی۔ باپ کیلئے

Marfat.com

لڑکی گھر کی خادمہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ باپ یا بھائی لڑکی کو فروخت کرنے، عطیہ کے طور پر دینے یا قتل کر دینے کا مکمل اختیار رکھتا تھا۔

اتھینئن (Athenion) جو کہ اپنی ہم عصر قوموں میں سب سے زیادہ مہذب سمجھے جاتے تھے ان میں بیوی، لڑکی یا بہن اور ماں وراثت کے مال کے طور پر تقسیم ہوتی تھیں خرید و فروخت کی جا سکتی تھیں۔

ہندوؤں میں ناری (عورت) کا تصور ایک برائی کی علامت تھا۔ اس سے بچنا تقدس کی نشانی تھی۔ بتوں کے نام پر کنواری کنیائیں قربان کی جاتی تھیں۔ خاوند کی موت پر انہیں لازمی طور پر زندہ جلا دیا جاتا تھا جسے ستی ہونا کہا جاتا تھا۔ یہ دستور انیسویں صدی عیسوی میں انگریز حکمرانوں نے جبراً بند کرایا۔ برہم چاری (عورت سے تمام عمر علیحدہ رہنے والے کو) عزت کا مقام اب بھی دیا جاتا ہے۔ مرد کو سورگ (جنت) سے نکلوانے کا ذمہ دار عورت ٹھہرایا جاتا تھا۔

یہی حال عرب، خصوصاً قریش میں تھا۔ لڑکی کو زندہ دفنا دیا جاتا تھا جسے قرآن حکیم نے بطور گناہ کبیرہ بند فرمایا۔

عیسائی دنیا میں ایک پادری کے بعد دوسری نے لگاتار عورت کو ایک بد فطرت حصۂ معاشرت، ناقابل اعتبار اور ایک ناگزیر بدی سے تعبیر کیا۔ چرچ کے پادری کیلئے (Celebacy) تجرد کا عہد کرنا ہوتا تھا اور اب بھی ہے۔ قدیم چرچ (Orthodox Church) نے عورتوں کو تمام مذہبی رسوم سے خارج کیا ہوا تھا۔ وہ میلوں، دعوتوں اور دیگر تقاریب میں شریک نہ ہو سکتی تھیں۔ باہر نکلنے کی صورت میں سر سے پاؤں تک ملفوف لباس پہننا لازم تھا۔ گویا انسانی معاشرہ سے قطعاً کاٹ دیا گیا تھا۔

آج کے عیسائی معاشرے میں عورت کو لائق تعظیم خیال کیا جاتا ہے اور ظاہری طور پر یہ عزت دی بھی جاتی ہے۔ انہیں مردوں سے زیادہ توقیر ملتی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے اصول شائستگی Code of etiquett میں عورت کی عزت بنیادی اصول ہے۔ مگر ان کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ ماضی قریب میں انگلینڈ جیسے ملک میں بھی ایک شادی شدہ عورت کا خاوند سے علیحدہ کوئی حق نہ تھا۔

فرانس میں 1950ء تک ایک شادی شدہ عورت کو تنہا اپنا پاسپورٹ جاری نہیں کیا جا

Marfat.com

سکتا تھا نہ ہی وہ اپنے نام پر بنک میں اکاؤنٹ کھلوا سکتی تھی۔ حق رائے دہی بھی فرانس میں عورتوں کو 1951ء میں دیا گیا۔ یہ حال ان معاشروں کا ہے جو عورتوں کی برابری کا ڈنکا پیٹ رہے ہیں۔

سینٹ پال نے عورتوں کو گھر کا مفید نوکر قرار دیا۔ سینٹ تھامسن کے مطابق عورت بد ذات اور گناہوں کی جڑ ہے اور عقل اور روح سے عاری مخلوق ہے۔

تعددِ ازدواج

ہر قوم کے تہذیبی ارتقامیں قبائلی جنگیں، خانہ جنگی یا مذہبی جنگوں میں ہمیشہ مرد زیادہ کام آتے رہے اور عورتوں کی تعدادِ مردوں کے مقابلہ میں بڑھتی رہی لہٰذا معاشی امداد اور معاشرتی تحفظ کیلئے تعددِ ازدواج یعنی مردوں کی ایک سے زائد بیویاں ہونا اس مسئلہ کا واحد حل تھا اور یہ بہت ضروری تھا۔ گو سرداروں، راجاؤں اور بادشاہوں کے وسیع اختیارات اور وسائل کی بہتات نے اس ضرورت کو عیاشی کا وسیلہ بنادیا۔

تعددِ ازدواج کا رواج مشرق کی ہر قوم میں ہمیشہ رہا۔ ہندوؤں میں آج بھی برہمن کو لاتعداد شادیاں کرنے کا حق حاصل ہے۔ بنو اسرائیل میں فلسطینی تالمود (مقدس کتاب) میں یہ تعداد چار تک محدود رکھنے کا حکم تھا مگر اس کی پابندی شاذ ہی ہوئی۔ حضرت داؤدؑ نے لاتعداد شادیاں کیں جس سے ان کے دور کا رواج ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا اس ضمن میں کوئی واضح حکم موجود نہیں۔ تھریسین اور لیڈین اقوام نے جو مغربی ایشیا اور یورپ میں آباد تھیں تعددِ ازواج انتہا کو پہنچادی۔

روم میں گو شادی پر پابندی رہی مگر ان کے یہاں داشتاؤں کے رواج کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔

بادشاہ ویلنٹین Valentine نے ایک سے زیادہ شادی کو قانوناً جائز قرار دیا اور چرچ نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ عرب اور حجاز کے یہودی اور مشرکین میں تعددِ ازدواج عام تھا۔ وہ مشروط شادیاں بھی کرتے اور عارضی متاع بھی۔

Marfat.com

طلاق

ہر قوم اور ہر مذہب میں تاریخ کے ہر دور میں مردوں کو طلاق کا حق غیر مشروط طور پر حاصل رہا۔ عورت کو کسی طور طلاق کا حق نہیں تھا۔ طلاق پر مرد وہ تمام آسائشیں جو اس نے بیوی کو فراہم کی ہوتیں واپس لے لیتا تھا جس طرح شادی میں عورت کی رضا یا عدم رضا بے معنی تھی۔ اسی طرح طلاق پر اس کا کوئی اختیار نہ تھا۔ ابتدا میں تو طلاق کا تصور ہی نہ تھا بلکہ بیوی کو فروخت کر دیا جاتا یا کسی کو ہدیہ میں دے دی جاتی تھی۔

اسلام اور عورت

مندرجہ بالا حالات کے تقابل میں اب اسلام کی عنایات ملاحظہ ہوں۔ یہاں صرف مختصر طور پر ذکر ہے۔ مفصل بیان اصل مضمون کا موضوع ہے۔

1:۔ انسانی اعتبار سے مرد و عورت کو یکساں قرار دیا۔ دونوں کو ایک نفسِ واحد سے پیدا کیا گیا۔ دونوں کو ایک دوسرے کا لباس فرمایا گیا۔ ہر دو کے حقوق یکساں مگر مرد کا ایک درجہ زیادہ قرار دیا گیا۔ ہر مرد و عورت کو اپنے اپنے اعمال کا خود ذمہ دار بتایا گیا۔ لڑکی کا دفن کر دینا گناہ عظیم ہے۔

2:۔ عورت کو زندگی کی اکثر جہات میں خود مختاری عطا ہوئی۔ اسے وراثت کا حقدار قرار دیا گیا۔ اس کی اپنی ملکیت چاہے وراثت سے ملی ہو یا خود اس نے کمائی ہو وہ اس کی بلا شریک مالک ہے اور اپنی مرضی سے فروخت یا ہبہ کر سکتی ہے۔ عورت اپنے نام سے دعویٰ دائر کر سکتی ہے اور اجراء ڈگری کرا سکتی ہے۔

3:۔ تعدد ازواج کو لا محدود سے چار تک محدود کر دیا گیا۔ وہ بھی مشروط بہ عدل کر دیا گیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ عدل کرنا مشکل ہے لہٰذا ایک بیوی پر اکتفا بہتر ہے۔

گو معاشرتی ضرورت کے طور پر ایک سے زیادہ نکاح چار تک جائز ہیں مگر ہمت شکنی کے ساتھ اجازت دے گئی۔

4:۔ نکاح کیلئے ایک بالغ عورت کی رضا مندی لازمی ہے۔ نابالغی کے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار بھی خیار البلوغ کے طور پر دے دیا گیا تمام شادی کے ہدایا وہ والدین دیں یا خاوند اور اس

کے رشتہ دار عورت کی ملکیت قرار دی گئی۔

طلاق دینے کے مرد کے اختیار کو 3 طہر تک مشروط کر دیا گیا۔ گو اس خداوندی شرط کو طلاقِ بدعت (بیک وقت تین بار طلاق) کی ایجاد سے سخت مجروح کیا گیا اور منشاء ربی کو شکست دے دی گئی۔

رسولِ کریم نے مشروط نکاح ممنوع قرار دیئے۔ عارضی شادیاں (متاع) سال 3 ہجری میں ممنوع قرار دیئے گئے۔ یہ بات سپرٹ آف اسلام (The sprit of islam) امیر علی کے صفحہ 229 پر بعد تحقیق لکھی گئی ہے۔ سوتیلی ماؤں سے نکاح عام تھا۔ قرآن حکیم نے اسے ممنوع قرار دیا۔ طلاق لینے' حقِ تفویض طلاق' خلع لینے' نظرانداز کئے جانے کے خلاف احتجاج کرنے اور طلاق لینے کا حق عورت کو بھی دے دیا گیا۔

معاشرہ سے عورت کی علیحدگی

اسلام کے کسی قانون نے عورتوں کو معاشرے سے علیحدہ (SECLUDE) نہیں کیا۔ نماز باجماعت' روزانہ نمازوں سے عیدین کی نمازوں تک میں باقاعدہ شرکت کر سکتی ہے۔ اپنا کاروبار کر سکتی ہے۔ ملازمت کر سکتی ہے۔

پردہ کا رواج خالصتاً غیر اسلامی اقوام سے مسلمانوں میں در آیا۔ اللہ کی دی ہوئی یکساں سہولتوں سے پردہ کے نام پر عورتوں کو محروم کر دیا گیا۔ اللہ نے صرف سر و سینہ ڈھانپنا اور عام طور پر کھلے حصۂ بدن کے علاوہ دیگر آرائشی زیوروں کی نمائش سے منع فرمایا۔ زیور کی دانستہ آواز پیدا کرنا منع فرمایا۔

اسلام نے عورت پر صرف شائستگی عائد کی تھی۔ اسے ایک مجبور، محجوب اور معاشرہ سے علیحدہ عنصر بنانے کی ذمہ داری ہماری جہالت اور عورت کو دبا کر رکھنے کی خواہش کا نتیجہ ہے۔ اسلام کا کوئی قصور نہیں۔

عورت کی تکریم:

رسول کریم نے عورت کی تکریم کو خاندانی اور معاشرتی طور پر حکماً اور عملاً لازم فرمادیا۔

حضرت فاطمتہ الزہرا کی تعظیم باپ ہونے کے باوجود فرمائی۔

حضرت عائشہ کے متعلق ارشاد ہوا کہ نصف علم اس حمیرہ سے حاصل کرو۔

Marfat.com

حضرت زینب بنت علیؑ کی عظمت حضرت سکینہ بنت حضرت حسینؑ کا مشہورِ عام تقدس۔ حضرت رابعہ بصریہ اور ان کی طرح دیگر عظیم دختران اسلام کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

اسلام کی ابتدائی چند صدیوں تک عورتوں نے عظیم مقامات حاصل کیے۔ زبیدہ زوجہ ہارون الرشید، خیسران زوجہ ہادی خلیفہ عباسی، توزان زوجہ خلیفہ مامون، ام الفضل دختر خلیفہ ہارون و زوجہ امام رضاؑ، ام الحبیبت دختر خلیفہ مامون، اپنی علمی شہرت اس لئے رکھتی ہیں کہ انہیں آزاد فضا میں تحصیلِ علم اور ترویجِ علم کے مواقع ملے۔

ذات الھیما المعروف بہ خیما (شیر دل) عظیم سپہ سالار بنی۔ کامیاب جنگیں کیں۔ حضرت زینب بنت علیؑ نے دربار یزید میں جو فصیح و بلیغ تقریر فرمائی وہ اتفاقیہ حادثاتی تقریر نہیں تھی بلکہ اظہارِ خیال کے عام اسلامی رویوں کا نتیجہ تھی۔

اسلام کی عظمتوں میں چادر اور چار دیواری کے تقدس کو ہر حال میں محفوظ فرمایا گیا مگر عورتوں پر ناروا قدغن کبھی نہیں لگائی گئی۔

اس مختصر تقابلی جائزہ سے اسلام کے وہ انعامات جو عورتوں پر بطورِ خاص ہوئے آج تک اسلام کیلئے باعث امتیاز ہیں۔ مگر ساتھ ہی وہ غیر فطری برابری جس کی آج کی عورت شاید طویل محرومیوں کے ردِ عمل کے طور پر مطالبہ کرتی ہے اسلام اس کی بھی تائید نہیں کرتا۔ اس لئے اسلام ہر اعتبار سے دینِ فطرت ہے۔

عورت رشتوں کے آئینہ میں

اللہ نے اپنے بعد زندہ معاشرے میں والدین کا مقام اور خصوصیت سے ماں کا مقام سب سے بلند قرار دیا۔ بیٹی کی حیثیت سے تحفظ دیا اور لائقِ شفقت واحترام بتایا۔ بہن کی حیثیت سے اس کی تکریم اور حقوق بتائے۔ بیوی کی حیثیت سے حسنِ سلوک کا حکم فرمایا اور اس کے حقوق کا تحفظ فرمایا۔ سوتیلی ماں اور بہن کا تقدس قائم فرمایا۔ بیوی کے محرمات کو محترم مقام عطا فرمایا۔ غرضیکہ عورت کے ہر رشتہ کو لائقِ تکریم، لائقِ شفقت بنایا۔

اللہ اور رسول کے احکام کی روح اور روشنی کا اتباع کریں تو افراط و تفریط سے پاک معاشرہ بن سکتا ہے جو ہر ایک فرد کیلئے لائق طمانیت ہو گا۔

Marfat.com

قرآن اور عورت کی انسانی حیثیت

اس ضمن میں سورۃ النساء نمبر 4 کی آیت نمبر 1 کی تلاوت فرمائیں۔ ارشاد ہے :

یَاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً کَثِیْرًا وَّنِسَآءً .

ترجمہ : لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اسی ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلادیں۔

یہاں یہ بات واضح فرمادی کہ ابتداءً صرف ایک ذی روح پتلا یعنی آدم کو تخلیق کیا گیا۔ اس پتلے میں مرد و زن دونوں موجود تھے۔ دونوں کو بصورت آدم علم الاسماء عطا ہوا۔ دونوں کی فوقیت ملائکہ پر ثابت فرمائی گئی۔ اس کے بعد اس ذی روح پتلے سے زنانہ عنصر (جوڑا) علیحدہ کردیا گیا۔

لہٰذا تخلیقی اعتبار سے ہر دو مرد و زن یکساں فضیلتوں کے حامل تھے۔ ہر اعزاز میں دونوں شریک تھے۔

اس ضمن کی دوسری آیت سورۃ الانعام نمبر 6 کی آیت نمبر 98 بھی تلاوت فرمالیں۔

مزید حوالہ کے لئے سورۃ حجرات 49 آیت نمبر 13 ہے۔ خلافت اللہ علی الارض کا شرف ہر دو کو یکساں حاصل تھا۔ آدم و حوا دونوں کو حکم ملا کہ شجرِ ممنوعہ سے دور رہیں۔ ورنہ خسارہ میں پڑ جائیں گے۔

ملاحظہ ہو :

وَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَکُلَا مِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ o (البقرۃ سورۃ نمبر 2 آیت نمبر 35)

ترجمہ : اور ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں جو چاہو بفراغت کھاؤ مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دون ظالموں میں شمار ہو گے۔

یہی مضمون آیت نمبر 19 سورۃ الاعراف نمبر 7 میں بھی ہے۔

جنت سے نکالے جانے کی وجہ عورت نہ تھی

شاید ہندوؤں سے ہم نے یہ کہانی اختیار کرلی کہ حضرت حوا کی ترغیب پر حضرت آدم نے شجر ممنوعہ کھالیا تھا۔ یہ کہانی چونکہ عورت کی تخفیف و تحقیر کا جواز بن سکتی تھی۔ لہذا بلا تحقیق اسے قبول کرلیا گیا حالانکہ حقیقت میں یہ بات محض من گھڑت اور جھوٹ ہے۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ان دونوں کو شیطان نے بہکا دیا تھا اور اس لغزش کا ذمہ دار نہ تنہا مرد تھا نہ عورت۔ ملاحظہ ہو

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۝

آیت نمبر 36 سورۃ البقرہ نمبر 2

ترجمہ:۔ پس ان دونوں کو شیطان نے بہکا دیا اور ان دونوں کو وہاں سے نکلوا دیا جہاں وہ تھے (یعنی جنت)

یہی مضمون آیت نمبر 20 سورہ الاعراف میں آیا ہے۔ پھر ارشاد ہوا:۔

فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْءٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

آیات نمبر 21 تا 23 سورہ الاعراف نمبر 7

ترجمہ:۔ (شیطان) اس طرح دھوکہ دیکر ان دونوں کو اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب ان دونوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو انکے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسم جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے تب انکے رب نے انہیں پکارا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے نہ روکا تھا۔ اور نہ کہا تھا کہ شیطن تمہارا کھلا دشمن ہے تو وہ دونوں پکار اٹھے اے ہمارے رب ہم نے خود پر ظلم کیا اب اگر تو نے در گزر نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً تباہ ہو جائینگے۔

ان ہر دو آیات سے ثابت ہے کہ حکم بابت شجر ممنوعہ دونوں کو دیا گیا۔ دونوں کو شیطن نے بہکایا۔ دونوں سے لغزش ہوئی پھر دونوں نے توبہ بھی کی اور توبہ کی قبولیت میں بھی آدم

Marfat.com

وحوا دونوں شریک تھے۔ ملاحظہ ہو آیت نمبر95 سورۃ آل عمران نمبر3

ماحصل یہ ہے کہ آدم وحوا میں سے کسی ایک کو ان واقعات کیلئے نہ مورد الزام گردانا جا سکتاہے۔ نہ ہی باعثِ فضیلت 'لہٰذا ایک بے سنداور جھوٹی کہانی بنا کر جنسِ عورت کی تخفیف یا تحقیر کرنا جہالتِ محض ہے اور قطعاً بلاجواز ہے۔

اس ضمن میں جتنی آیات ہیں وہ سب واضح طور پر عورت اور مرد کو ہر نیک کام کے اجرا اور برے کام کے زجر کا ذمہ دار انفرادی طور پر گردانتی ہیں۔ ثواب وگناہ حسبِ عمل ہر دو کو ہوگا۔ کوئی تفریق اس نے کہیں فرمائی ہی نہیں۔ مزید استفادہ کیلئے ملاحظہ ہو۔

(آیت / سورۃ 35/33+72/9+6/48+195/3+32/4+124/4+97/16+

عورت کے حقوق

حقِ وراثت:۔

یہ علم سبکو ہے کہ وراثت میں عورت کا حصہ ہر حیثیت سے مقرر شدہ ہے۔ ماں' بیوہ' بیٹی' بھائیوں کے ساتھ بہنیں بھی۔ علم الفرائض بہت وسیع علم ہے۔ موضوع کی مناسبت سے یہ کہنا کافی ہے کہ حقِ وراثت میں عورت ہر صورت شریک ہے اور شاید اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے شریعتِ محمدی کے ذریعہ یہ حق عورتوں کو واضح اور یقینی طور پر عطاء کیا ملاحظہ کریں آیات نمبر 7 تا نمبر 11 سورۃ النساء نمبر 4:

حقِ ملکیت

اسلام سے پہلے بیشتر معاشروں میں عورت کو حقِ ملکیت بھی حاصل نہ تھا۔ اسکی ہر چیز پر باپ' بھائی یا شوہر کو حقِ ملکیت حاصل تھا۔ اس عظیم محرومی کو اسلام نے کماحقہ دور فرمادیا۔ عورت جس طرح وراثت کی مالک وحقدار بنائی گئی اس سے حقِ ملکیت بھی تسلیم ہو گیا۔ اسکے حصہ کی جائیداد صرف وہی فروخت یا کسی دیگر طریقوں سے منتقل کر سکتی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ واضح ارشاد فرمادیا گیا۔

یایہا الذین آمنو الایحل لکم ان ترثوا النسا کرھاO

آیت نمبر 19 سورۃ النساء نمبر 4 جزو

Marfat.com

ترجمہ:۔ اے ایمان لانے والوں تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔

یہ حقِ ملکیت عورت کی ہر حیثیت (ماں ٗ بہن ٗ بیٹی) میں حاصل ہے اور محترم ہے۔

حقِ مہر و تحائف و عطایا۔

عورت کو حقِ ملکیت صرف وراثت کے مال پر ہی نہیں بلکہ حقِ مہر اور وہ تمام ہدایا و عطایا ہیں جو اسے کسی بھی صورت سے ملے ہوں۔ خاوند خود اپنے عطیہ کو واپس نہیں لے سکتا ٗ بصورت طلاق بھی ملاحظہ ہو۔

وَاِن اَرَدتُّمُ استِبدَالَ زَوجٍ مَّکَانَ زَوجٍ وَّءَ اٰتَیتُم اِحدٰھُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَاخُذُوا مِنہُ شَیئًا ؕ اَتَاخُذُونَہٗ بُھتَانًا وَّ اِثمًا مُّبِینًا O

آیت نمبر 20 سورۃ النساء نمبر 4

ترجمہ:۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری لے آنے کا ارادہ بھی کر لو تو خواہ اسے تم نے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو اس میں سے کچھ واپس نہ لینا کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گئے؟

یہ بہتان والی بات اس لئے فرمائی گئی کہ آیت نمبر 19 میں عورت کی کھلی فحاشی کی صورت میں دیا گیا مال واپس لینے کی اجازت دی گئی ہے۔

عورت کو اپنی کمائی کے مال پر وہی حق ملکیت ہے جو ایک مرد کو ہوتا ہے۔ فیصلہ کن ارشاد ملاحظہ ہو۔

وَلَا تَتَمَنَّوا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعضَکُم عَلٰی بَعضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکتَسَبُوا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکتَسَبنَ O وَ سئَلُوا اللّٰہَ مِن فَضلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیمًا O

آیت نمبر 32 سورۃ النسا نمبر 4

ترجمہ:۔ ”اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اسکی تمنا نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا ہے وہ انکا ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے وہ انکا ہے۔“

یہاں عورتوں کی کمائی پر مرد کا استحقاق کالعدم کر دیا گیا جو کہ صدیوں کا معاشرتی رواج تھا۔

Marfat.com

خُلع کا حق۔

میاں بیوی کی علیحدگی اللہ کے نزدیک ایک نہایت ناپسندیدہ مگر جائز فعل ہے۔ اسے جائز رکھنا ایک معاشرتی مجبوری اور ضرورت ہے۔ عورت مرد کے مقابلہ میں جلد جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ طلاق کے عواقب پر اسکی وسعت نظر کم ہوتی ہے۔ اگر اسے غیر مشروط اور براہ راست طلاق کا اختیار ہو تو وہ عواقب پر غور کئے بغیر وقتی اشتعال سے مغلوب ہو کر اس حق کو انتقاماً بھی استعمال کر سکتی ہے۔ اس لئے عورت کو عدالتی توسط کے بغیر عام طور پر طلاق کا حق نہیں دیا گیا۔ مگر اس حق سے کلیتاً محروم بھی نہیں رکھا گیا۔ وہ خلع سے طلاق کی حقدار ہے۔

بعض حالات یا محسوسات کی موجودگی میں خاوند بیوی کی جبری یکجائی ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسے حالات میں ایک یا دوسرے کا قتل بھی ممکن ہے۔ بہر حال شدید کشیدگی میں اللہ کے متعین کردہ اخلاقی ضابطوں کی پاسداری ممکن نہیں رہتی۔ خواتین کو اللہ تعالیٰ نے اس جبری یکجائے سے نجات کا حق بصورتِ خلع دیدیا ہے۔ مگر عورت کی فطری جذبائیت کی کمزوری کے پیش نظر اسے براہ راست طلاق دینے کا حق نہیں دیا بلکہ حقِ خلع بذریعہ عدالت دیا ہے۔

حقِ تفویضِ طلاق۔

نکاح سے قبل یا بعد ایک بے مثل اختیار فریقین کی رضامندی (AGREEMENT) پر اور دیدیا گیا ہے وہ یہ کہ خاوند اپنا' اختیارِ طلاق بیوی کو تفویض کر سکتا ہے۔ اس صورت میں عدالت کے توسط کے بغیر بھی بیوی حقِ طلاق استعمال کر کے اذیت ناک بندھن سے آزاد ہو سکتی ہے۔ حقِ تفویضِ طلاق مشرق ومغرب کی دنیا' چاہے قدیم دور ہو یا حاضرہ' کسی معاشرہ میں [illegible] لو نہ حاصل رہا ہے نہ ہے۔ یہ فضیلت اسلام نے دی ہے۔

میرا مشورہ اس موقع پر لڑکیوں کے والدین کیلئے یہ ہے کہ انجانے خاندانوں میں اگر لڑکیاں بیاہی جائیں تو حقِ طلاق بحق بیوی منفرداً یا کسی دیگر مخلص رشتہ دار کے ساتھ مشترکاً ضرور لکھوالیں۔ ناگزیر حالات میں عدالتوں میں سالہا سال خوار ہوتے رہنے سے محفوظ ہو جائینگے۔

Marfat.com

عورت کی شہادت

یہ مسئلہ کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کی بات فرما کر اللہ نے دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ آئیے غور کریں۔
آیت نمبر 282 سورۃ البقرہ نمبر 2 کے وہ اجزاء جو مضمون سے متعلق ہیں مع ترجمہ تلاوت کریں۔
یَاَیُّھا الذِینَ اٰمنوا اذاتدَاینتم بدین اِلیٰ اجل مُسمیً فاکتبوہ O الخ ——
وَاستَشہِدُوا شہِیدَین مِن رِجَالکم فان لم یَکوْنا رجلین فرجلٌ و امرَاتان مِمَّن تَرضَونَ مِنَ الشُّھَدَاءِ اِن تَضِلَّ اِحدٰ ھُمَا فتذَکِّرَ اِحدٰ ھُمَا الاخریٰ o
"ترجمہ :۔ اے لوگوں جو ایمان لائے ہو جب کسی مقرر مدت کیلئے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے۔"
ان آیات مبارکہ سے چند باتیں بالکل واضح ہیں۔ اول یہ کہ اسکا اطلاق فوجداری شہادت پر نہیں ہوتا۔ قتل، چوری، ڈکیتی مار پیٹ وغیرہ میں اور اسی طرح معاشرتی مسائل جیسے شادی، نکاح، مہر و طلاق وغیرہ پر اس کا اطلاق نہیں۔ اصول شہادت کے مطابق مرد و عورت کی شہادت یکساں ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ صرف مقرر مدت کے لین دین، خصوصاً قرض کے معاملہ میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی شہادت کی ضرورت بتائی گئی۔

تیسرے یہ کہ یہ حکم لازمی نہیں بلکہ مستقبل میں کسی اشتباہ سے تحفظ کا ایک طریقہ ارشاد فرمایا گیا ہے جس میں استثناء بہر حال ممکن ہے۔ صرف ترجیحی طریقہ تجویز کیا گیا ہے۔ اگر ایک مرد بھی میسر نہ ہو تو کیا تحریر کالعدم ہو گی۔

چوتھے یہ کہ قرآن حکیم نے تاریخ انسانی میں شاید پہلی دفعہ عورت کو گواہی کا حق دیا۔ اس سے قبل تمام اقوام عالم اور مذاہب میں...... عورت کی گواہی قابل قبول ہی نہیں تھی۔ یہ اعزاز تھا توہین نہیں کہ عورتوں کی شہادت قانوناً و شرعاً قابل قبول قرار پائی۔ یہ بات شاید تہذیب کے منافی سمجھی جائے مگر محاورتاً شرع (قانون) میں شرم نہیں ہوتی۔ اسلئے عرض

Marfat.com

کیئے دیتا ہوں کہ بات دلیل سے واضح ہو جائے۔ انگریزی زبان میں شہادت کیلئے جو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ وہ روم اور یونان کی قانونی اصطلاح سے فرانس سے ہوتے ہوئے انگلینڈ پہنچے ہمیں دیگر زبانوں کا علم نہیں۔ انگریزی میں شہادت کیلئے لفظ TESTIFY TESTIMONY- اور ATTEST کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ لاطینی زبان سے ماخوذ ہیں۔ غالباً فرانسیسی میں بھی اس قسم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ غور کیجئے تو یہ الفاظ TESTICLE (فوتہ) کو بنیاد بنا کر ایجاد ہوئے ہیں۔ یعنی صرف مرد ہی تصدیق یا شہادت دینے کے لائق سمجھا جاتا تھا۔ عورت کو گواہی کا اہل سب سے پہلے اسلام نے قرار دیا۔ یہ ایک کھلا اعزاز ہے۔ آخری بات یہ کہ مغرب ہو یا مشرق عورت ہر معاشرہ میں خاتون خانہ ہی زیادہ تر ہے۔ اور تیسری دنیا (جو کہ دنیا کا تین چوتھائی حصہ ہے) میں نوے فیصد خواتین ان پڑھ، لین دین کے معاملات سے یکسر ناواقف اور گھریلو ہیں۔ لہذا لین دین کی ہر تفصیل انکے لئے یاد رکھنا ممکن نہیں۔ اس لئے ہر دو کو ایک دوسرے کی بھول چوک کی صورت میں مدد کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ ایک اہم رعایت ہے اعزاز اور انسانی معاشرہ کے ایک اہم حصہ ہونے کا شرف عطاء ہوا ہے۔ اس حکم کو کسی اعتبار سے عورت کی توہین، تحقیر یا تخفیف یا اسکے مقام کیخلاف نہیں کہا یا سمجھا جا سکتا۔ عورت کی فطرت اور اسکے معمول کے ماحول کے عین مطابق ہے۔ غیر معمولی صلاحیت کی عورتیں، تعلیم یافتہ وکیل یا ڈاکٹر وغیرہ خواتین اس اصول سے مستثنیٰ ہیں یہ اصول بھی صرف ترجیحی مشورہ ہے۔

عورتیں بطور حاکم

یہ نکتہ آج بہت اہمیت کا حامل ہے کہ کیا عورت سرکاری یا غیر سرکاری عہدہ پر فائز ہو سکتی ہے۔ کیا وہ اسلامی احکام شرع کے مطابق صدر، وزیر اعظم، فوج، پولیس، سول سروسز اور جوڈیشل (عدلیہ) میں عہدوں پر فائز اور متعین کی جا سکتی ہے۔ عملاً محترمہ فاطمہ جناح، بے نظیر بھٹو، حسینہ واجد اور اندرا گاندھی و محترمہ جسٹس فخر النساء کھوکھر و مسز ناصرہ جاوید وغیرہ نے لیاقت اہلیت اور اعلیٰ عہدوں پر خواتین کی موزونیت ثابت کر دی ہے۔ لہٰذا خواتین کی ذہنی صلاحیت اور مناسبت، اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے کی صلاحیت سے انکار ممکن نہیں۔ اب اس ضمن میں قرآنی جواز بھی ملاحظہ فرمائیں:-

Marfat.com

اللہ کا ارشاد ہے:۔

یَآیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِی الاَمرِ مِنکُم ٥

آیت نمبر 59 سورۃ النساء نمبر 4

ترجمہ:۔ اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور انکی جو تم میں صاحب امر ہوں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اولی الامر منکم میں مردوں کی تخصیص اللہ نے نہیں فرمائی ورنہ ارشاد ہوتا۔ "اولی الامر من الرجالکم" یعنی تم میں مرد صاحب امر کی اطاعت کی جائے مگر یہ نہیں فرمایا گیا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کے زیر سرکردگی ان عساکر کی جو حضرت علی کے مبینہ خروج کی افواہ پر جمع ہوئے تھے سربراہی ایک خاتون نے کی۔ ان میں صحابہ بھی انکی سربراہی پر متفق تھے۔

عورت کی سماجی / عائلی حیثیت

سماجی یا عائلی حیثیت آیات قرآنی میں متعین فرمائی گئی ہے۔ مختلف آیات کی تلاوت و ترجمہ دیکھتے ہیں۔ اس ضمن میں دو ارشادات بہت اہم ہیں یعنی وہ ایک دوسرے کے پردہ پوش ہیں۔

ھُنَّ لِبَاس لَکُم وَ اَنتُم لِبَاسٌ لَّھُنَّ ٥

ترجمہ:۔ وہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم انکے لئے لباس ہو۔

آیت نمبر 187 سورۃ البقرہ نمبر 2

وَلَھُنَّ مِثلُ الَّذِی عَلَیھِنَّ بِالمَعرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیھِنَّ دَرَجَۃ۔

آیت نمبر 228 سورۃ البقرہ نمبر 2

ترجمہ:۔ عورتوں کیلئے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ (زیادہ) ہے۔

یہی آیات مبارکہ مرد و زن کے فرق مراتب و حیثیت کی بالکل واضح عکاسی کرتی ہیں۔ دیگر تمام آیات اس ایک درجہ فوقیت کی وضاحت کرتی ہیں اس خانگی ٹیم میں مرد کو سربراہی حاصل ہے اسی اعتبار سے مرد کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔ اللہ نے خلقی اعتبار سے مرد و زن کی صلاحیتوں میں فرق رکھا ہے۔ مرد کو قوت و طاقت زیادہ دی گئی۔ اس پر معاشی ذمہ داری

Marfat.com

عائد کی گئی عورتوں اور بچوں کے معاشی مسائل اور اخراجات اسکے ذمہ رکھے گئے۔ یہ مرد کا احسان نہیں فرض ہے۔

مگر اس ایک درجہ زیادہ کو ایک مُبَینہ حدیث کے سہارے مجازی خدائی کے درجہ تک پہنچایا گیا اور ہندوؤں کے "پتی پر میشور" کے گمراہ عقیدہ کی عکاسی کرتے ہوئے عورت کو پاؤں کی جوتی ہونے کی حد تک تحقیر کر دی گئی۔ کیا اللہ کے ارشاد میں ایک درجہ زیادہ خاوند کو خدائی کا درجہ عطاء کر سکتا تھا۔ کیا رسول کریم ﷺ کا تعلق نبی ہونے کے باوجود ازواجِ مطہرات کیساتھ خدائی کا تھا یا اس ایک ہی درجہ زیادہ کا مظہر تھا۔ یہ فیصلہ بہت سہل ہے اسلئے کہ ازواجِ مطہرات کی بعض لغزشوں پر رسولِ کریم کے رد عمل اور اللہ کی تنبیہات خود قرآن نے ذکر فرمادی ہوئی ہیں۔

پھر کیا خود خلعے کا حق اس بات کا ثبوت نہیں کہ عورت بھی علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ کیا مجازی خدا صاحب کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجھے اس سے شدید نفرت ہے اور اسطرح ایک مجازی "بندی" کو خلع کی اجازت ہو سکتی تھی۔

وہ مبینہ حدیث اغلباً والدین کے متعلق تھی۔ جس طرح اللہ ایک ہے، والد و والدہ بھی ایک ہی ہوتے ہیں۔ اللہ نے اپنی وحدت کے بعد والدین سے حسنِ سلوک کا حکم فرمایا ہے صرف والدین ہیں جنکی برائی کے بدلہ میں بھی برائی نہیں کی جا سکتی بلکہ حسنِ سلوک فرض ہے۔ چاہے باپ ڈاکو اور ماں طوائف ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا خاوند کو سجدہ والی مبینہ وہ حدیث والدین کے متعلق ہے۔ والدین سے قطع تعلق کسی صورت ممکن نہیں۔ خاوند تو یکے بعد دیگرے کئی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا خاوند کے خداوندی درجہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

مرد کا قوّام ہونا

عائلی اور خانگی مسائل اختلاف رائے کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ہر فرد اپنی رائے پر مصر رہے تو یہ مسائل یا تو کبھی حل نہ ہوں یا پھر بد نظمی اور انتشار کا مسلسل شکار ہو جائے۔ اس خانگی ٹیم کے مرد کو ایک درجہ فوقیت کا حقدار اللہ نے بنایا ہے اور اس ایک درجہ فوقیت کے مواقع بھی واضح فرما دیئے۔ مرد پر معاشی ذمہ داری ہے تو اسے ضروریات فراہم کرنے کیلئے یقیناً تگ و دو کرنا ہوتی ہے جس سے اسکی ذہنی صلاحیت تجربہ اور معاشرتی علم اپنے جوڑے یعنی بیوی سے زیادہ ہونے کے امکانات ہیں۔ عورت فطری طور پر معاشرتی مسائل میں

Marfat.com

برابری کی سطح پر مردوں سے معاملات طے کرنے میں اکثر حجاب محسوس کرتی ہے۔
عورت کی خانگی ذمہ داریاں ہونے اور معاشی ذمہ داریاں نہ ہونے کی وجہ سے اسکا دائرہ عمل زیادہ محدود ہوتا ہے۔ ماہانہ چند ایام میں یا حمل کے دوران یا وضع حمل کے بعد اسکی جسمانی استعداد مجروح اور کمزور ہو جاتی ہے۔ اس فطری اور طبعی عمل کا تقاضا یہ ہے کہ بیرونی ذمہ داریاں اس پر کم ہوں اور عورت کو ایک گونہ تحفظ حاصل ہو۔ شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مرد کو نظم وضبط کا اختیار عطاء فرمایا جس میں دونوں فریق کی بہتری مضمر ہے۔
سورۃ النساء کی آیت نمبر 34 کے پہلے حصے میں ارشاد ہوتا ہے۔
اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ٥

ترجمہ:۔ مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ہر ایک کو الگ الگ صلاحتیں عطا کی ہیں اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔
اس آیت مبارکہ کا درست مفہوم سمجھنے کیلئے 3 الفاظ پر غور کرنا ضرور ہے۔
1 الرجال 2 قوام اور 3 فضیلت

عام تراجم میں رجال سے مطلب خاوند' قوام سے مراد حاکم اور فضیلت سے مرد کی برتوی لیجاتی ہے۔ جو درست نہیں قرانی الفاظ اردو کے مفہوم سے مماثل نہیں۔
الرجال اصطلاحاً خاوند کیلئے بیشتر مقامات پر استعمال ہوا ہے مگر یہاں صرف مرد کے معنی میں ہے جس میں باپ' بھائی اور بیٹا بھی شامل ہیں۔ اس وضاحت کو ذہن میں رکھ کر قوّام اور فضیلت کے مفہوم کو سمجھنا زیادہ سہل ہوگا۔

قوام:۔

مولانا مودودیؒ نے قوام کے لفظ کی جو وضاحت فرمائی وہ قرین عقل اور مفہوم قرآنی کے قریب تر ہے۔ انکے مطابق قوام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارہ کو درست حالت میں رکھنے' چلانے' اسکی حفاظت کرنے اور اسکی ضروریات فراہم کرنے کا ذمہ دار ہو۔
محمد مارماڈیوک پکتھال صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ INCHARGE کے لفظ سے کیا ہے۔
عبد اللہ یوسف علی صاحب نے اپنے انگریزی ترجمہ میں دو الفاظ سے کیا ہے یعنی PROTECTORS اور MAINTAINERS اور اس ترجمہ کی تائید کیلئے سورۃ النساء کی آیت

Marfat.com

نمبر 135 کا حوالہ بھی دیا ہے۔

ان سب تراجم سے معلوم ہوا کہ مولانا مودودیؒ صاحب کا ترجمہ مکمل ترین اور بہترین ترجمہ ہے۔

قوام کا ترجمہ حاکم قرار دینا بالکل غلط ہے

اگر اللہ کا مفہوم قوام سے حاکم ہی ہوتا تو لفظ حاکم اور حکومت عربی ہی کا لفظ ہے وہی استعمال کیا جاتا۔ حاکم کے بجائے لفظ قوام کا انتخاب خود یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کے مفہوم کو یہ لفظ ہی درست طور پر ظاہر کرتا ہے جو یقیناً حاکم سے مختلف ہے۔

مزید یہ کہ تمام مردوں کو قوام فرمایا گیا ہے جس میں باپ، بھائی اور بیٹا بھی شامل ہیں۔ ایک بیٹے کیلئے یا چھوٹے بھائی کیلئے یہ کہنا کہ وہ ماں اور بہن پر حاکم ہوتا ہے قرآنی مفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں تمام مرد منتظم، محافظ اور عورتوں کے معاملات کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

عورتوں کے جائیدادوں کے مسائل، مقدمہ بازیاں، بنکوں سے لین دین، کرایوں کی وصولی وغیرہ تمام معاملات کا انتظام وانصرام اور انکے مفادات کی نگرانی مرد کے فرائض میں ہے یہ شرف سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ ہے۔

مگر یہ بات بھی واضح ہے کہ اس میں اخلاقی اور معاشرتی نظم وضبط بھی شامل ہے۔ اگر ایک ماں کسی دکاندار کی بے عزتی کر دیتی ہے۔ محلہ میں کسی سے لڑائی کرتی ہے یا کسی نوکر کی مار پیٹ کرتی ہے تو اسکی شکایت اور اصلاح حال کیلئے اسکے بیٹے سے رجوع کیجئے اس عورت کو اللہ نے تحفظ دیا ہے۔ اسے بے عزت کرنے یا اس کی کسی غلطی کی عورت کو براہ راست سزا نہ دیجئے۔

معاشرتی شائستگی کا یہی تقاضا ہے اور ہم اکثر ۔ بھی یہی ہیں۔ براہ راست عورتوں سے الجھنے سے گریز کرتے ہیں۔ مگر اس اصول کا اطلاق کسی قانونی جرم پر نہیں ہوتا۔ فرد جن معاملات کو اپنے تجربہ اور ایک گونہ زیادہ قوت کی وجہ سے حل کر سکتا ہے ان سے عورتوں کو تحفظ دیا گیا ہے۔

فضلیت:۔

اب جس لفظ پر توجہ کی ضرورت ہے وہ ہے فضیلت یہاں اللہ کی مراد فضیلت سے شرف یا برتری نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر اردو میں لکھا اور بولا جاتا ہے بلکہ دونوں فریقوں میں عام

Marfat.com

طور پر نظم و نسق اور تحفظ کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت مراد ہے۔ مرد کی اسی صلاحیت، قوت اور بے باکی کے حوالہ سے اللہ کا ارشاد ہے کہ ہر ایک کو جدا جدا صلاحیت عطاء ہوئی۔ من حیثیت الجنس مرد میں یہ صلاحیت زیادہ ہے جیسے کہ اسکی معاشی ذمہ داری پورا کرنے سے ظاہر ہے۔ وہ گھر کی عورتوں کو انکے بعض معاملات سے دور رکھ کر خود وہ کام بہتر طور پر کر سکتا ہے۔ جیسا کہ مقدمات وغیرہ اور جائیدادوں کا ذکر ہو چکا ہے۔

لہذا اس آیت میں ان جدا صلاحیتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن سے نہ عورتوں کا واسطہ پڑتا ہے نہ انہیں عادت ہوتی نہ ہی ان میں صلاحیت۔ یہاں فضیلت سے مراد شرف نہیں بلکہ جدا جدا صلاحیتیں ہیں۔ جیسے کہا جائے کہ مرد زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے اور عورت کم۔ یہ فرق صلاحیت کا ہے۔

یہ ارشاد ایک عام گھر کے مرد و عورت کیلئے ہے۔ استثنا بہر حال ہوتا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ عورت، وکیل، انجینئر قانون دان عورت مردوں سے زیادہ باصلاحیت ہو سکتی ہے کئی امور میں کئی عورتیں بغیر کسی مرد کی امداد کے امورِ دنیا چلا رہی ہوتی ہیں۔ یا چلانے پر مجبور ہوتی ہیں کہ باپ بھائی خاوند کوئی مرد موجود نہیں ہوتا۔

یہاں مرد کی خلقی صلاحیت اور معاشی ذمہ داری کا ذکر ہے۔ مرد و عورت کی صلاحیتوں میں اختلاف سے انکار ممکن ہی نہیں۔

مرد کو اصلاحاً مارنے کی اجازت۔

اب ہم آیت نمبر 34 سورۃ النسا نمبر 4 کے دوسرے حصہ کی طرف آتے ہیں جس میں اللہ نے خاوند کو کچھ تہدیدی اختیارات دیئے ہیں جن میں آخری حد مارنے کی اجازت ہے۔

وَالّٰتِی تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَ اهْجُرُوهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۝

آیت نمبر 34 سورۃ نمبر 4

ترجمہ:۔ جن عورتوں سے تمہیں بدسلوکی (بد دماغی) کا خوف ہو انہیں سمجھاؤ پھر انہیں انکی خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو پھر مارو اگر وہ مطیع ہو جائیں تو ان پر دست درازی کیلئے بہانے تلاش نہ کرو۔

Marfat.com

یہاں درجہ بدرجہ تین اقدامات کا ذکر ہے مارنا آخری تدبیر ہے۔ ساتھ ہی تنبیہ کر دی گئی کہ اس حکم کو مارنے پیٹنے کا جواز اور بہانہ مت بنالو۔

محمد مار مارڈیوک پکتھال نے لفظ واضربوہن'' کا ترجمہ SCOURGE THEM کیا ہے SCOURGE کا مطلب اصلاح کیلئے مارنا ہے۔ غصہ کی تسکین یا انتقام کیلئے نہیں۔ اس لفظ کی وضاحت رسول کریم ﷺ نے متعدد جگہ انہیں معنی میں فرمائی ہے۔ آپؐ نے مارنے کی جب بھی اجازت دی بادل ناخواستہ ہی دی۔ رسول کریم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ منہ پر مت مارو اور نہ ضرورت واقعی سے زیادہ مارو اور نہ ہی ایسی چوٹ مارو کہ جسم پر نشان پڑ جائے۔

دوسرا لفظ اس آیت میں لائق وضاحت خوف ہے۔ بد دماغی سرکشی کا خوف وجہ اجازت ہے۔ خوف کا مطلب صرف احتمال اور اندیشہ نہیں جیسے کہ بعض تراجم میں لکھا گیا ہے۔ خوف اس یقینی خطرہ کو کہتے ہیں جو بالکل سامنے موجود ہو نظر آرہا ہو۔ صرف اندیشہ نہیں۔ حضرت موسیٰ نے عصا کو اژدھا بنتے دیکھا تو خوف محسوس کیا۔ جبکہ غار ثور میں رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو لا تحزن (اندیشہ نہ کر) فرمایا'' لا تخف (خوف نہ کر) نہیں فرمایا۔

مطلب یہ کہ صرف موجودہ اور متواتر بد سلوکی اور بد دماغی ان اقدامات کا جواز ہے جنکا اس آیت مبارکہ میں ذکر ہے اتفاقی یا حادثاتی خود سری نہیں۔

عورت کا حق ...... مرد (خاوند) کے نشوز کی صورت

دوسری آیت میں عورت کو بھی مرد کے ''نشوز'' یعنی بد سلوکی اور بد دماغی کے خوف سے نجات کا راستہ دکھادیا۔

وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا ـــــ الخ

آیت نمبر 128 سورۃ النساء نمبر 4 (جزو)

ترجمہ:۔ اور کسی عورت کو اپنے شوہر سے بد سلوکی ر بد دماغی اور عدم توجہی کا خوف ہو تو ..

...... گویا جس حالت ''نشوز'' (بد سلوکی) میں مرد کو اصلاح کے طریقہ تجویز کئے ایسی حالت نشوز اور لاپرواہی کی صورت میں عورت کو بھی اقدامات تجویز ہوئے گو ہر دو کی نوعیت مختلف ہے۔ آگے وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک بیوی کی طرف مکمل جھکاؤ اور دوسری کو نظر انداز کر کے معلق کر دینا لاپرواہی ہو گا۔ عورت کو نشوز (بد سلوکی) اور لاپرواہی دونوں

Marfat.com

صورتوں میں مواخذہ کا حق ہے۔

"نشوز" کا لفظ قرآن حکیم میں ان دو آیات کے علاوہ آیت 259 سورۃ البقرہ 2 اور آیت نمبر 11 سورۃ مجادلہ نمبر 58 میں بھی آیا ہر جگہ معنی میں خودسری 'سرکشی' بغاوت اور ظلم کے معنی ہو سکتے ہیں۔ مگر میرے خیال میں شوہر و بیوی کے تعلقات میں اس لفظ کے معنی بد سلوکی اور بد دماغی زیادہ صحیح ہیں۔

اس مضمون میں مختلف احکامات الٰہی کے مطالعہ سے ایک عورت کے صحیح مقام کے تعین میں بڑی مدد ملتی ہے۔

ایک طرف عورت کی تحقیر و تخفیف و تذلیل جہاں نہایت غلط اور احکام الٰہی کیخلاف ثابت ہے وہیں ہر اعتبار سے عورت کو برابر گردانا بھی غلط ثابت ہے۔

عورت نبی کیوں نہیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہر دو اجناس کو علیحدہ علیحدہ خصوصیات عطاء کی ہیں جوانکے خلقی اور معاشرتی فرائض اور حقوق کا تعین کرتی ہیں۔

نبوت اللہ کا وہ اعلیٰ ترین منصب اور عظیم ترین ذمہ داری ہے جو اس نے صرف مردوں کو عطا کی ہے۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً نوحی الیهم ٥

سورۃ النحل نمبر 16 آیت نمبر 43

ترجمہ:۔ "اے نبی ہم نے تم سے پہلے بھی رسول مرد ہی بھیجے ہیں۔"

نبوت فرائض کا ایک مسلسل تقاضا ہے اسکے تحت شب و روز فرائض کی ادائیگی چاہتی ہے اور PERFECTION کی متقاضی ہے۔

عورت کی ہر ماہ چند روز اور زچگی کے دوران ایک لمبے عرصہ تک محدود معذوری اس منصب جلیلہ کے تقاضوں کیخلاف ہے وہ اس منصب کے عائد فرائض کی ہمہ وقت تکمیل سے قاصر ہے۔ دوسرے عورت میں کچھ فطری رجحانات اور فطری حجاب جو دراصل اسکا حسن ہے اس منصب جلیلہ کے تقاضے پورے کرنے میں حائل رہتا ہے۔ وہ رجحان اور حجاب ہے جو اسے سادگی کے بجائے آرائش کی خواہش اور مطلب کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اللہ

Marfat.com

کاارشاد ہے۔

اَوَمَن يُنَشَّؤُا فِى الحِليَةِ وَهُوَفِى الخِصَامِ غَيرُ مُبِين ٥

آیت نمبر 18 سورۃ الزخرف نمبر 43

ترجمہ:۔ کیا اللہ کے حصہ میں وہ اولاد (لڑکیاں) آئی جو آرائش (زیوروں) میں نشوونما پائے اور بحث اور حجت میں (بوجہ فطری حجاب) اپنا مدعا پوری طرح واضح بھی نہ کر سکتی ہو۔ ان فطری وجوہات کی بناء پر کوئی عورت نبوت کے درجہ پر فائز نہیں ہوئی۔

عدیم المثل عظمت

عورت کو جو عدیم المثل عظمت عطاء ہوئی وہ ہے اسکا ''ماں'' ہونا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اور انبیاء کے بعد جو فضیلت عطاء کی ہے وہ والدین کو کی ہے۔ اور ان میں بھی ماں کی فضیلت باپ سے کہیں زیادہ ہے۔ ملاحظہ ہوں وہ آیات جن میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ والدہ کا خصوصی ذکر فرمایا گیا ہے۔ اف تک نہ کرنے کا حکم ہے۔

آیت نمبر 23.24 سورۃ بنی اسرائیل نمبر 17۔ آیات نمبر 15 تا 18 سورۃ الاحقاف نمبر 46

ازواج حضرت محمد ﷺ کو اسی وجہ سے امہات المومنین ہونے کا شرف عطاء ہوا کہ خواتین میں اس سے بلند مرتبہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

عورت کو خصوصی مراعات

تمام ثواب اور گناہ میں ہر عورت انفرادی طور پر جزا کی مستحق یا سزادار ہے جس طرح کہ مرد۔ کوئی تفریق عذاب و ثواب میں بوجہ جنسِ نہیں فرمائی 'زانیہ' سارقہ (چور)' قاتلہ وغیرہ کو وہی سزا ہے جو ایک مرد گنہگار کی ہے۔

مگر عورت کی طبعی اور فطری کمزوریوں کا بھرپور لحاظ فرمایا گیا۔ جہاد عورتوں پر فرض نہیں۔ اگر کریں تو منع بھی نہیں اور اجر میں یقیناً شریک ہیں اگر جہاد میں شریک ہوں تو مالِ غنیمت کی تقسیم میں رسول کریم ﷺ کا کیا عمل رہا اور کیا سنت ہے اسکا مجھے یقین سے علم نہیں مگر قیاس ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بھی خواتین شرکاء کو بقدر نصف ضرور دیا ہوگا۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ عملاً اہم نہیں ہے تحقیق نہیں کی۔

حج اور زکواۃ مردوں ہی کی طرح عورتوں پر بھی فرض ہیں مگر حج کیلئے کسی محرم کی معیت

Marfat.com

میسر نہ ہو تو حج کی فرضیت معطل رہتی ہے۔ خواتین کے تحفظ کیلئے یہ ایک بڑی رعایت ہے۔

نمازِ جمعہ چونکہ صرف باجماعت ہی ہو سکتی ہے وہ بھی خواتین پر فرض نہیں لیکن پڑھنا چاہیں تو کسی کو منع کرنے کا بھی اختیار نہیں۔

نماز فرض ہے مگر جماعت انکے لئے لازمی نہیں ۔ نماز اور روزوں میں خواتین کے مخصوص ایام میں خصوصی رعایات ہیں۔

جہاں خواتین کی طبعی کمزوریوں کی وجہ سے مردوں کا ایک درجہ ہے وہاں رعایات بھی مردوں کیلئے نہیں۔ بیماری اور معذوری وغیرہ کی رعایت سب ہی کو حاصل ہے مردوں کی کوئی تخصیص نہیں۔

خواتین پر وحی

انبیاء کرام کے علاوہ جن انسانوں پر وحی ہونے کا ذکر قرآن حکیم نے فرمایا وہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ ماجدہ اور حضرت مریمؑ ہیں۔

حضرت مریم کو یہ شرف ایک سے زائد دفعہ عطاء ہوا

ملاحظہ فرمائیں آیت / سورہ:۔ 6/28

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ الخ ۔ . . .

ترجمہ:۔ ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی کی کہ...... تا آخر۔

عورت کی خلقی کمزوریاں

خواتین کی جن طبعی کمزوریوں کا ذکر قرآن نے براہ راست یا ارشارہ فرمایا وہ ملاحظہ فرمائیں:۔

1:۔ آرائش اور زینت کی دلدادہ ہوتی ہیں اور انہیں آرائش کی اجازت بھی ہے۔ جسکا سورہ نور کی پردہ کی بابت آیات میں ذکر ہے۔

2:۔ عام طور پر عورتیں اپنا ماضی الضمیر وضاحت سے بیان نہیں کر پاتیں۔ (آیت نمبر 18 سورہ 43)

3:۔ خواتین کی راز داری کی صلاحیت کم ہوتی ہے ملاحظہ ہو ارشاد الٰہی بابت چند ازواج مطہرات جو منتخب اور منفرد خواتین تھیں اور عام عورتوں سے بہت بلند مرتبہ پر فائز تھیں۔

وہ بھی رازداری کے معاملہ میں ناکام رہیں۔

سورۃ التحریم کی آیت نمبر 3

رسول کریم سے سبق

ازدواجِ مطہرات سے سلوک:۔ یوں تو رسول کریم ﷺ کی زندگی ہر اعتبار سے دنیا اور آخرت کی مکمل بہبود کیلئے ہر مسلمان کیلئے لائق پیروی ہے۔ مگر کئی پہلوؤں پر ہم اپنی لاعلمی یا عدم توجہی کی وجہ سے غور نہیں کرتے۔ موضوع زیر تذکرہ کیلئے آنحضرتؐ کی زندگی کے جن تین پہلوؤں سے ہم سبق سیکھ سکتے ہیں۔ ان کا تذکرہ نہایت مفید ہے۔

1:۔ ایک تو یہ کہ ہر مزاج کی خواتین آپکے حرم میں رہیں مگر کسی زوجۂ محترمہ کو کبھی آپ نے غصہ سے ایک انگلی بھی لگائی ہو یہ کہیں ذکر تک نہیں ملتا۔ بلکہ آپ نے غصہ سے کوئی سخت لفظ تک نہیں فرمایا۔ باوجود اسکے کہ زوجین کے اختلافات کا ہونا عام بات ہی نہیں بلکہ قرآن میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ اس اعلیٰ کردار کی پیروی ہمیں ایک باعزت گھرانہ بنانے میں مدد دیتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی زندگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مہذب خاندان میں عورت کی بطور ماں، بیٹی اور بیوی عزت ہونا لازمی ہے۔ بلکہ گھرانے کے باعزت ہونے کی پہچان ہے۔ تمام بیٹیوں اور ازواجِ مطہرات سے حسنِ سلوک اس کی دلیل ہے۔

2:۔ صلح حدیبیہ کی نہایت نرم شرائط کو رسول کریم ﷺ نے منظور فرمالیا۔ مگر اس فیصلہ سے مسلمان شدید آزردہ تھے۔ ام المومنین حضرت ام سلمیٰؓ اس سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمیٰؓ سے فرمایا کہ میں مسلمانوں کو احرام کھولنے اور قربانی کے جانور ذبح کر دینے کیلئے کہہ رہا ہوں مگر نہ کوئی احرام کھولتا ہے نہ جانور ذبح کر رہا ہے۔ ان حالات میں میں کیا کروں۔ حضرت ام سلمیٰ نے مشورہ دیا کہ ابھی مسلمان آپ سے توقع کر رہے ہیں کہ آپ اپنا فیصلہ بدل دینگے۔ اس لئے آپ اپنا احرام اتار دیں اور جانور ذبح کر دیں۔ تبدیلی فیصلہ کی امید ختم ہو جائیگی مسلمان یقیناً تقلید کرینگے۔ رسول کریم ﷺ نے مشورہ تسلیم فرمالیا اور نتیجہ خاطر خواہ ہوا۔ سبق ملا کہ عورت کو شریکِ مشورہ کرنا اور مناسب سمجھیں تو مان لینا سنتِ رسول ﷺ ہے۔ اس میں عظمت ہے توہین نہیں۔

3:۔ اور آخری مگر بے حد کار آمد سبق جو عائلی تعلقات کے لئے ملتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی بابت ایک واقعہ کا ذکر قرآن میں آتا ہے اسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جو کہ

سورۃ تحریم نمبر 66 آیات نمبر 3+4 میں ارشاد ہے۔

فرماتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے کوئی راز والی بات جو ایک زوجہ مطہرہ کو بتائی تھی اور ان زوجہ نے وہ بات دوسری زوجہ کو بتادی تو آپ نے اپنی ناگواری کا اس طرح اظہار فرمایا کہ کچھ تو جتادیا اور کچھ اغماض فرمادیا۔

اس ارشاد سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک یہ کہ رازداری خواتین کیلئے ایک مشکل کام ہے یہاں تک وہ منتخب عالم خواتین جو ہم سب کی مائیں تھیں راز کی حفاظت وہ بھی نہ کر سکیں۔ لہذا رازداری کیلئے عورتوں کا انتخاب مناسب نہیں۔

دوسرا ایک اہم سبق جو اس واقعہ سے ہمیں ملتا ہے وہ یہ کہ بیوی کی غلطی پر کچھ جتادینا اور بتادینا اور کچھ سے اغماز و چشم پوشی کر لینا ایک خاوند کا بہترین طرز عمل ہے۔ بتادینا اس لئے کہ بیوی اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ اس نے خاوند کو بے وقوف بنادیا ہے اور اغماز اس لئے کہ بیوی کو بالکل CORNER کر دینا یا دیوار سے لگا دینا بھی مناسب نہیں۔ اس طرح اسکی خودداری مجروح ہوتی ہے اور رد عمل خوشگوار نہیں ہوتا۔

لہذا کچھ بتادینا اور کچھ نظرانداز کرنا ہی مناسب طرز عمل ہے۔

اللہ سب کو ازدواجی خوشگواری اور خانگی سکون میسر فرمائے۔ آمین

Marfat.com

عورتوں کا مروج

پردہ

شرعی حیثیت

قرآنی احکام

مروج پردہ غیر اسلامی ہے

مسلمانوں میں صدیوں سے اسلام کے نام پر عورت پر پردہ مسلط ہے۔ حقیقت ہے کہ یہ رواج بالکل غیر اسلامی ہے۔ اللہ نے سر سے پاؤں تک عورت کو ملفوف کر دینے کا اشارتاً بھی حکم نہیں فرمایا۔ نہ ہی رسولِ کریم ﷺ نے ایسا پردہ تجویز فرمایا۔

در حقیقت اللہ کی عطا کردہ شائستہ آزادی سے عورت کو محروم کرنے کے لئے اسے مردوں نے مسلط کیا ہے۔ یہ بات یقین اور دلیل پر مبنی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

پردہ کا قرآنی تصور

مسلمانوں میں پردہ کا رواج' اسکی معاشرتی ضرورت اور پردہ کی مذہبی حیثیت ہمیشہ ہی افراط و تفریط کی زد میں رہی ہے۔ اور چونکہ معاشرہ اور مذہب ہر دو شعبہ جات مرد کے تسلط میں رہے اس لئے اس مسئلہ میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کے پردہ میں مردوں نے اپنی خواہش

Marfat.com

اور پسند کو عورتوں پر مسلط کئے رکھا مگر کشمکش بہر حال جاری رہی۔ ہر دور میں جدید تقاضے اور قدیم روایات کا تصادم جاری رہا۔ بقول غالب

ایماں مجھے رو کے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

مولانا مودودیؒ نے پردہ کے موضوع پر ایک مکمل کتاب تحریر فرمائی۔ اس کتاب پر تبصرہ میرا مقام نہیں۔ لیکن مرّوج و ملفوف پردہ کی حمایت میں قرآن سے زیادہ روایات پر انحصار کیا ہے۔

جس نکتہ کو اس موضوع پر ہر حال میں ذہین میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ اللہ نے مرد وزن کو ایک ہی جنس انسانیت فرمادیا ہوا ہے اور ہر ایک کے اعمالِ حسنہ اور اعمالِ سیۂ (خراب) کی ذمہ داری انفرادی ہے بلا تفریقِ جنس ہے ملائیکہ کے سجدہ کی عظمت میں عورت یعنی حضرت حوا حضرت آدم کا جزوِ بدن تھیں۔ ہر دو کو شجرِ ممنوعہ سے منع فرمایا گیا' ہر دو کو جنت سے نکالا گیا اور ہر دو کو ہر عظمت و ذلت میں برابر کا شریک رکھا۔ عبادت و طاعت' اخلاق و کردار' اجر و زجر' جرم و سزا' ثواب و عذاب میں ہر مرد و عورت انفرادی حیثیت کے حامل ہیں ۔لہٰذا پردہ کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا اور عورت کیلئے مواقعِ خیر و شر یکطرفہ طور پر کم کر دینا ہرگز مقصدِ الٰہی نہیں ہو سکتا۔ مذہبی پردہ کے عذر پر عورت کو معاشرے میں موجود یکساں مواقع تحصیلِ علم و عیش و تحفظ' اظہارِ رائے' اظہارِ استعداد سے محروم نہیں کیا جاسکتا ہے طلب العلم فریضتہ علی کل مسلم و مسلمہ۔ ارشاد النبیؐ ہے یعنی ہر مرد و عورت مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

ہاں البتہ اللہ نے عورت کو کچھ مراعات سے نوازا ہے جو اسکی طبعی و جنسی ساخت کا تقاضا تھا۔ کچھ ذمہ داریوں میں مرد سے اسے مختلف گردانا ہے اسے کچھ تحفظات اضافی طور پر دیئے گئے ہیں اس لئے جنسِ انسانی ہونے کے باوجود مرد وزن میں فطری امتیاز ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

جن تحفظات کو ہم نے پردہ کا عام فہم نام دیا ہے وہ در حقیقت ان احکام کے علاوہ کچھ نہیں جو معاشرہ کے زیادہ قوی اور فعال (ACTIVE)(AQQRESSIVE) عنصر یعنی مرد کو ایسی تحریک و ترغیب و تحریصِ جنسی میں مبتلا ہونے سے روکیں جس کی وجہ سے وہ ترغیب و اشتعالِ جنسی کا شکار ہو کر عورت کی جان اور عزت کیلئے خطرہ بن سکتا ہو۔ اس تحریک و

Marfat.com

ترغیب کی بنیاد عریانی اور فحاشی ہے جو ہر فردِ معاشرہ کیلئے چاہے مرد ہو یا عورت ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو ارشاد باری:۔

اِنَّ اللہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ۔ (آیت 28 الاعراف)

ترجمہ:۔ اللہ فحاشی کا حکم نہیں دیتا۔

اسکے علاوہ جو اضافی احکام عورت کیلئے صادر ہوئے ہیں انہیں پردہ کہا گیا ہے حالانکہ پردہ کا لفظ یا حجاب کا ذکر قرآن مین نہ ہے ان اضافی احکام کی عائد کردہ پابندیاں کس حد تک ہیں، اسکی نوعیت کیا ہے، ان سے مقصدِ خداوندی کیا ہے اور پردہ کا مروج طریقہ و تصور کس حد تک درست ہے یا غلط ہے ان پہلوؤں کا قرآنی احکام کی روشنی میں جائزہ لیناہی ہمارا موضوع ہے۔

ان احکامِ قرآنی کی تلاوت و تجزیہ سے قبل ایک نہایت بنیادی فرمان الہیٰ کو جان لینا اور سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ٥ آیت نمبر 78 سورہ الحج نمبر 22

ترجمہ:۔ "دین میں اس نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی"۔ اس آیت کے مخاطب مرد و زن دونوں ہیں۔

لہذا دین کی وہ تشریح جس سے صرف عورتوں کیلئے مشکلات میں اضافہ ہو درست تشریح نہیں ہو سکتی۔ دراصل اس آیتِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ دین زندگی کو وہ ضابطے فراہم کرتا ہے جو زندگی کو آسان، زیادہ مفید اور کم سے کم (اپنے اور دوسروں کیلئے) تکلیف دہ بناتی ہے۔ ان ضابطوں پر عمل سے انسان کی جسمانی اور روحانی افادیت میں اضافہ ہوتا ہے اور اذیت میں کمی۔ عام فہم مثال ٹریفک کے قوانین سے ملتی ہے۔ ٹریفک کے تمام ضابطے سفر کو زیادہ محفوظ اور زیادہ تیز رفتار بنانے کیلئے بنائے گئے ہیں۔

پردہ اور قرآن

قرآن میں وہ دو احکام جو پردہ سے متعلق تصور کئے جا سکتے ہیں دو سورتوں میں ہیں۔ سورۃ النور نمبر 24 اور سورہ الاحزاب نمبر 33

یہاں یہ امر خصوصی وضاحت کا طالب ہے کو گو یہ دو سورتیں ترتیبِ تلاوت کے اعتبار سے نمبر 24 پر سورۃ النور ہے اور سورۃ الاحزاب نمبر 33 پر ہے مگر ترتیب نزول کے اعتبار سے

Marfat.com

معاملہ برعکس ہے یعنی سورۃ احزاب پہلے نازل ہوئی تھی جسکا نزول کے اعتبار سے نمبر 90 ہے اور سورۃ النور کا نمبر نزول نمبر 102 ہے۔ جو بعد میں نازل ہوئی۔ اس نزول کی تقدیم و تاخیر سے ہم سمجھنے میں بہت مدد ملیگی۔

آیت نمبر 59 سورۃ الاحزاب نمبر 33 میں ارشاد ہوا۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ

1-اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادروں کو سر سے تھوڑا نیچے کر لیا کریں تاکہ بہ سہولت پہچانی جائیں تو ستائی نہ جائیں۔

اس آیت میں جو امور خصوصی توجہ چاہتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(I) یہ حکم اللہ براہ راست نہیں دے رہا ہے بلکہ ارشاد رسول کریم ﷺ کو ہے کہ آپ کہہ دیجئے (گویہ بات بہت اہم نہیں)

(II) ازواج مطہرات اور بیٹیوں کا علیحدہ سے ذکر فرمایا اور مسلمان عورتوں کا انکے بعد حالانکہ ازواج اور دختران بھی مسلمان ہی تھیں۔ اس علیحدہ ذکر سے اس حکم کے عارضی اور وقتی ہونے کی دلیل ملتی ہے اگر کہا جاتا کہ مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے تو اسکا تخاطب قیامت تک مسلمان عورتوں سے سمجھا جاسکتا تھا۔ مگر ازواج و دختران جو فانی ہستیاں تھیں کا ذکر علیحدہ فرما کر حکم کے عارضی ہونے کو واضح کر دیا گیا۔

(III) اسکے بعد اس حکم کی وقتی مصلحت کی بھی وضاحت کر دیگئی کہ یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ مسلمان خواتین کا معاشرہ کی دیگر خواتین کے مقابلہ میں علیحدہ تشخص ہو اور پہچان ہو سکے تاکہ انہیں ایذا نہ دی جائے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ وقتی حالات ایسے تھے کہ مسلمان خواتین کی عدم شناخت انہیں کسی اذیت میں مبتلا کر سکتی تھی۔ لہذا ان حالات میں علیحدہ پہچان کا طریقہ اور اسکی وجہ بتادیگی۔

اس آیت کی وجہ نزول یہ تھی کہ یہودی قبیلہ بنی قینو قاع کی بستی میں ایک میلہ لگا ہوا تھا اس میں ایک انصاری خاتون کو ایک سنار کی دکان میں کسی فحش مذاق کا نشانہ بنایا گیا۔ ان خاتون کے احتجاج پر مسلمان مدد کو پہنچے۔ جھگڑا ہوا۔ ایک مسلمان اور ایک کافر اس میں کام آگئے۔ کافروں نے تاویل یہ کی کہ اگر ہم جانتے کہ وہ عورت مسلمان ہے تو ہم اس سے یہ مذاق نہ کرتے۔

دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں ایک یہودی شاعر کعب بن اشرف مسلمان عورتوں کے نام اپنی عشقیہ شاعری میں استعمال کرتا تھا جو مسلمانوں کیلئے بہت تکلیف دہ تھا۔ دیگر بھی واقعات ایسے ہوئے ہونگے کہ مسلمان عورتوں کو اس عذر پر تنگ کیا جاتا کہ انکی شناخت کفار نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں کے برخلاف کافر معاشرہ فحاشی کو برا نہ سمجھتا تھا۔

اس آیت مبارکہ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ان حالات میں مسلمان خواتین کو اس قسم کی اذیتوں سے بچانے کیلئے انکی شناخت مقرر کیا جانا ضروری تھا۔ اسی مقصد کیلئے یہ حکم آیا تھا۔ یہ حکم نہ تو پردہ کیلئے تھا نہ ہی دوامی نوعیت کا تھا۔ وہ حالات ختم ہوگئے اس حکم کا اطلاق بھی ختم ہو گیا۔ اس حکم میں بھی مروجہ پردہ کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

ارشاد ہے:

"یدنین علیھن من جلدبیبھن"

جسکا ترجمہ مولانا مودودیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان خواتین "اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں"

اور توضیحاً منہ اور چہرہ کو چھپالینا مطلب لیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

(سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنے تھوڑی سے اپنی چادریں،

توضیح انہوں نے بھی یہ ہی فرمائی ہے کہ چادر سے سر اور چہرہ بھی چھپالیا کریں۔

شاہ رفیع الدینؒ نے اپنے لفظی ترجمہ میں لکھا ہے۔

"مسلمان خواتین اور نزدیک کرلیں اوپر اپنے بڑی چادریں اپنی"

معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر چہرہ چھپالینا ہی اللہ کا مقصد ہوتا تو کیا واضح حکم واضح الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمانا ممکن نہیں تھا۔ چادروں کو چہرہ کے نزدیک کرلینا یا تھوڑا جھکا لینے کے حکم سے خود واضح ہے کہ چہرہ پر نقاب ڈالنا یا چہرہ چھپانا ہرگز حکم کا مقصد نہیں ہے۔ رواجاً چونکہ یہ طریقہ اسلامی سمجھا جاتا تھا اسلئے چہرہ چھپانے کو توضیحاً ضروری قرار دیدیا گیا جو درست نہیں۔ اللہ کے ارشاد کا مقصد یا توضیح جو بھی ہو مگر اس حکم کے وقتی، عارضی اور صرف مخصوص حالات تک محدود ہونا واضح ہے یہ حکم دائمی ہرگز نہیں تھا۔

میرے اخذ کردہ مندرجہ بالا نتیجہ کی تائید و توثیق آیات ماسبق اور آیات مابعد سے بھی

Marfat.com

ہوئی ہے۔ آیات نمبر 56 تا 58 سورۃ الاحزاب میں اللہ اور رسول کو اذیت دینے کے عواقب کا ذکر فرمایا گیا ہے جو آیت نمبر 59 کے نزول کا سبب ہو سکتی ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ کو سمجھنے کیلئے اس کے بعد کا مضمون بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آیت نمبر 60 سورۃ الاحزاب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

"اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ جو مدینہ میں شر انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں۔ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم انکے خلاف کارروائی کرنے کیلئے تمہیں اٹھا کھڑا کرینگے"

یہ آیت بھی ان حالات کی وضاحت کرتی ہے جن کی وجہ سے یہ عارضی حکم نازل ہوا۔ واضح ہے کہ اگر منافقین اور دوسرے لوگ حرکتوں سے باز آگئے تب بھی اور اگر نہ آئے اور اس کا استیصال رسول کریم ﷺ کے ذریعہ کرادیا گیا تب بھی اس حکم نے ختم ہو جانا تھا۔

حکم سورۃ النور 24 ۔ آیات 30 و بعدہ۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ الخ۔ ۔ ۔

ترجمہ: (اے نبی) مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں (تاکتی ہوئی نظروں سے نہ دیکھا کریں) اور اپنی (شرمگاہوں) کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (زیور) کو ظاہر نہ کریں بجز اس کے جو از خود کھلا رہتا ہو اور اپنے دوپٹے اپنے سینے پر ڈالے رہا کریں۔ اپنی زینت (زیور) ظاہر نہ کریں بجز (بیان کردہ محرمات) اور اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ جو زیور انہوں نے چھپا رکھا ہے۔ اسکا لوگوں کو علم ہو جائے۔ (یعنی لوگ اس کی وجہ سے اس خاتون کی طرف متوجہ ہوں)

یہ ہے وہ آفاقی حکم جو مردوں کیلئے احکام کے بعد تمام مسلمان عورتوں کیلئے تاقیامت نازل ہوا کہ مسلمان خواتین کا گھروں سے باہر کیا شائستہ رویہ ہونا چاہیے۔ پہلا یہ کہ تاکتی اور تاڑتی ہوئی نظروں سے نہیں بلکہ یکسو ہو کر چلا کریں۔

دوسرا حکم سینہ ڈھانپ کر چلنا ہے۔ یہاں سر کو ڈھانپنے کا ذکر نہیں۔ مگر اس سے پہلے جو حکم سورۃ احزاب میں چادروں کو سر سے جھکا لینے کا آیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر پر چادر

لینے کا رواج عام تھا شاید اسلئے یہ علیحدہ حکم یہاں نہیں دیا گیا۔ یہ صرف قیاس ہے۔ سینہ ڈھانپنا بہر حال حکم قطعی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اپنے آرائشی زیورات کو چھپالینا ہے۔ عام اور روزمرہ کے زیورات جو عام طور پر کھلے حصوں پر پہنے جاتے ہیں جیسے ناک کی لونگ اور ہاتھوں کی انگوٹھیاں وغیرہ ان کے چھپانے کا اہتمام نہیں کرنا۔

آخری بات یہ کہ جو زیورات آرائش کے علاوہ آواز بھی دیتے ہوں جیسے پائل، گھنگرو وغیرہ ان کی آواز حتی الامکان دبا کر چلیں۔ پاؤں آہستہ رکھیں زور زور سے پاؤں مارتی نہ چلیں کہ مرد اس آواز کی وجہ سے متوجہ ہوں۔

اللہ کے احکام میں نظر بچا کر چلنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کی حد تک مرد وزن ہر دو برابر ہیں۔ باقی احکام یعنی سینہ کو ڈھانپنا، زیور کو چھپانے اور آواز والے زیور کی آواز کا اخفا عورتوں تک مخصوص ہیں۔

ان احکام میں نہایت مناسب شائستگی کا حکم ہے۔ نہ تو ناروا سختی ہے نہ ہی کوئی اذیت ناک احتیاط کا حکم ہے۔ جو زیور کھلے حصوں پر ہوں انہیں چھپانے تک کا حکم نہیں۔ زیور کی آواز پر بھی یہ پابندی ہے کہ ارادتاً اسے ظاہر نہ کرو۔ پاؤں زمین پر مارنے سے گریز کا حکم ہے۔ معمولی آواز اس نرم روی کے باوجود آئے تو کوئی حرج نہیں۔ اللہ اپنے بندوں کا ہی نہیں بلکہ اپنی بندیوں کی تکلیف بھی نہیں چاہتا۔ نہ زیور پہن کر باہر نکلنے سے منع فرمایا نہ منہ کو ڈھانپ کر چلنے کی ہدایت ہے نہ اس میں غلو کا جواز ہے۔

تنسیخ آیات ما قبل

جیسے کہ سورۃ احزاب کی آیت نمبر 59 کے عارضی ہونے کی بات کی جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ سورۃ نور کی یہ آیات جو بعد میں نازل ہوئیں سورہ احزاب کے عارضی حکم کی واضح تنسیخ کرتی ہیں۔

مقصدِ حکم

اللہ کے ہر حکم میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں مگر مردوں کی نسبت خواتین کی بابت چند مزید احطیاطوں کے احکام کا جو مقصد سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ عورت و مرد میں اللہ نے جو

Marfat.com

کشش ایک دوسرے کیلئے رکھی ہے وہ بالکل فطری ہے۔ عورت اس کشش سے مغلوب عام طور پر اس لئے نہیں ہوتیں کہ اسے ایک اضافی جذبہ حیاءِ فطری کا عطا کیا ہے۔ لہذا وہ پسندیدگی کے اظہار میں بے باک نہیں۔ دوسرے وہ جسمانی اعتبار سے بھی کمزور ہے اس لئے وہ عملاً اپنی پسند پر فوری عمل نہیں کر سکتی۔ جنسی اعتبار سے وہ معاشرہ کا فعال عنصر نہیں۔ Aggressive نہیں ہے۔

البتہ مرد معاشرہ کا فعال عنصر ہے۔ بے باک ہے زیادہ طاقتور ہے اس لئے اگر وہ کشش سے مغلوب ہوگا تو عملاً عورت کا تحفظ اور معاشرہ کا سکون ہر دو کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

لہذا ان احکام کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت ان باتوں میں احتیاط کرے جو مردوں کو جنسی طور پر (Provoke) مشتعل کر سکتے ہوں یا ہیجان میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ مرد کے جذبہ حرص وہوس کو بھڑکا کر اس کی فطری فعالیت (Aggression) کو دعوتِ عمل نہ دی جائے۔ ان احکام میں عورت کو شائستگی سکھائی گئی ہے۔ اذیت یا غیر واجب پابندی کا کوئی عنصر نہیں ہے۔

ازواجِ مطہرات کیلئے خصوصی احکام۔

سورہ احزاب میں ازواج مطہرات کا خصوصی مقام مقرر فرمایا گیا۔ انہیں امہات المومنین ہونے کا اعزاز عطا ہوا۔ بتا دیا گیا کہ وہ کسی بھی دوسری عورت کی طرح نہیں ہیں۔ انہیں قرآن کے مطالعہ اور گھروں میں ٹھہرنے کا حکم ہے تاکہ خواتینِ ملت ان سے علم حاصل کر سکیں۔ سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں گھومنا ان کے وقار کے منافی تھا۔ ان کی نیکی پر دوگنا اجر اور خرابی پر دوگنا زجر مقرر ہوا ان کی طہارت وپاکیزگی کا یہ خصوصی اہتمام اس لئے ہوا کہ وہ نبی آخرالزمان کی اہلِ بیت تھیں جیسا کہ آیت تطہر 33 میں وجہ بیان ہوئی۔

لہذا ازواج مطہرات کیلئے خصوصی احکام جیسے "قرنَ فِی بُیوتِکُم" (اپنے گھروں میں ٹھہری رہا کرو) کو عام مسلمان عورتوں پر بطور ضابطہ حیات عائد اور لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ از خود کوئی مسلمان خاتون ان خصوصی احکام پر عمل کر لے تو مضائقہ نہیں مگر جبر یہ عائد کرنے یا ان پر عمل نہ کرنے پر مطعون کرنا سخت ناانصافی ہے۔ مثال کے طور پر تہجد کی نماز رسول کریم پر فرض تھی تو کیا عام مسلمان پر بھی اسے فرض سمجھا جا سکتا ہے یا نہ پڑھنے پر کسی کو طعنہ دیا جا سکتا ہے۔ یقیناً نہیں۔ لہذا ازواجِ مطہرات کیلئے خصوصی احکام کو عام مسلمان عورتوں پر عائد نہیں کیا جا سکتا نہ ہی انہیں گھروں میں محصور کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

طلاق بِدعت۔ ایک تباہی

طلاق بدعت کا مسئلہ جو اس وقت زیر غور ہے دراصل اللہ کے ایک عظیم احسان سے نہ صرف انکار ہے بلکہ اللہ کے منشاء کے خلاف واضح اقدام ہے جس کا تدارک لازمی ہے۔

رسول کریمؐ نے ایک ارشاد بہت وضاحت سے فرمایا تھا کہ مباح (جائز) کاموں میں اللہ کیلئے سب سے زیادہ مبغوض (ناپسندیدہ) فعل طلاق ہے۔ یہی امر قرآن حکیم نے اپنی مختلف آیات میں واضح فرمایا کہ اللہ کو خاوند اور بیوی کی یکجائی پسند ہے جدائی اور طلاق نہیں۔

مگر طلاق بدعت کی ایجاد نے اس مبغوض اور ناپسندیدہ فعل طلاق کو اس طرح امت مسلمہ پر مسلط کر دیا کہ ہزار ہا گھر سالانہ اس کی وجہ سے اجڑتے' عورتیں دربدر اور بچے کسمپرسی سے دوچار ہوتے ہیں۔ مگر اس کا مداوا کوئی نہیں۔ واپسی کے راستے بند ہیں اور یہ سب کچھ رسول کریمؐ کی شریعت کے نام پر ہو رہا ہے۔

طلاق بدعت کی تعریف

بدعت دین میں اس اضافے کو کہتے ہیں جس کی کوئی مثال یا سند قرآن حکیم اور رسولِ کریمؐ کی سنت میں موجود نہ ہو۔ گویا یہ بات تو اس طریق طلاق کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ طریقہ طلاق قرآن اور سنت نبویؐ کیلئے اجنبی ہے۔ طلاق بدعت یہ ہے کہ:۔

اگر ایک خاوند بیک وقت اپنی بیوی کیلئے 3 بار لفظ طلاق یا اس کے مثل دیگر الفاظ جیسے خود پر حرام کر لینا یا کسی بھی دیگر شخص سے نکاح کر لینے کی اجازت دے دینا یا محرم رشتوں ماں' بہن' بیٹی سے تشبیہ دے دینا وغیرہ کہہ دے تو طلاق بائین (ناقابل واپسی) طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ یہ الفاظ 3 بار دہرا دینا بغیر کسی بھی وقت کے تعین کے طلاق عائد کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ الفاظ چند گھنٹوں کے یا چند دنوں یا چند ہفتوں کے وقفہ سے بھی دہرائے جائیں تو طلاق بدعت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کا مضحکہ خیز دلچسپ پہلو یہ ہے کہ طلاق کے الفاظ حالتِ نشہ میں کہہ دیئے جائیں یا بے ہوشی میں دہرا دیئے جائیں تب بھی طلاق ہو جائے گی۔ حد یہ ہے کہ اگر جبراً نوک تلوار پر بھی یہ الفاظ کہلوا دیئے جائیں تو طلاق بائین ہو جاتی ہے جس کی واپسی ممکن نہیں۔ شرط صرف 3 دفعہ یہ لفظ یا اس کے مماثل الفاظ خاوند کے منہ سے نکل جانا ہیں اور تعلق ختم۔ بیوی غیر آباد' بچے بے حال' خاوند پشیمان مگر چارہ کوئی نہیں۔ دنیا کے کسی

Marfat.com

قانون میں جبر یا دھوکہ سے کرایا گیا اقرار قابل قبول نہیں۔ مگر فقہ حنیفہ کے مطابق ایسی طلاق بھی عائد ہو جاتی ہے۔ میری اس کاوش کا مقصد اس طریق طلاق کو قرآن و سنت نبوی کے خلاف اور عقل سلیم کے خلاف ثابت کرنا ہے۔

اس طریقہ بدعت کو کچھ لوگ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے بیک وقت اس طرح طلاق دینے پر سزائیں دیں کہ یہ حدود اللہ کی خلاف ورزی تھی۔ پھر ایسی طلاق کو فوراً نافذ العمل بھی نہیں فرمایا لہٰذا یہ الزام غلط ہے۔ واقعہ جو تحقیق سے سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ بلاد روم میں جب عرب فاتحین پہنچے تو یورپ اور روس کی گوری رنگت کی دوشیزائیں (کوہ قاف کی پریاں) انہیں مل گئیں جن سے فوراً مناکحت پر تل گئے۔ ان حسین خواتین کا مطالبہ ہوتا تھا کہ عرب مسلمان سابقہ بیویاں یا بیوی چھوڑ دیں تو وہ نکاح کر لیں گی۔ مسلمان سابقہ بیوی یا بیویوں کو طلاق لکھ بھیجتے اور نکاح کر لیتے۔ بعد میں طلاق واپس لے لیتے یعنی رجوع کر لیتے۔ اس کی شکایت حضرت عمرؓ کے پاس عیسائی خواتین نے بھجوائی۔ اس پر مبینہ طور پر حضرت عمر کا فیصلہ تھا کہ اگر طلاق کی شرط پر نیا نکاح کر لیا ہے تو رجوع کر لینے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح لیجئے کہ اگر الف کے حق میں ایک مکان کا معاہدہ بیع ہے جس کی بنیاد پر الف ایک شخص جیم سے معاہدہ فروخت کر کے ایڈوانس کی رقم لے لیتا ہے تو کیا الف از خود اپنے حق میں طے شدہ پہلا معاہدہ منسوخ کر سکتا ہے؟ بالکل نہیں اس لئے کہ اس معاہدہ کی بنیاد پر الف نے جیم سے معاہدہ کر لیا ہے۔ اپنا حق تنسیخ اس نئے معاہدہ کی بنا پر اس نے خود ختم کر دیا ہے۔ اگر شرط طلاق پر نکاح کیا گیا ہے تو حق رجوع ختم ہو گیا۔ اگر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ فرمایا تو بالکل درست تھا مگر اس سے طلاق بدعت کا جواز کیسے مل گیا۔

بیک وقت یا وقفہ سے تین بار طلاق کے الفاظ کہہ دینے سے طلاق واقعہ نہیں ہوتی۔ ہاں کسی قول و فعل کی وجہ سے واپس لینے اور رجوع کر لینے کا حق ختم ہو سکتا ہے۔ طلاق اللہ کی مقرر کردہ میعاد پر ہی واقعہ ہو گی۔ ان دو صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ طلاق کا فوراً واقعہ ہو جانا اور رجوع کا حق نہ رہنا بالکل مختلف باتیں ہیں۔ اس ضمن میں چند گزارشات اور کرتا چلوں۔

1- بنیادی سچائی یہ ہے کہ شریعت اسلامی کی بنیاد قرآن حکیم اور سنت نبوی پر ہے۔ ان

کے منافی کوئی قانون خواہ کسی بھی برگزیدہ ہستی یا گروہ یا اجماع نے بنایا ہو وہ شریعت نہیں بن سکتا۔

2- دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ جیسی بزرگ ہستی اور عظیم فقیہ پر یہ تہمت ہے اور غلط نیت کا جواز گھڑا گیا ہے۔ انہوں نے کبھی ہر حالت میں تین بار طلاق کہ دینے کو طلاقِ بائین قرار نہیں دیا نہ ہی فوراً نافذ فرمایا۔

3- یہ ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیک وقت طلاقہ ثلاثہ دینے والے کو سزائیں دی ہیں۔ کیا یہ بات حیرانی کی نہیں کہ ایک طرف ایک فعل کو قابلِ سزا اقرار دیا جارہا ہو اور ساتھ ہی اس غیر قانونی فعل کو نافذ بطور قانونی فعل کیا جارہا ہو۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ چوری کے جرم میں سزا دی جائے مگر چوری کا مال چور کی ملکیت قرار دیا جائے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ کی طرف ایسی طلاق کے جواز کو منسوب کرنا عظیم گستاخی ہے اور سراسر غلط ہے۔

4- دیگر فقہائے نے بھی ایسی طلاق کو فوری نافذ العمل قرار نہیں دیا مگر انہوں نے ایسے فعلِ طلاق کو قابل سزا گردانا ہے۔ بجز فقہ حنفیہ یہ طلاق میرے محدود علم کے مطابق کہیں رائج نہیں۔

5- آخری بات یہ کہ اگر حضرت عمرؓ نے طلاق ثلاثہ دینے کی صورت میں رجوع کا حق کسی وقتی مصلحت سے ختم بھی فرمادیا ہو تو بھی واجب العمل ہونے کے باوجود شریعت کا حکم نہیں بن سکتا۔

حضرت عمر اولی الامر تھے۔ وہ کسی حق کو معطل یا عارضی طور پر منسوخ کر سکتے تھے مگر اسے جزوِ شریعت نہیں بنایا جا سکتا۔

حکومت پاکستان نے ہفتہ میں دو دن گائے، بکرا وغیرہ ذبح کرنا منع کیا ہوا ہے۔ قانوناً ان دو دنوں میں گوشت سرو بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دنوں میں گوشت کھانا حرام ہے ہرگز نہیں۔ اولی الامر کا حکم واجب الاطاعت ہے مگر وہ شریعت کا حکم نہیں بن جاتا۔

6- اس طلاق بدعت کے جواز میں چند احادیث بھی بیان کی جاتی ہیں۔ مگر اغلب یہ ہے کہ وہ (خود ساختہ) موضوع احادیث ہیں۔ ان احادیث میں ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اپنی بیوی کو طلاق دینے اور بوجوہ غیر موثر ہونے کی بابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

Marfat.com

حضرت حسنؓ کے ہم عمر تھے یا کم و بیش ہم عمر تھے۔ حضرت حسنؓ کی عمر بوقت وفاتِ رسولِ کریم صرف 8 سال تھی۔ کیا ان کی بابت شادی اور طلاق کی کہانی درست ہو سکتی ہے۔ عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔

7- احادیث جو جواز بنائی گئیں وہ کس دور سے متعلق ہیں۔ اس کی بھی وضاحت نہیں ملتی۔ سورۃ البقرہ کی آیات نازل ہوئیں مگر ان کی تعمیل میں کچھ مشکلات اور ابہام تھا جو سورۃ الطلاق نمبر 65 سے دور ہو گیا۔ سورۃ طلاق کے بعد کوئی حدیث طلاقِ بدعت کی تائید میں نہیں ہو سکتی نہ ہے۔

8- اور ایک مزید بات یہ کہ جن فقہائے نے اسے طلاقِ بدعت یا طلاق بدعی کا نام دیا ہے وہ جانتے تھے کہ یہ طریقہ قرآن و سنت کے مطابق نہیں۔ لہٰذا اس کی تائید حدیث سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک طرف ایک طریقہ کو بدعت یعنی جدت فی الدین یعنی قرآن و حدیث کے اعتبار سے بلا سند کہا جائے اور پھر اس کی تائید احادیث سے کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو یہ ہر دو متضاد ہیں۔

9- اب آخری بات ان متذکرہ بالا دلائل کے ضمن میں عرض کر دوں۔ قانون کے مطابق طالبعلم کی حیثیت سے میں اور دیگر وکلاء، جج وغیرہ سب ایک بات بلا شک و شبہ جانتے ہیں کہ اگر قانون میں کسی کام کرنے کا کوئی طریقہ مقرر اور مخصوص ہو تو وہ کام صرف اسی طریقۂ کار سے ہو سکتا ہے۔ اس طریقہ کے خلاف نہیں۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اللہ نے طلاق دینے کیلئے کیا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔

طلاق کے متعلق آیاتِ قرآنی:۔

سورۃ بقرہ کی آیات نمبر 228 تا نمبر 231 پہلے مع ترجمہ تلاوت کیجئے۔ یہ آیات کے اجزاء ہیں۔ ان کا ترجمہ علیحدہ تحریر ہے تاکہ بعد میں حوالہ کی سہولت میسر رہے۔

1- آیت نمبر 228 جزو۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ

ترجمہ جزو: ”جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین ایامِ ماہواری (حیض) تک اپنے آپ کو روکے رکھیں“

2- وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِی ذَالِكَ اِن اَرَادُوا اِصلَاحاً o

آیت نمبر 228 (جزو) البقرہ

ترجمہ: ان عورتوں کا نکاح میں روکے رکھنا رد کرنے سے بہتر ہے اگر اصلاح احوال کا ارادہ ہو۔

3- اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمسَاكٌ بِمَعرُوفٍ اَو تَسرِیحٌ بِاِحسَان o

آیت نمبر 229 (جزو) البقرہ

ترجمہ جزو: طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو (نکاح میں) روک لیا جائے یا خوش اسلوبی سے رخصت کر دیا جائے۔ آیت نمبر 230 میں طلاق کے بعد حلالہ کی شرط دوسری بار نکاح مابین فریقین عائد ہوئی۔ آگے ارشاد ہے۔

4 - وَاِذَا طَلَّقتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمسِكُوهُنَّ بِمَعرُوفٍ اَوسَرِّحُوهُنَّ بِمَعرُوفٍ وَلَا تُمسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعتَدُوا o

جزو آیت نمبر 231 سورۃ البقرہ نمبر 2

ترجمہ: "اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی مدت پوری ہونے کو آئے تو یا تو بھلے طریقہ سے ان کو روک لو (یعنی رجوع کر لو) یا خوش اسلوبی سے انہیں رخصت کر دو۔ محض ستانے کیلئے انہیں نہ روک رکھنا کہ یہ زیادتی ہو گی۔"

اب سورۃ الطلاق نمبر 65 کی آیت مع ترجمہ تلاوت کریں۔

5- یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحصُوا العِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُم لَا تُخرِجُوهُنَّ مِن بُیُوتِهِنَّ وَلَا یَخرُجنَ اِلَّا اَن یَّاتِینَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ وَتِلكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَن یَّتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَد ظَلَمَ نَفسَهٗ۔ لَا تَدرِی لَعَلَّ اللّٰهَ یُحدِثُ بَعدَ ذَالِكَ اَمرًا o فَاِذَا بَلَغنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمسِكُوهُنَّ بِمَعرُوفٍ اَوفَارِقُوهُنَّ بِمَعرُوفٍ وَّاَشهِدُوا ذَوَی عَدلٍ مِّنكُم وَاَقِیمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ o

آیات نمبر 2-1 سورۃ الطلاق نمبر 65

ترجمہ: "اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کیلئے طلاق دیا کرو اور عدت کے زمانے کا درست شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ زمانہ عدت میں نہ تم انہیں گھروں سے نکالو نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ صریح فحاشی کی مرتکب ہوئی ہوں۔ یہ اللہ کی

مقرر کردہ حدود ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ خود پر ظلم کرے گا، تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ (موافقت) کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب وہ اپنی عدت کی مدت کے خاتمہ پر پہنچیں تو انہیں بھلے طریقہ سے نکاح میں روک رکھو یا خوش اسلوبی سے ان سے جدا ہو جاؤ اور دو صاحبِ عدل گواہ بھی بنالو جو اللہ کیلئے شہادت دیں۔" آیت نمبر 4 میں حاملہ خواتین کی عدت کی حد ان کا وضع حمل ہے۔

6- اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ ؕ

آیت نمبر 6 سورۃ الطلاق نمبر 65

ترجمہ: ان (مطلقہ) عورتوں کو (زمانہ عدت میں) اسی جگہ رکھوں جہاں تم رہتے ہو جیسی جگہ بھی تمہیں میسر ہو اور اذیت دینے کیلئے تنگ نہ کرو۔

دلائل و تبصرہ

سورۃ البقرہ کی وہ آیات بابت طلاق جو نمبر 1 تا 3 اوپر نقل کی گئی ہیں میں یہ ابہام تھا کہ دو بار طلاق سے کیا مراد ہے۔ زندگی میں دو بار یا ایک ہی طلاق کے عندیہ کو دہرانا مقصود ہے یا پھر واپس ہونے یا رجوع کر لینے کی صورت میں دوسری بار طلاق کیسے سمجھا جائے گا وغیرہ۔ مگر اس حکم پر مسلمان عمل کرتے رہے اور رسولِ کریمؐ سے ہدایات لیتے رہے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ زمانہ جاہلیت کے بے ہنگم طریقہ ہائے طلاق کو مسلمانوں نے جان لیا کہ وہ غلط ہیں اور اس میں شائستگی کا طریقہ اللہ نے امر فرمادیا ہے لہٰذا اس ضمن میں رجوع اللہ اور رسول کی طرف کرنا ہے۔ مطلقہ عورت کی عدت کا وقت مقرر فرما کر بچوں کی ولدیت کو ابہام سے پاک فرمادیا۔ گویا طلاق کے شائستہ طریقہ کی طرف رہنمائی اور طلاق کے بجائے یکجائی کی پسندیدگی اور طلاق کی آزادی کے محدود ہونے کا واضح اعلان کر دیا گیا۔ عملی اعتبار سے طریقہ کی وضاحت سورۃ الطلاق میں بعد میں نازل ہوئی مگر طلاق کسی بھی صورت میں مقررہ مدت یعنی طلاق کے بعد تیسرے حیض کے آنے تک موثر نہیں ہو گی یعنی بائین نہیں ہو گی۔ یہ وضاحت آیت نمبر 231 میں فرمادی گئی جو نمبر 4 پر درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ارشادات یہ ہیں:-

Marfat.com

1- طلاق مقررہ مدت یعنی عدت کی مدت کیلئے دی جائے اور طلاق دیتے وقت اسے آخری فیصلہ نہ بنالیا جائے۔ اس حکم کا واضح نتیجہ یہ ہے کہ طلاق بائین مدت مقررہ سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ یہاں طلاق کے اعلان کیلئے طلاق کا لفظ ایک بار یا زیادہ بار کہہ دینے کی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی صرف اس کے بائین (Binding) ہونے کیلئے مہلت اور مدت کا ذکر فرمایا گیا۔ اس واضح حکم کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی شرعاً طلاق کو موثر نہیں کر سکتی اس لئے کہ حکم خداوندی کے خلاف کام شرعاً و قانوناً کالعدم اور ناقابل نِفاذ ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ مدت کیلئے طلاق کے حکم کو 3 بار طلاق کا لفظ دہرانے سے حکم خِداوندی کو باطل کیا جا سکتا ہے محض گمراہی ہے۔ یہ ارشاد کہ اس عدت کی مدت کا درست شمار رکھو مزید وضاحت کر رہا ہے کہ طلاق کے لفظ کہے جانے کی تعداد قطعاً غیر اہم ہے۔ اہم بات وہ مدت ہے جس کا شمار احتیاط سے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد طلاق دیئے جانے اور اس کی آخری طور پر موثر اور بائین ہونے کیلئے درکار وقفۂ عدت میں عورتوں کو گھروں سے نہ نکالنے اور ان کے نہ نکلنے کی تاکید بھی اس مدت کی اہمیت پر زور دے رہی ہے۔ تعدد لفظ طلاق پر نہیں۔ سورۃ بقرہ کی طرح یہ حکم اور اجازت کہ مدت ختم ہونے تک طلاق واپس لی جا سکتی ہے (جو اللہ کو بھی پسند ہے) سورۃ طلاق کی آیت نمبر 2 میں دوبارہ دہرائی جا رہی ہے۔ ان تمام احکام کی مصلحت بھی واضح کر دی گئی کہ اللہ موافقت اور صلح کی ممکن ہے کوئی صورت پیدا فرما دے۔ موافقت اور صلح اللہ کو پسند ہے یہ امر بھی واضح ہو گیا۔ اس مدت کے اختتام پر بھی اگر طلاق کے ارادہ پر قائم ہے تو دو گواہان عادل کر لینے کا حکم ہے کہ اب طلاق بائین ہو گی۔ ابتداء میں طلاق دیتے ہوئے کسی گواہ کی ضرورت نہیں۔ طلاق بدعت میں اعلان طلاق کے وقت ہی گواہان کرنا ہوتے ہیں۔ یہ بھی حکم خِداوندی کے مطابق نہیں۔

آیت نمبر 6 سورہ طلاق میں پھر مدت عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو جگہ تنگ ہو یا کشادہ ساتھ رکھنے کا حکم ہوا۔ یہاں بھی عدت کی مدت کا ذکر ہے نہ کہ طلاق کی گنتی کہ کتنی بار دہرائی جائے۔

اب آئیں اس آیت کی طرف جس میں ارشاد ہوا کہ "الطلاق مرتن" یعنی طلاق دو بار ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔ آیت مندرجہ نمبر 1 میں مطلقہ عورت کیلئے حکم ہے کہ 3 قروء تک اپنے نفوس کو روکے رکھیں۔ اس کے بعد آیت مندرجہ نمبر 3 پر دو مرتبہ

Marfat.com

طلاق کا ذکر فرمایا گیا کہ اس دوران چاہیں تو ان کو نکاح میں روک لیں یا پھر خوش اسلوبی سے رخصت کر دیں۔ یہی روکنے یا چھوڑ دینے کی بات (عدت کی مدت کے دوران) آیت مندرجہ نمبر 4 میں (آیت نمبر 213 سورۃ البقرہ) اور پھر آیت نمبر 2 سورۃ الطلاق (مندرجہ نمبر 5 بالا) میں ارشاد ہوئی۔

ان تمام آیات کی تلاوت سے بات واضح ہو گئی کہ دو بار طلاق عدت کی مدت میں حیض کی تعداد کے حوالہ سے ہے۔ ایک بار طلاق.......... طلاق کے بعد پہلی بار حیض آجانے پر مکمل ہو جاتی ہے۔ دوسرے حیض پر دوسری طلاق شروع ہو جاتی ہے اور تیسرے حیض پر طلاق بائین (ناقابل واپسی) یا ناقابل رجوع ہو جاتی ہے۔ ان تمام کی بنیادی تشریح آیت نمبر 228 سورۃ البقرہ مندرجہ نمبر 1 بالا میں مضمر ہے یعنی تین قروء (حیض یا ماہواری آنے) تک عورتوں کو رکے رہنے کا حکم۔ باقی تمام احکام' طلاقوں کی تعداد' رجوع کرنے کی مدت اور بائین (ناقابل واپسی) ہونے کے وقت کا تعین سب انہیں 3 قروء کے حوالے سے ہے۔ لفظ طلاق کے دہرانے سے 'ایک یا دو یا تین بار کہہ دینے سے نہیں ہے۔ ایک طہر میں ہزار بار بھی لفظ طلاق دہرانے سے ایک ہی طلاق واقعہ ہو گی اور 3 طہر یا تیسرے حیض سے قبل بائین یا موثر (Binding) نہیں ہو سکتی۔ البتہ اپنے کسی قول و فعل سے' جیسے کہ قسم کھالینا کہ طلاق واپس نہیں لوں گا' یا شرط طلاق پر دوسرا نکاح کر لینا یا طلاق دینے کیلئے معاوضہ وصول کر لینے سے مرد اپنے رجوع کے حق سے محروم ہو سکتا ہے لیکن طلاق موثر اور مکمل بہر صورت تیسرے حیض کے آنے یا دوسرے تیسرے طہر کے مکمل ہونے پر ہو گی۔ اگر 4 بیویوں میں سے ایک کو طلاق دی ہے تو مطلقہ بیوی کے 3 طہر تک وہ پانچواں نکاح نہیں کر سکتا۔

طلاق بدعت کی ایجاد کی ضرورت

یہ طریقہ طلاق بنی امیہ کے آخری دور حکومت میں ایجاد ہوا۔ اس کے بعد خلافت بنو عباس میں سب سے مقبول طریقہ طلاق بن گیا۔ پھر فقہ حنفیہ کا جزو بن گیا۔

قیاس یہ ہے کہ خلفاء اور امراء جن کے حرم میں 4 بیویاں موجود ہوتیں اور انہیں فوری طور پر اپنی نئی پسند کی بیوی لانا منظور ہوتی انہیں پہلی چار میں سے ایک کو طلاق دینا ہوتی تھی اور اس میں انہیں ظاہر ہے کہ اعتراض بھی نہ ہوتا ہو گا مگر ان کے سامنے مشکل مرحلہ وہ 2/3

Marfat.com

ماہ کا انتظار ہوتا تھا جو طلاق کے بائین ہونے کیلئے لازمی تھا۔ لہٰذا یہ طریقہ طلاق ثلاثہ ایک نشست یا ایک طہر میں کہہ کر طلاق کو بائین اور فوری طور پر موثر ہونے کا ایجاد کر لیا گیا۔ اسی طرح اگر ان خلفاء اور امراء کو کسی دوسرے کی بیوی پسند آجاتی اور خاوند طلاق پر بھی راضی نہ ہوتا تو اس سے جبریہ طلاق لے کر فوری طور پر نافذ العمل قرار دیا گیا اسے شرعی طور پر جائز قرار دلوادیا گیا۔ گویا طلاق بدعت اللہ کے احکام کی اللہ کی رضا کیلئے نہیں بلکہ بااقتدار و بااختیار طبقہ کی رضا کیلئے اللہ کے احکام کے ساتھ مذاق کیا ہے۔

خلاصۂ بحث

اللہ اور رسول کے تعلیم کردہ طریقہ طلاق یہ ہیں:

1- طلاق احسن۔۔۔ طلاق کسی طہر میں دی جائے جس میں اس بیوی سے مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اس کے بعد تیسرے حیض آنے تک رجوع نہ کیا جائے۔ یہ سب سے بہتر طریقہ ہے۔

2- طلاق حسن۔۔۔ مبینہ بالا طریقہ پر ایک طہر (دو حیض کے درمیانی طہارت کا وقفہ) میں طلاق دی جائے اور بعد کے ہر طہر میں اس طلاق کا اعادہ کرتے رہے۔ یہ طلاق حسن کہلاتی ہے۔ ان ہر دو میں قرآن و حکم نبوی کے مطابق طلاق ایک طہر (وقفہ طہارت) میں صرف ایک ہی طلاق ہو سکتی ہے چاہے منہ سے ہزار بار یہ لفظ دہرایا جائے۔ یہ ہر دو طلاق اگر عملاً یا واضح اعلان سے واپس نہ لی گئی تو تیسرے حیض کے اجراء پر بائین (ناقابل واپسی) ہو جاتی ہے۔ علماء کے مطابق اگر طلاق احسن طریقہ سے دی جائے تو مدت عدت ختم ہو کر گو طلاق بائن ہو جاتی ہے اور رجوع کی گنجائش نہیں رہتی مگر مابین فریقین ہلالہ کے بغیر بھی نکاح دوبارہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

3- غیر مدخولہ عورت یعنی وہ عورت جسے ابھی حیض آیا ہی نہ ہو یا آنا بند ہو چکا ہو اس پر طلاق فوراً بائین ہو جاتی ہے اس پر عدت گزارنا لازم نہیں۔ وہ فوراً نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

4- مدخولہ عورت (جسے حیض آتا ہو) کے ساتھ اگر خلوت صحیحہ یعنی زن و شوہر کی تنہائی میں یکجائی نہ ہوئی ہو اس پر بھی عدت واجب نہیں۔ اس پر فوراً طلاق بائین ہو جاتی ہے۔

5- ایک طہر میں خواہ کتنی ہی دفعہ طلاق دے دی جائے وہ اللہ کی مقرر کردہ مدت یعنی تیسرے حیض آنے تک بائین نہیں ہوتی۔

6- زندگی میں رجوع کا حق صرف دو طہر تک محدود ہے۔ اگر طلاق دے دی۔ طہر ختم ہونے سے پہلے واپس لے لی تو ایک طلاق اور ایک رجعت ہو گئی۔ اب جب دوبارہ طلاق دے تو ایک طہر تک واپس لے سکتا ہے دوسرے طہر میں وہ بائین ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر طلاق دے کر تیسرے حیض سے پہلے رجوع کر لیا یعنی واپس لے تو تیسری بار طلاق دے کر واپسی کا حق ختم ہو جائے گا۔ اللہ کے ارشاد "الطلاق مرتٰن (طلاق دو دفعہ ہے) کا یہی مطلب ہے اور مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ بار بار طلاق دے کر 3 مہینے میں رجوع کرتے رہنا اللہ کے قانون سے مذاق اور عورت کیلئے اذیت ناک ہے۔ لہٰذا صرف دو بار یا دو طہر تک رجوع ممکن ہے پھر نہیں۔

7- جبریہ طلاق یا مدہوشی میں طلاق اگر دی گئی ہو تو وہ غیر موثر ہے۔ جب تک بلا جبر و اکراہ اور ہوش و حواس کے ساتھ اس کی بعد میں تصدیق نہ ہو۔

8- عدالت نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ طلاق کا حکم دے سکتی ہے۔ خلع کی بنا پر زن و شوہر کا تعلق ختم کر سکتی ہے۔ لہٰذا اللہ کے اس انعام کا کہ اس نے اس اہم مسئلہ زندگی پر آخری فیصلہ سے پہلے غور و فکر کی مہلت دی اور تمام عواقب کو خصوصاً بچوں پر اس علیحدگی کے خراب نتائج پر خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کیلئے مہلت عطا فرمائی ہے۔ شکر ادا کیجئے کہ تین طہر تک طلاق موثر اور بائین نہ شرعاً ہے نہ قانوناً۔ طلاق ثلاثہ وقتی اشتعال میں یا بحالات جبر اگر دے بھی دی گئی ہے تو آپ کے پاس اللہ کی دی گئی مہلت موجود ہے رجوع کر لیجئے اور گھر، بیوی اور بچوں کو تباہی سے بچالیں۔

وما توفیقی الا باللہ

Marfat.com

آرائیش جمال اور ادائے نماز

کئی سال ہوئے کسی خاتون نے پی ٹی وی کے ذریعہ ایک عمومی نوعیت کا نہایت اہم سوال کیا تھا۔سوال یہ تھا کہ خواتین نے اکثر تقریبات پر میک اپ کرنا ہوتا ہے جسمیں نیل پالش اور لپ سٹک لازماً لگائی جاتی ہے کیا ان اشیاء کے استعمال کے ساتھ نماز ادا ہوسکتی ہے؟

جواب دینے والے مبینہ عالم نے بلا تحقیق وغور جواب میں فرمادیا کہ چونکہ نیل پالش کی وجہ سے ناخن پر پانی نہیں بہتا لھذا وضو نہیں ہوتا اور بغیر وضو نماز نہیں ہوسکتی۔انکے اس غیر ذمہ دارانہ جواب نے کتنی خواتین کے لئے نہایت مشکل انتخاب کا مسئلہ پیدا کردیا کہ وہ یا تو آرائیش ترک کریں یا نماز چھوڑ دینے پر مجبور ہیں۔استغفراللہ۔آج ہم اسی موضوع پر غور کرتے ہیں۔

نماز اللہ کی طرف سے عائد کردہ وہ فرض ہے جو کسی صورت معاف نہیں (بجز خواتین کے لئے چند ایام کے) اسلئے لازماً ہمیں اس مسئلہ پر غور کیلئے اللہ کے ارشادات اور رسول کریمؐ کی سنت مبارکہ سے راہنمائی حاصل کرنا ہے اور عقل سلیم بھی استعمال کرنا ہے۔پہلے ارشادات ربانی:

۱- کفار مکہ فرشتوں کو اللہ کی (معاذ اللہ) بٹیاں قرار دیتے تھے۔اپنے لئے نرینہ اولاد پسند کرتے۔ لڑکی انکے لئے سخت ناپسندیدہ اولاد ہوتی تھی۔اللہ اسی بات کا ذکر فرماتے ہوئے کہتا ہے۔

اَوَمَن ینَشّؤُ فیِ الحِلیۃِ و ھُوَ فی الخصام غیرُمبین ٥ جزو آیت نمبر 18

الزخرف نمبر 43

ترجمہ:"(اللہ کیلئے پسند کرتے ہو) کیا اس (جنس) کو جو زیورات و آرائیش میں پرورش پاتی ہے اور بحث میں واضح بات نہ کرسکے۔"

یہاں اللہ نے صنف نازک کی طبعی اور خلقی خواص کا ذکر فرمایا۔ایک زیورات و آرائش سے فطری رغبت اور دوسرے بحث وتمحیث میں بوجہ نزاکت اعصاب وفطری حیا وضاحت سے بات نہ کرنا۔

اس موضوع سے متعلق یہ بات واضح ہے کہ جنس نازک (خواتین) فطری طور پر آرائش اور زیوارت کی دلدادہ ہیں۔اور زیب وزینت پسند کرتی ہیں۔لھذا اس فطرت کے خلاف کوئی حکم شرعی نہیں ہوسکتا۔نہ آرائش اطاعت احکام میں مانع ہوسکتی ہے۔

پھر ایک جگہ ارشاد ہے

II يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُم عِندَ كُلِّ مَسجِدٍ ہ جزو آیت نمبر 31 الاعراف نمبر 7.

ترجمہ: اے نبی آدم نماز کیلئے خود کو مزین کیا کرو۔

III قُل مَن حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي اَخرَجَ لِعِبَادِہٖ ہ جزو آیت نمبر 31 اعراف نمبر 7

ترجمہ: (کہد یجئے کہ زینت و آرائش کو کس نے حرام کیا ہے یہ تو اللہ نے اپنے بندوں کیلئے بنائی ہیں)

ان آیاتِ مبارکہ میں بنی آدم کو خطاب ہے۔ مرد اپنے طور پر اور عورتیں اپنے طور پر مزین اور خوش نمائی اور اچھے لباس کے ساتھ نماز پڑھیں۔ لھٰذا زیور یا میک اپ نماز میں حائل ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری آیت میں زیب و زینت کو حرام قرار کئے جانے کے تصور کو قطعیت سے رد کر دیا گیا۔ اسلئے کہ ان کے بنانے کا مقصد ہی انسانوں کی خوش نمائی اور تسکینِ ذوق ہے اور خواتین کا فطری رجحان ہی زیبائش و آرائش کے ذوق پر رہا ہے اس ذوق میں شدت کو ناپسند بھی فرمایا گیا۔ کہ ذوقِ آرائش تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے آیت نمبر 28 سورۃ کہف نمبر 18 میں ارشاد ہے کہ زندگی کی آرائش تمہیں خدا کی یاد سے غافل نہ کردے۔ گویا یہ غلط ہوگا کہ خواتین میک اپ خراب ہونے کے ڈر سے نماز ہی چھوڑ دیں۔

اسکے علاوہ سورہ نور نمبر 24 میں خواتین کو باہر نکلتے وقت زیورات اور آرائش سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ ارشاد ہوا کہ اس زینت کے علاوہ جو خد بخود ظاہر ہو جائے دیگر زیورات کو چھپا لیا کریں۔ ملاحظہ ہو۔

IV وَلَا يُبدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنهَا ہ...... جزو آیت نمبر 31 النور نمبر 24

ترجمہ: (خواتین) اپنی زینت ظاہر نہ کریں بجز اسکے جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔ (گھر سے باہر)

اس مضمون سے متعلق ایک اور آیت تلاوت کیجئے جو دراصل ایک بنیادی پالیسی کا اعلان ہے۔ ارشاد ہوا۔

V مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجعَلَ عَلَيكُم مِن حَرَجٍ وَّلٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُم وَ لِيُتِمَّ نِعمَتَهٗ عَلَيكُم لَعَلَّكُم تَشكُرُونَ ہ آیت نمبر 6 المائدہ نمبر 5.

ترجمہ: (اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ اللہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تم پر نعمت مکمل کرنا چاہتا ہے تا کہ تم شکر گزار ہو)۔

Marfat.com

یہ آیت مبارکہ تیمم کی اجازت عطا کرتے ہوئے اتری۔ مطلب واضح ہے کہ مرض یا مجبوری ہو تو غسل اور وضو کے بجائے تیمم کی اجازت اسلئے دیگئی ہے کہ تم پر تکنیکی پابندیاں عائد کرنا اور پریشان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصد طہارت ہے۔ جسمانی آلائیش کے باوجود روحانی طہارت کا بحالات مجبوری یا دشواری صرف نیت اور تیمم کے عمل سے مقصد پورا ہو جاتا ہے تو کیا وضو کی نیت سے نیل پالش پر پانی کا بہ جانا کافی نہیں ہوگا۔

اور اب آخری آیت اس ضمن میں تلاوت فرمائیں جو حسن ترتیب کے اعتبار سے سورۃ النساء میں واقع ہے۔

VII يُرِيدُ اللّٰهُ اَن يُخَفِّفَ عَنكُم وَ خُلِقَ الاِنسَانُ ضَعِيفاه. آیت نمبر 28 سورۃ النساء نمبر 4 .

ترجمہ: (اللہ تم پر بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے)

یہ پابندیوں میں نرمی سب مرد و زن کیلئے کی گئی ہے۔ غیر ضروری رسومات کی پابندی ہر دو پر کم کر دیگی۔ مگر جب عورتوں کی سہولت کی بات ہوتی ہے تو ہماری سوچ کا زاویہ مختلف اور بے رحمانہ ہو جاتا ہے جو بالکل غلط ہے۔ اللہ نے کوئی ایسی سختی نہیں فرمائی جو اسکی اطاعت میں حائل ہوتی ہو۔

سنت نبوی سے دلائل

ہمیں نہیں معلوم کہ رسول کریمؐ کے دور میں خواتین آرائش کیلئے کیا اہتمام کرتی تھیں مگر ہمیں یہ معلوم ہے کہ مہندی خواتین اس زمانہ میں بھی لگاتی تھیں اور ہاتھ پاؤں پر اسکا رنگ پانی اور ہتھیلی کی کھال کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ مگر نہ مہندی لگانے سے منع فرمایا نہ اسے وضو نماز میں حارج فرمایا گیا۔

مہندی خضاب کے طور پر بھی لگائی جاتی تھی۔ اس سے بھی منع نہیں فرمایا۔

سرمہ لگانا خود سنت رسول تھا۔ سرمہ کی سیاہی پلکوں کی جلد کو چھپا لیتی ہے مگر غسل اور وضو میں حارج نہیں۔ سردیوں میں رسول کریمؐ چمڑہ کا موزہ کبھی کبھی پہن لیتے اور اس دوران وضو میں پاؤں دھوتے نہیں تھے بلکہ موزہ پر ہی مسح فرما لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل وضو کا نقص نہیں تھا۔

اسلئے نیل پالش اور لپ سٹک کیسے وضو میں حارج ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

عقلی دلائل

ان سب باتوں سے نتائج قرآن وحدیث سے حاصل کئے ہیں۔اب عقل سلیم سے پرکھئے کہ اگر بالوں میں غضاب، دانتوں پر پان یا سگریٹ کا میل ہاتھوں یا پاؤں پر مہندی، پینٹر کے ہاتھوں پر رنگ، رنگ ساز کے رنگین ہاتھ وغیرہ اور دیگر پیشہ ورانہ آلائیش جو پانی سے نہ دھل سکیں وضو میں حائل ہونے لگیں تو کتنے لوگ نماز سے محروم ہو جائینگے۔ دوسری طرف دیکھئے یہی نیل پالش وغیرہ وضو میں حائل ہو تو ظاہر ہے کہ غسلِ جنابت میں بھی حائل ہونگے پھر تو غسلِ جنابت اور غسل طہارت بھی نہیں ہوگا۔

گویا امت کی ایک کثیر تعداد ہمہ وقت حالت ناپاکی ہی میں رہتی ہے۔ کتنی نامعقول بات ہے۔ لھذا جو آلودگی، آلائیش یا آرائش پانی سے بہ سہولت نہ دھل سکتی ہو اس کی موجودگی میں بھی وضو، غسل طہارت و جنابت بالکل درست طور پر ہوتا ہے اگر پانی نہ ہو یا کسی مرض یا مجبوری سے پانی استعمال نہ کیا جا سکتا ہو تو صرف تیمم بھی طہارت کیلئے کافی ہے۔اللہ کو نیت کی پاکیزگی جس عمل سے بھی سہل ہو قبول ہے۔ وہ مصنوعی مشکلات اور فنی قسم کی خرابیاں اللہ کے تعمیل حکم میں حائل نہیں ہو سکتیں۔

آخر میں خواتین کیلئے میرا مشورہ ہے کہ نیل پالش جب صاف ناخنوں پر لگانے لگیں تو پہلے وضو کر لیں۔ حالت وضو میں نیل پالش لگا لیں پھر جب تک وہ پالش اتر نہ جائے وضو غسل اور نماز زیادہ بہتر ہوگی۔

Marfat.com

تصویر و تمثیل

حِلّت و حُرمت

امت مسلمہ روز اول سے ایک خالص موحد امت کے طور پر وجود میں آئی جسے شرک جلی، شرک خفی، بلکہ شرک کے شائبہ سے بھی مکمل انحراف کی تربیت دی گئی تھی۔ رسول کریمؐ کے کار رسالت میں قرآن حکیم اور احکام الٰہی پہونچانا، اور انکی حکمت کی وضاحت فرمانے کے علاوہ اصلاح و تزکیہ نفوس کرنا بھی شامل تھا۔ معاشرہ کے وہ لوگ جو اس دعوت کے پہلے مخاطبین تھے سر سے پیر تک شرک میں مبتلا تھے وہ بتوں کے علاوہ مختلف تصاویر کی بھی پرستش کرتے تھے۔

رسول کریمؐ نے ایمان لانے والوں کی عبادت ہی سے شرک کو محو کرنا نہیں تھا بلکہ ہر قسم کے شرک سے انکے قلب و دماغ کو بھی پاک کر دینا تھا۔ دکھائی دینے والے خود ساختہ خداؤں کی عبادت کرنے والوں کیلئے ان دیکھے ایک خدا کا وہ تصور کہ جو کسی شے کی مانند بھی نہ ہو کس قدر دشوار ہو سکتا ہے اہم ہے۔ ہر قسم کے خدائی تصور کو شرک سے پاک رکھنے کیلئے تمثیل و تصویر ہر دو کو گھروں میں بھی رکھنا منع فرما دیا گیا۔ یہ خدائی حکم نہ تھا بلکہ اس معاشرہ سے متعلق افراد کا تزکیہ نفس مقصود تھا۔ ان حالات میں اور اس دور میں جبکہ تصویر کشی و تمثیل گری کا بنیادی مقصد ہی عبادت گاہوں کی مانگ کو پورا کرنا ہوتا تھا یا شاذ و نادر بادشاہوں اور صاحب ثروت لوگوں کی اسکی ضرورت ہوتی تھی مسلمانوں کو اس فن کی چنداں ضرورت نہ رہی۔

اسلامی تہذیب جہاں اور جس دور میں بھی پروان چڑھی اس میں کسی ذی روح کی تصویر یا تمثیل کا کوئی مقام کبھی نہیں رہا۔ بلکہ اس فن سے تنفر اور انحراف ہی شدید رہا۔

امت مسلمہ میں تصویر کشی اور تمثیل گری و مجسمہ سازی کی صلاحیت کا فقدان نہیں تھا مگر اس صلاحیت کے نشو و نما کے سازگار حالات کبھی نہیں رہے۔ لھذا اس صلاحیت نے نقاشی اور خطاطی کا راستہ اختیار کر لیا اور مناظر قدرت کی نقاشی، پتھروں پر بیل بوٹے پھول وغیرہ اور آیات قرآنی کی نقاشی، قرآن حکیم کی گوناں گوں خوبصورت اور دلکش تحریرات مسلمانوں کا خصوصی فن بن گیا۔ خطاطی (Caligraphy) میں آج بھی عظیم خطاط خود پاکستان میں موجود ہیں۔ یہ فنون لاجواب بھی ہیں اور لازوال بھی۔ مسلمانوں کی عظیم تاریخی عمارتیں اور قرآن حکیم کی متنوع خوبصورت جلدیں تمام عالم میں ان فنون میں مسلمانوں کے بے مثال ہونے کی شہادتیں ہیں۔

یہ باتیں بہرحال ضمنی تھیں ہمارا اصل موضوع تصویر و تمثیل کی حلتِ و حرمت کے اسلامی تصور کا

Marfat.com

جائزہ لینا ہے۔

تمثیل کا مطلب مجسمہ ہے یعنی کسی ذی حیات آدمی، جانور، پرندہ کے مثل کوئی مصنوعی چیز بنا دینا اسکی تمثیل یا اسکا مجسمہ ہوگا۔ گویا اصل کے مثل (مانند) بنا دینا۔

تصویر و تمثیل میں فرق

تصویر و تمثیل جن معنی میں اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے ان الفاظ کا قرآنی مفہوم اس سے بہت مختلف ہے۔ لھٰذا مضمون زیرِ غور کیلئے اسکی وضاحت بہت ضروری ہے تا کہ قرآن حکیم سے صحیح استفادہ کیا جاسکے۔

اردو میں تصویر کا مفہوم کسی پردہ یا ٹھوس سطح پردہ کاغذ ہو، کپڑا ہو، پتھر ہو یا جو کچھ بھی ہو اس پر ایک یا زیادہ رنگوں سے زندہ یا غیر زندہ، حقیقی یا تصوراتی کسی بھی شے کے نقوش کو انسانی آنکھ کیلئے محسوس بنا دینے کا نام تصویر ہے۔

جبکہ قرآن حکیم کے مطالعہ سے ایک قطعاً مختلف تصور سامنے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے بعد صورت و شکل و کھال و ہڈیوں، بالوں وغیرہ کی فراہمی کو تکمیل یا تصویر کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے یہ بات جانداروں کے سلسلہ میں کہی گئی۔ اللہ نے کسی شے کو پیدا کرنے اور صورت شکل وغیرہ سے مکمل فرمانے کو دو علیحدہ مراحل قرار دیا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہے۔

خَلَقَ فَسَوّٰی (پیدا کیا پھر تکمیلی شکل عطا کی) آیت نمبر 2 الاعلیٰ 87 پھر اللہ نے تخلیق کو نہیں بلکہ تکمیل کو اپنی مصوری قرار دیا۔ چند آیات اس ضمن کی ملاحظ فرمائیے۔

1- هُوَ الَّذِی یُصَوِّرُکُم فِی الاَرحَامِ کَیفَ یَشَاءُ ہ آیت نمبر 6 آل عمران نمبر 3
وہ اللہ ہی ہے جو ماؤں کے پیٹ (رحم) میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے)

2- (وَلَقَد خَلَقنَا کُم ثُمَّ صَوَّرنَا کُم ثُمَّ قُلنَا لِلمَلٰئِکَۃِ اسجُدُوا لِاٰدَمَ ہ آیت نمبر 11 الاعراف نمبر 7
(ہم نے تم کو پیدا فرمایا پھر تمہاری صورت بنائی پھر فرشتوں کو کہا آدم کو سجدہ کرو)

3- وَصَوَّرَکُم فَاَحسَنَ صُوَرَکُم ہ۔ آیت نمبر 64 جز و المومن نمبر 40 (جز و)
(اس نے تمہاری صورت بنائی اور بہت عمدہ بنائی)

4- هُوَ اللّٰهُ الخَالِقُ البَارِئُ المُصَوِّرُ لَهُ الاَسمَاءُ الحُسنٰی ہ آیت نمبر 24 الحشر نمبر 59
(وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کرتا ہے منصوبہ کے مطابق صورت بناتا ہے اسکے بہترین نام ہیں)

5- فِی اَیِّ صُورَۃٍ مَا شَاءَ رَکَّبَکَ ہ آیت نمبر 8 الانفطار نمبر 82۔

Marfat.com

(جس صورت میں (اللہ نے) چاہا جوڑ کر تجھ کو تیار کیا)

ان تمام آیات مبارکہ میں مفہوم زندہ شخصیتوں کو صورت شکل اور جسم دینے کا لفظ تصویر، مصور، صَوَّرَ، سے ادا فرمایا گیا۔ گویا اللہ کا تصویر سے مطلب پیدائش کے بعد تکمیل ظاہری کرنا اور زندہ ہستی کو ظاہری صورت عطا کرنا ہے۔

تمثیل

اب لفظ تمثیل کے معنی قرآن حکیم کی رو سے معلوم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (میرے محدود علم کی حد تک) قرآن میں تمثیل کا لفظ کسی زندہ مخلوق کیلئے استعمال نہیں فرمایا۔ البتہ کہیں کہیں مثل کا لفظ کسی حد تک ان معنی میں استعمال فرمایا۔ جیسے اپنی لامحدود قوت کا اظہار اس طرح فرمایا کہ میں اس جیسی کائنات جب چاہوں دوبارہ پیدا کردوں یا حضرت ایوب کیلئے فرمایا گیا کہ انکے اہل و عیال انہیں لوٹائے اور انہیں کی مثل اور بھی دے وغیرہ مگر لفظ مثل کا اور تمثیل کا مادہ ایک ہونے کے باوجود تمثیل کا مفہوم صرف مجسمے کیلئے آیا ہے۔ زندہ ہستیوں، جانوروں یا خیالی زندہ اشیاء کے مانند کسی مصنوعی تخلیق کو تمثیل کے لفظ سے بیان فرمایا گیا۔

ان تماثیل کو استعمال کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک وہ مجسمے (حقیقی یا خیالی) جو بغرض عبادت بنائے گئے ہوں یا عبادت کیلئے منتخب کر لئے گئے ہوں انہیں صنم (جمع اضام) فرمایا گیا۔ جو مجسمہ آرائش یا زیبائش یا عبادت کسی بھی مقصد کیلئے ہوں انہیں بھی تمثیل فرمایا گیا ہے چند آیاتِ قرآنی تلاوت کریں۔

1- وَاِذ قَالَ اِبرَاهِيمُ لِاَبِيهِ آزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصنَاماً اٰلِهَةً ٥ آیت نمبر 74 جز والانعام نمبر 6
(اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے)

2- وَاِذ قَالَ اِبرَاهِيمُ رَبِّ اجعَل هٰذَا البَلَدَ آمِناً وَّ اجنُبنِي وَ بَنِيَّ اَن نَّعبُدَ الاَصنَامَ ٥ آیت نمبر 35 ابراہیم نمبر 14
(اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ اے رب اس شہر (مکہ) کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا)

3- اِذقَالَ لِاَبِيهِ وَ قَومِهِ مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي انتُم لَهَا عٰكِفُونَ ٥ آیت نمبر 52 الانبیاء نمبر 21
(جب (ابراہیمؑ) نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ تماثیل (مورتیں) کیسی ہیں جن کے تم گرویدہ ہو رہے ہو)

Marfat.com

4- وَتَاللّٰہِ لَاَکِیۡدَنَّ اَصۡنَامَکُمۡ بَعۡدَ اَنۡ تُوَلُّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ۝ آیت نمبر 57 الانبیاء نمبر 21۔
(قسم اللہ کی تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لونگا)

5- یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ وَ جِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ آیت نمبر 13 سبا نمبر 34
(وہ اسکے لئے جو وہ (سلیمانؑ) چاہتا بناتے، اونچی عمارتیں تماثیل (مجسمے) بڑے حوض جیسے لگن اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی دیگیں)

حلت تصویر و تمثیل

موجودہ گفتگو کا موضوع تصویر و تمثیل کی حلت یا حرمت کا فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں کرنا ہے۔

قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہے کہ:

1- لفظ تصویر اللہ نے زندہ ہستیوں کیلئے استعمال فرمایا جنہیں اللہ نے بطور مصور شکل و صورت عطا کی ہے۔

2- لفظ صنم صرف ان مجسموں کیلئے استعمال کیا گیا جو پرستش اور عبادت کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

3- لفظ تمثیل ان مجسموں کیلئے استعمال ہوا جو آرائش کیلئے بنائے جاتے ہیں یا عبادت کیلئے ہر دو اقسام کیلئے یہ لفظ استعمال ہوا۔

ایک بات یقینی ہے کہ کسی جگہ بھی قرآن حکیم میں تصویر یا تمثیل کو حرام نہیں فرمایا گیا۔ ہر چیز جو فرض کی گئی یا حرام قرار دیگئی وہ اللہ نے براہراست قرآن میں فرض یا حرام فرمائی ہے رسول کریم کو ان چیزوں کے حلال قرار دینے کا اختیار دیا گیا جو غلط طور پر معاشرہ نے حرام کرلی تھیں مگر حرام قرار دینے کا اختیار رسول کریم کو نہیں دیا گیا نہ ہی رسول کریمؐ نے تصویر یا آرائشی مجسموں کو حرام قرار دیا ہے۔ فحش تصویر ہو تمثیل ہو یا کوئی چیز یا عمل وہ اسلئے حرام ہے کہ فحاشی کو اللہ نے حرام فرمادیا ہے۔

دوسری اہم بات آیت نمبر 13 سبا نمبر 34 مندرجہ بالا سے یہ واضح ہے کہ حضرت سلیمانؑ اجنہؑ سے تماثیل (مجسمے) بھی بنواتے تھے۔ بلند عمارتوں کے ساتھ تماثیل کا ذکر یہ بات واضح کرتا ہے کہ اس زمانے کی تہذیب و ثقافت جسکی مثالیں چین، ہندوستان، یونان وغیرہ میں ملتی ہیں یہ مجسمے آرائشی تھے۔ جیسے نیزہ بردار دربان، پانی اگلتے شیر، ستونوں کا بوجھ اٹھائے ہاتھی وغیرہ ہوتے

Marfat.com

تھے ۔اسی قسم کا رواج تھا۔اس آیت کی خود ساختہ تاویل سے اللہ کے الفاظ کو حسب منشاء الفاظ و معنی پہنانا دراصل تصویر و تمثیل کی خود ایجاد کردہ حرمت پر اصرار کرنا ہے ۔قرآن سے سیکھنے کے بجائے قرآن کو سکھانے کی سفاک جرات ہے ۔کسی نبی نے کبھی وہ کام شاید نہیں کیا جو آخر کار قرآن حکیم نے حرام فرمایا ہو۔زنا، چوری، جھوٹ، شراب، خون، مردار، غیر اللہ کے نام کا کھانا یا خنزیر خوری وغیرہ۔لہٰذا کسی نبی کا مجسمہ بنوانا اگر ثابت ہے تو قرآن سے اسکی حرمت ثابت نہیں لہٰذا تصویر و تمثیل کو حرام کہہ کر ایک حرام کام ایک نبی سے منسوب کرنا گستاخی ہے۔

تصویر و تمثیل بذات خود حرام نہیں بلکہ انکا وہ مذموم استعمال حرام ہے جو شرک ہے ۔عبادت کیلئے درخت ، دریا، جانور سانپ، ہاتھی، بندر وغیرہ آج بھی متبرک سمجھے جاتے ہیں تو کیا پیپل کا درخت، بندر، ہاتھی اور سانپ اسلئے واجب القتل ہو جائیں کہ انہیں شرک کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے؟ ۔ہرگز نہیں۔اس لئے مجسمہ بذاتِ خود حرام نہیں۔

اللہ کے احکام کا گہرائی سے مطالعہ کیجئے تو ایک بات بالکل واضح ہو جائیگی کہ اس نے کسی انسانی صلاحیت کی مطلق نفی کبھی نہیں فرمائی ۔اس صلاحیتکی تربیت فرمائی اس صلاحیت کا شائستہ اور مفید طریق استعمال بتا کر اسے Channalise کیا ہے روکا (Obstruct) نہیں کیا لہٰذا اس انسانی صلاحیت پر کوئی قدغن نہیں بت پرستی، تصویر پرستی، قبر پرستی، ارواح پرستی، مظاہر فطرت پرستی یہ سب شرک ہیں مگر صرف شرک ممنوع ہے یہ موضوعات شرک حرام یا ممنوع نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے چند بت توڑے اسلئے کہ انہیں خدا سمجھا جاتا تھا تو ان کا بے بس ہونا ثابت کرنا مقصود تھا۔رسول کریمؐ نے بت تڑوائے کہ منافقین انہیں پھر عبادت کیلئے استعمال نہ کرنے لگیں۔آپؐ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ جہاں مجسمہ دیکھو توڑ دو۔چاہے وہ احرام مصر ہوں یا بدھ کے مجسمے ہوں حضرت عمر یا بعد کے خلفاء نے احرام پر بنے شیر وغیرہ کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ اسلئے کہ وہ عبادت کیلئے استعمال نہ ہوتے تھے آرٹ کا شاہکار تھے۔

حرمت کا تصور۔۔۔کیوں

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں بتوں اور بت پرستی سے بیزاری انکے مذہب کا بنیادی عقیدہ ابتداء سے تھا مگر تصویر و تمثیل کی حرمت کا تصور کیوں اور کب پیدا ہوا۔

تجزیہ سے جو وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ کو قرآن حکیم نے رسول کریمؐ کی بعثت کے 3 بنیادی مقاصد بیان فرمائے ۔تلاوت قرآن یعنی تبلیغ قرآن، حکمت آیات کی وضاحت اور تیسرے تذکیہ

Marfat.com

نفس۔

كَمَآ اَر سَالنَا فِيكُم رَسُو لاً مِّنكُم يَتلُوا عَلَيكُم آيَا تِنَا وَ يُذَ كِّيكُم وَ يُعَلِّمُكُم الكِتٰبَ
وَ الحِكمَةَ وَ يُعَلِّمُكُم مَّا لَم تَكُونُو اتَعلَمُون o

ترجمہ:۔ ہم نے خودتم میں ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے تمہارے نفوس کا تذکیہ کرتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

اب جس معاشرہ کا آپؐ نے تذکیہ فرمانا تھا وہاں ہر شکل وصورت کے مجسموں اور ہر قسم کی تصویروں کی پرستش عام تھی۔ غریب لوگ جو مجسمے خرید کر گھروں میں نہیں رکھ سکتے تھے دیواروں پر بے ہنگم تصاویر بنا کر کسی خودساختہ معبود کا نام اسے دیدیا جاتا اور اسکی پرستش وعبادت لائق ثواب گردانا جاتا۔ وہ پورا معاشرہ عبادت کے سلسلہ میں خوگرِ محسوسات تھا۔ جیسے آج بھی ہند دمعاشرہ ہے اس معاشرہ میں جن افراد نے اس ان دیکھے خدائے واحد کی پکار پر لبیک کہا وہ سب جانتے تھے کہ وہ ایک ہے اور اسکا کوئی شریک نہیں مگر وہ کیا ہے کہاں ہے کسی صورت وشکل کا ہے وغیرہ وہ سوالات ہیں جو آج بھی ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب سوالوں کا جواب اللہ نے دیا۔

يَسَ كَمِثلِهِ شَئىُ آیت نمبر 11 (الشوریٰ) نمبر 42
(وہ کسی بھی شے کی مانند نہیں)

ہم سب جانتے ہیں کہ کسی شے کے تصور کرنے کے مقابلہ میں ہر شے کے تصور سے ذہن کو خالی کرنا کسقدر دشوار ہے اور کتنی لمبی ریاضت اس انخلاءِ تصور کیلئے درکار ہے۔

رسولِ کریمؐ صحابہ کے خلوص کے ساتھ انکی اس غیر مرئی خدا کے تصور کی دشورای سے بدرجہ اتم باخبر تھے لھذا پہلا قدم جو اس تذکیہ کیلئے آپ نے تجویز فرمایا وہ یہ تھا کہ ہر قسم کی تصویر وتمثیل جس پر خدا ہونے کا کبھی گمان کیا گیا یا کیا جاسکتا تھا ماحول سے خارج فرمادی گھروں میں رکھنا ممنوع فرما دیا یہ تذکیہ نفس کی طرف اس معاشرہ میں قدم اوّل تھا۔

اس تدبیر سے وہ معاشرہ آہستہ آہستہ ان محسوس، مصنوعی اور خودساختہ خداؤں کے تصور سے پاک ہوگیا اور حقیقی خدائے واحد کا تصور جاگزیں ہوگیا۔

رسول کریمؐ کا وہ امتناعی اور احتیاطی احکام بابت تصویر وتمثیل اعلان حرمت نہیں تھے بلکہ اقدام تذکیہ نفوس تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اسکی ضرورت ختم ہوگئی۔ آج بھی ہندو معاشرہ کا جو فرد ان دیکھے اللہ پر ایمان لائے تو اسے اپنے گھر کو اس قسم کی ہر چیز سے پاک کردینا چاہیے جس

Marfat.com

پر خدا ہونے کا گمان کر کے وہ ان دیکھے خدا کی طرف رجوع کرنے میں مشکل محسوس کرے۔

میرے اس قیاس کی تائید ایک مستند حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک صحابی کسی سفر سے واپس آئے انکی انگوٹھی میں نگ پر شیر کی تصویر کندہ تھی۔ نماز شروع کرنے سے قبل انہوں نے رسول کریمؐ سے عرض کیا کہ اس انگوٹھی کے ساتھ وہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تصویر اوپر سے نظر تو نہیں آتی؟ عرض کیا کہ نہیں نظر نہیں آتی۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ پھر حرج نہیں نماز پڑھ لو۔

اس حدیث پر غور فرمائیں تو دو باتیں واضح ہیں ایک یہ کہ تصویر کندہ شدہ انگوٹھی پہننا مطلقاً ممنوع نہیں تھا ورنہ وہ صحابی وہ انگوٹھی ہی نہ پہنتے۔ اگر پہن لیتے تو یہ سوال نماز کیلئے نہ کرتے اور اگر سوال کرتے تو رسول کریمؐ کا جواب تصویر کی حرمت ہوتا۔ تفصیل پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔

2- رسول کریمؐ کسی حرام شے کی اجازت چاہے چھوٹی ہو یا بڑی ہرگز نہ دیتے۔ شراب کا ایک قطرہ بھی اتنا ہی حرام ہے جتنی کہ بوتل۔

3- رسول کریمؐ کا جوابی سوال اور پھر اجازت واضح کرتا ہے کہ اگر اللہ کے تصور میں تصویر کے حائل ہونے کا امکان نہیں تو تصویر جائز ہے۔ گویا تصویر حرام نہیں تھی بلکہ اللہ کے تصور میں کسی شے کا حائل ہونا حرام ہے۔ تصویر کی بابت امتناع بوجہ حرمت نہیں بلکہ بغرض تذکیہ تھا۔

لہذا یہ طے ہے کہ تصویر و تمثیل بذاتِ خود حرام و ممنوع نہیں۔

عقلی جواز۔

متذکرہ بالا نقلی جواز یعنی قرآن و حدیث سے جواز کے علاوہ عقلی جواز بھی واضح ہے۔

اسلام سلامتی فکر و عمل کا نام ہے وہ شے یا وہ حکم (بجز عبادات اور طریق عبادات) جو عقل سلیم کے خلاف ہو وہ اسلام نہیں۔ عبادت اسلئے اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے کہ شہنشاہِ کائنات اپنی تعظیم کیلئے جو چاہے طریقہ مقرر فرما دے ہمیں اسکی رضا کیلئے اسی طرح عبادت کرنی ہے چاہے ہماری عقل اسے تسلیم کرے نہ کرے باقی تمام احکام ہماری فطرت کے مطابق ہونا عقل سلیم میں آجاتے ہیں۔

اگر اللہ کا فضل اور توفیق ہو ایک صلاحیت جب اللہ کی عطا کردہ ہے جیسے کہ ہر صلاحیت اسکی دی ہوئی ہے تو اس صلاحیت کے استعمال کو کلیتاً رد کر دینا عقل سلیم کے خلاف تھا۔

دوسرے یہ کہ کل کائنات کو اس نے ہماری بہبود کیلئے مسخر کیا ہے۔ تو کیا وہ فن جو خود ہم میں اپنی بہبود کیلئے موجود ہے اسکے استعمال سے روکا جاتا۔

Marfat.com

تصویر کی افادیت پچھلی صدی سے گزرتے وقت کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے یہ ایک نہایت مفید سائنس ہے۔ بچوں کی یا فاترالعقل بڑوں کی گمشدگی ہو، مجرم کی تلاش ہو لائسنس کی احتیاط ہو، پاسپورٹ اور ویزہ کی سہولیات، بے نام لاشوں اور معذوروں کے ورثاء کی تلاش، غرضیکہ اس فن اور شعبہ کے لاتعداد فوائد ہیں اور آجکی زندگی میں یہ سائنس قطعاً ناگذیر ہے ٹی وی کے بغیر آپ بے زار بھی رہتے ہیں اور بے خبر بھی۔ اسلام انسانی معاشرہ میں کسی بھی مفید علم اور صنعت کو منع نہیں کرتا بلکہ انکے علم کے حصول کو فریضہ گردانتا ہے۔ البتہ فحش تصاویر ہوں یا تماثیل، بلیک میلنگ کا مواد ہو یا کسی بھی اعتبار سے مضرت رساں کارروائی وہ اسلام ہی نہیں قانون بھی سختی سے منع کرتا ہے۔ ہر معاشرہ گندگی کی اجازت نہیں دیتا۔

آج سے پچاس سال قبل تک ہر عالم دین تصویر و تمثیل کو حرام گردانتا تھا مگر آج ٹی وی پر تقریر ہو کہ تدریس، قرأت قرآن ہو کو نعت خوانی، شادی بیاہ میں نکاح خوانی ہو یا محفل سرود علماء بے تکلف اور بغیر اعتراض بلکہ بصد شوق تصاویر بنوا رہے اور نشر کرا رہے ہیں۔ وہ خود کو مجرم یا گنہ گار خیال نہ کریں۔ نہ اپنے مواعظ اور خطابات سے ایک غلط تشریح کے پردہ میں دوسروں کو ذہنی خلجان اور ضمیر کی خلش میں مبتلاء کریں۔ تصویر حلال ہے مجسمہ سازی حلال ہے اللہ اور رسول نے اسے کبھی حرام قرار نہیں دیا۔

الحمد اللہ ○ الٰہ الاسماء الحسنیٰ ○

Marfat.com

تواصوبالحق

ایک شیعہ بزرگ کا علمی مراسلہ اور

اس کا

قرآن وحدیث اور تاریخ سے جواب

صاحب خط بزرگ سے اجازت لئے بغیر ان کا نام میں نہیں دے سکا مگر خط کا مکمل متن شائع کر رہا ہوں۔ ہر قابل جواب حصہ پر A,B,C وغیرہ مارک میں نے خود لگایا ہے۔ خط کے مارک شدہ حصہ کا اسی مارک کے تحت جواب تحریر ہے تاکہ جواب کو خط سے منسلک کرنے میں سہولت ہو۔

اس ضمن میں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ جنت یا دوزخ کا فیصلہ مالک یوم الدین... اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی شخص یا فرقہ اس فیصلہ کا مجاز نہیں اور نہ ہی کوئی یہ فیصلہ صادر کرے کہ یہ اللہ کی شان میں گستاخی ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کے مطابق میرا یہ ایمان ہے کہ کوئی شخص کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو اگر اللہ کی وحدت اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور نیک اعمال کرتا ہو تو وہ غم واندیشہ سے پاک ہوگا۔ اور جنت کا مستحق ہوگا۔

لیکن ہم محمد ﷺ کو رسول ماننے اور قرآن کو اللہ کی کتاب مان لینے کے بعد نیک اعمال میں احکام قرآنی کے پابند ہیں۔ ہمارے لئے قرآن وسنت کے خلاف ہر عقیدہ و عمل باعثِ گناہ ہے بشرطیکہ وہ عقیدہ یا عمل دانستہ طور پر خلاف قرآن کیا گیا ہو۔ ہماری نجات صرف قرآن وسنت کی پیروی میں مضمر ہے۔

یہ قرآنی احکام اور رسول اللہ کی سنت سب تک پہنچا دینا تواصوبالحق ہے۔ لاعلمی کی وجہ سے ہم سب غلطیاں کر سکتے ہیں اور کرتے بھی ہیں مگر قرآن وسنت کی دلیل سامنے آجانے کے بعد اصلاح لازمی کرنا چاہئے۔ پھر بھی نیک نیتی سے اختلافِ رائے ہر شخص کو اللہ کا بخشا ہوا حق ہے۔

یہ خط اور اسکا جواب صرف تواصوبالحق کے طور پر شائع کر رہا ہوں۔ اللہ ہم سب کو ہدایت اور عملِ صالح کی توفیق دے۔ آمین

راشد مسعود عفیہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

مکرمی صاحبزادہ راشد مسعود صاحب! السلام علیکم

میں ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی کتاب "ذوق آگہی" پڑھنے کا موقع مجھ کو عطا فرمایا میری استعداد اور علمیت ان امور میں بالکل واجبی ہے مگر اپنی دنیوی تعلیم اور تربیت کی بنا پر جو کچھ پڑھتا ہوں یا سنتا ہوں' اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد نتائج اخذ کرتا ہوں۔

A انفرادی طور پر بغیر عربی زبان پر عبور حاصل کئے' قرآن مجید کو سمجھنا ایک دشوار کام ہے۔ کہنے کو تو لوگ کہتے ہیں کہ بہت آسان ہے اور ہر شخص پڑھ کر سمجھ سکتا ہے۔ ہم سب مدرسوں اور کالجوں میں جا کر تعلیم کیوں حاصل کرتے ہیں۔ گھر بیٹھے اقبال اور شیکسپئر کا کلام پڑھ لیا کریں اور اس کو سمجھ لیا کریں مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ خود پڑھیں گے تو ان کے کلام کی باریکیوں اور رموز کو بغیر استاد کی مدد کے نہیں سمجھ سکتے۔ خود قرآن مجید فرماتا B ہے کہ اس میں آیات محکمات بھی ہیں اور آیات متشابہات بھی اور متشابہات کو وہی سمجھتے ہیں جو خود راسخون فی العلم ہیں۔

بہرکیف مجھ کو آپ کی کتاب میں دیئے ہوئے آپ کے خیالات اچھے بھی لگے۔

آپ کی تشویش ملک و ملت کی بابت قابل تحسین و تعریف ہیں۔ افسوس کہ ہم اللہ اور رسولؐ کے احکامات اپنی اولاد کو نہیں پہنچاتے اور پیچیدہ مسئلوں میں اُلجھ کر ان کے دماغوں اور مزاجوں میں تعصب پیدا کر کے مصیبتوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اگر ملت بنیادی طور پر وحدانیت اللہ اور روزِ حساب پر ایمان لے آئیں اور صالح عمال شعار کریں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ہماری مدد یہاں بھی کرے گا اور آخرت میں بھی۔

سب امور پر تو میں تبصرہ یا تنقید نہیں کر سکتا مگر چند ایک امور پر اپنا نظریہ ضرور پیش خدمت کروں گا۔ اُمید ہے آپ ان پر غور فرمائیں گے۔

آپ نے "اللہ اکبر" اور الرحمٰن الرحیم" کی اچھی تشریح کی ہے مگر کتاب کے صفحہ 13-15 پر "اہل بیت" کے موضوع پر ایک متنازع بات کہہ دی۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ ان

مسائل میں اُلجھے بغیر اپنے افکار بیان کرتے رہتے اس طرح حقیقتوں اور قیاس کو ملا جلا دیا ہے جس کو انگریزی میں کہا جائے تو یوں ہو گا کہ Facts اور Value Judgement کو مکس کر دیا ہے۔

سورہ احزاب کی آیات 32 سے 34 تک پڑھیں تو ان میں اول و آخر ازواج محرمات کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم کو عملی طور پر مسلمان عورتوں کے لئے نمونہ عمل بننا چاہئے مگر ان دونوں تنبیہوں کے درمیاں انتہائی فضیلت کا اظہار آیہ تطہیر میں کیا جا رہا ہے۔ آیہ تطہیر کے اوپر جتنے افعال آئے ہیں' وہ سب جمع مونث کے صیغے میں ہیں جیسے ان اتقیتن' فلا تخضعن' قرن' لا تبرجن' اقمن' آتین' اطعن اس کے بعد یکایک درمیان میں جمع مذکر حاضر کی ضمیریں استعمال ہونے لگیں عنکم' یطھرکم پھر جمع مونث کے فعل آنے لگے واذکرن' فی بیوتکن' اگر آیہ تطہیر میں ازواج رسولؐ شامل ہیں تو بجائے مذکر کے اس آیت میں بھی جمع مونث حاضر پائی جاتیں۔ ظاہر ہے آیہ تطہیر کہیں اور کا حصہ معلوم ہوتی ہیں۔

اہل بیت کون ہیں' اس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔ ثعلبی نے یہ روایت حضرت عائشہؓ سے کی ہے:

"جس وقت بی بی عائشہ سے جنگ جمل کے بارے میں اور اس تباہ کن جنگ میں ان کے عمل دخل کے سلسلے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ تقدیر خداوندی تھی اور جب حضرت علیؓ کے بارے میں سوال ہوا تو کہا:

تسلی عن احب الناس کان الی رسول الله و زوج احب الناس کان الی رسول الله لقد رایت علیا وفاطمه و حسنا" و حسینا" علیهم السلام و جمع رسول الله بثوب علیهم ثم قال اللهم هولاء اهل بیتی و حامتی فاذرب عنم الرجسں و طهرهم تطهیرا"' قالب فقلت یا رسول الله انامن اهلک قال تنحی فانک الی خیر"

ترجمہ: کیا مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جو رسول اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور آنحضرت کے نزدیک محبوب ترین خاتون کے شوہر تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے علیؓ' فاطمہؓ' حسنؓ اور حسینؓ کو دیکھا کہ پیغمبر اسلام نے انہیں

ایک کپڑے کے نیچے جمع کیا اور فرمایا' خداوندا یہ میرے اہل بیت اور میرے حامی و مددگار ہیں۔ ان سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھ اور انہیں آلودگیوں سے ایسا پاک رکھ جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ' کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟

فرمایا: پیچھے ہٹو۔ تم خیر پر ضرور ہو مگر ان میں شامل نہیں ہو۔

اس کا ذکر مولانا مودودی نے بھی تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 93 پر کیا ہے۔

مشہور عالم حاکم جسکانی نیشاپوری نے "شواہد التنزیل" میں ان روایات کو متعدد طریقوں سے کیا ہے۔

بہت سی روایات میں ہے کہ رسول اللہؐ چھے ماہ تک جب بھی صبح کی نماز کے وقت فاطمہؑ کے گھر کے پاس سے گزرتے تو پکارتے **الصلوۃ یا اھل البیت! انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** (اس حدیث کو حاکم جسکانی نے انس ابن مالک سے نقل کیا ہے)

سورہ ہود کی آیت 73 میں اہل بیت کے لفظ کو دیکھ کر بعض مفسرین نے نتیجہ نکالا ہے کہ یہ نبی کی بی بی کے لئے آیا ہے لہٰذا آیہ تطہیر میں ازواج داخل اہل بیت ہیں۔ لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ علیکم کی ضمیر جمع مذکر حاضر بتاتی ہے کہ اس کا تعلق سارہؑ سے نہیں ورنہ علیک ہوتا۔ یہ تو خاندان نبوت پر نعمات الٰہی کے نزول کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ مزید آنکہ حضرت سارہ خاندان نبوت سے ہی تھیں۔ ازواج رسولؐ کو خاندان نبوت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت فاطمہؑ کو تھا لہٰذا وہ داخل آیہ تطہیر ہیں۔

صفحہ 30 پر آپ نے فرمایا ہے کہ امت مسلمہ میں بعض تاریخی و سیاسی واقعات و حادثات کی وجہ سے مختلف فرقے وجود میں آتے چلے گئے۔ آپ نے اس کے علاج کے لئے سورہ النساء کی آیت **فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ و الرسول** کا ذکر کیا ہے جو صحیح سمت ہے۔ افسوس کہ رسول کریمؐ کی مشہور حدیث ثقلین پر مسلمانوں نے عمل نہ کیا حالانکہ آنحضرت نے یقین دلایا تھا کہ ایسا کریں گے تو مسلمان گمراہ نہ ہوں گے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

انی تارک نیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی ما ان تمسکم

بهمالن تضلو العبدی و انهمالن یتفرق حتی یرو الحو..... (صواعق محرقہ ابن حجر مکی میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو بیس سے زیادہ صحابیوں کے روایت کیا ہے۔

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہیا ہوں۔ ایک کتاب خدا ہے۔ اور دوسری میری عترت اہل بیت ہیں۔ اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔

مسلمانوں نے قرآن کو سینہ سے لگایا لیکن عترت رسولؐ سے رابطہ نہ رکھا۔

تقریباً" ایک صدی کے بعد چار مصلے بن گئے۔ حنبلی، شافعی، مالکی اور حنفی۔ امام احمد حنبل 164ھ میں پیدا ہوئے 241ھ میں انتقال کیا۔ امام شافع 150ھ میں پیدا ہوئے اور 204ھ میں انتقال کیا۔ امام مالک 90ھ میں پیدا ہوئے اور 149ھ میں انتقال کیا۔ امام ابو حنیفہ 80ھ میں پیدا ہوئے اور 150ھ میں انتقال کیا۔ ابن سب نے بلاواسطہ یا باواسطہ امام جعفر صادق سے درس حاصل کئے اور پھر اپنا اپنا مسلک الگ ہی بنا لیا۔ یعنی اہل بیت سے تمسک نہ رکھا۔ موجودہ خلفشار کا تو حل یہ ہی ہے کہ حدیث ثقلین پر عمل کیا جائے۔

معجزات نبیؐ کے بارے میں مجھ کو آپ سے اتفاق ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کو عصا اور ید بیضا کے معجزے عطا ہوئے تھے، ہمارے رسولؐ کو اس قسم کا معجزہ عطا نہیں ہوا اور یقیناً قرآن مجید اور خلق رسولؐ بڑے معجزے ہیں۔ مگر احادیث اور روایات بے شمار ہیں جن سے واضح ہے کہ رسول اللہ سے معجزے رونما ہوئے (صحیح بخاری میں ثقہ اور جید صحابہ سے معجزے منقول ہیں) ان کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے؟

واقعہ شق القمر کے متعلق بھی بہت سی روایات ہیں کہ حضرت رسول اللہؐ کے انگلی کے اشارہ پر ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ بس یکایک ہی ہو گیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے باب میں آپ نے کچھ واقعات کا ذکر کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ ان واقعات کی بنا پر وفات رسولؐ امت نے خلیفہ منتخب کر لیا۔

حضرت ابو بکرؓ کی انفرادی حیثیت میں رسول کرمؐ کے صحابی ہونے کی ایک الگ منزلت ہے۔ اسلام قبول کرنا اور اس کے لئے مال متاع سے مدد کرنا اپنی جگہ مگر جانشینی

رسالت کا مقام اور ہے جس کے لئے صفات اور اہلیت کی ضرورت اور ہے۔ مانا کہ غار ثور میں وہ دو میں سے ایک تھے مگر یہ خلافت کا جواز کیسے بن گیا؟

امیر حج ہونا بھی مان گئے مگر آپ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان کے سپرد سورہ توبہ کی آیات کی گئی تھیں کہ کفار کو جا کر سنا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ رسولؐ یا تو خود ان آیات کو جا کر سنائیں یا اپنے میں سے کسی کو بھیجیں۔ چنانچہ وہ آیات واپس لے لی گئیں اور حضرت علیؓ کے ذمہ یہ کام سونپا گیا۔

کیا کوئی نمبر2 اپنے بادشاہ کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ کر میدان سے فرار ہو سکتا ہے؟ اور دوبارہ ہو تو کوئی بادشاہ یا رسول ایسے شخص کو اپنا وزیر یا خلیفہ بنائے گا؟

کیا مالک بن نویرہ کا قتل اور اس کے بعد اس کی بیوی کی بے حرمتی خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں قابل مواخذہ جو اللہ اور رسولؐ نے بتائی تھی' نہ تھی؟ کیا رسول اللہ کے زمانہ میں یہ واقعات ہوتے تو وہ چشم پوشی کر لیتے؟ کیا کسی "نامزد" خلیفہ کو زیب دے گا کہ رسول اللہ حکم دیں اور اس پر عمل نہ کرے؟ زمانہ علالت میں رسول اللہؐ نے لشکر اسامہ میں بھی اصحاب کو سوائے حضرت علیؓ شامل کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ فوراً کوچ کر جائیں مگر کسی نے مع حضرت ابو بکرؓ اس پر عمل نہیں کیا۔

صفحہ 100 پر آپ نے بارہ اماموں کے متعلق بہت سی غلط باتیں کہہ دی ہیں جو کم علمی یا تعصب کی بنا پر ہی کہی جا سکتی ہیں۔ پچھلے صفحہ پر جو ایک صدی کے بعد امام بنے ہیں' ان کا ذکر میں نے کر دیا ہے۔ زیادہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتا مگر آپ کے علم میں اضافہ کے لئے یہ بتانا چاہوں گا کہ ہمارے امام منجانب اللہ از روئے نص قرآن ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت 124 کو ملاحظہ کریں جس کا ترجمہ ذیل میں ہے۔

جب ابراہیمؑ کو ان کے رب نے کچھ باتوں میں جانچا اور ابراہیمؑ نے ان کو پورا کر دیاں تو اللہ نے کہا "میں تمہیں لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد میں سے؟ اللہ تعالیٰ نے کہا "میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا۔

انی جاعلک للناس اماما میں تمہیں لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امامت اللہ کی طرف سے ایک عہدہ ہے جو صرف اللہ کے ان نیک بندوں تک پہنچتا ہے جنہیں وہ خاص طور پر اس مقصد کے لئے چن لیتا ہے۔ کیوں کہ

Marfat.com

یہ صاف کہہ دیا گیا ہے کہ ظالم اللہ کے اس عہدہ کے لئے مستحق نہیں ہیں۔ ہمارے امام حضرت علیؓ سے لے کر آخر تک کسی غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوئے نہ انہوں نے سوائے رسول اللہؐ اور ان کے بعد امام معصومینؑ کے، کسی اور کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ ان کو علم لدنی حاصل تھا۔ سورہ آل عمران کی آیات 33، 34 بھی دیکھیں۔ اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو دنیا والوں پر ترجیح دے کر منتخب کیا۔ یہ امام اسی ایک سلسلے کے لوگ ہیں جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔

ذرا Comparative study بھی کیا کریں تاکہ حقائق سے آگاہی ہو۔ کوئی مانے یا نہ مانے، امام امام ہی رہے گا۔ اسی لئے تو حضرت علیؓ ہر مقام پر گذشتہ خلفاء کی ہدایت اور مدد کرتے رہے۔ ورنہ حضرت عمرؓ یہ نہ کہتے کہ علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جن ہستیوں کو امام منجانب اللہ ہونے کا عہدہ تفویض کیا گیا ہے، انہوں نے کبھی خود کو امام منجانب اللہ نہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو جب وہ حجتہ الوداع سے واپس آ رہے تھے تو یہ آیت نازل فرمائی۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالہ واللہ یعصمک من الناس)سورہ مائدہ، آیت 67

ترجمہ: اے رسولؐ جب حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے، اسے پہنچا دو اگر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اس کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

اس آیت کے نزول کے بعد غدیرخم میں جہاں نہ کوئی سبزہ تھا، نہ درخت، آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو جو آگے چلے گئے تھے، واپس بلایا اور جو پیچھے رہ گئے تھے، ان کا انتظار کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی ولایت اور خلافت کا اعلان ہوا۔ چنانچہ روایت میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا

"جبرائیل نے مجھے میرے پروردگار کی یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اس مجمع میں کھڑے ہو کر ہر گورے اور کالے کے سامنے یہ اعلان کردوں کہ علی ابن ابی طالب میرے بھئی، میرے وصی، اور میرے خلیفہ ہیں۔ اور یہ ہی میرے بعد میری امت کے امام ہوں گے۔

کیوں کہ میں جانتا تھا کہ متقی کم اور موذی زیادہ ہیں اور لوگ مجھ پر نکتہ چینی بھی کرتے تھے کہ میں زیادہ وقت علی کے ساتھ گذارتا ہوں اور ان کو پسند کرتا ہوں اسی وجہ سے انہوں نے میرا نام ''اُذن'' (کانوں کا کچا) رکھ دیا تھا۔ قرآن شریف میں ہے ''**ومنهم الذین یوذون النبی و یقولون هو اذن خیرلکم** (سورہ توبہ' آیت 61) اگر چاہوں تو میں ان لوگوں کے نام بھی بتلا سکتا ہوں مگر میں نے اپنی فراخ دلی سے ان کے ناموں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ ان وجوہ سے میں نے جبریل سے کہا کہ میرے پروردگار سے کہہ دیں کہ مجھے اس فرض کی بجا آوری سے دے دے' مگر اللہ نے میری معذرت قبول نہیں کی اور کہا کہ یہ پیغام پہنچانا ضروری ہے۔ پس لوگو سنو! اللہ تعالیٰ نے تمہارا ایک ولی اور امام مقرر کر دیا ہے اور اس کی اطاعت تم میں سے ہر ایک پر فرض کر دی ہے۔۔۔۔''

(یہ مکمل خطبہ طبری نے کتاب الولایہ میں نقل کیا ہے۔ سیوطی نے بھی اسے تفسیر و منشور جلد دوم میں ملتے جلتے الفاظ میں نقل کیا ہے) غزیر خم میں سرور کائنات ؐ نے فرمایا **من کنت مولہ فهن علی مولاہ** یہ ایک ایسی روایت جو بقول کوثر نیازی 115 صحابہ ؓ سے مروی ہے۔ مفسرین اور محدثین نے اسے صراحت سے لکھا ہے 5284 تابعین نے اسے منقول کیا ہے۔

آپ کہتے ہیں حضرت خلفا کے الیکشن' نومی نیشن اور سلیکشن سے راضی تھے۔ حضرت اپنے خطبہ شقشقیہ (نہج البلاغہ) میں فرماتے ہیں۔

قسم بخدا کہاں علی اور کہاں یہ نام نہاد شوریٰ۔ ان لوگوں میں کے پہلے حضرت کی نسبت میری فضیلت میں شک ہی کب تھا جو اب ان لوگوں نے مجھے اپنے جیسا سمجھ لیا ہے۔ (لیکن جی کڑا کر کے شوریٰ میں حاضر ہو گیا) اور نشیب و فراز میں ان کے ساتھ ساتھ چلا مگر ان میں سے ایک (☆) نے بغض حسد کے مارے میرا ساتھ نہ دیا اور دوسرا (☆☆) دامادی اور ناگفتہ بہ باتوں کے باعث ادھر جھک گیا۔''

(☆) یہ سعد بن ابی وقاص کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے حضرت عثمان ؓ کے بعد بھی حضرت علی ؓ کی بیعت نہیں کی۔

(☆☆) عبدالرحمان بن عوف ؓ کی طرف اشارہ ہے' یہ حضرت عثمان ؓ کی سوتیلی بہن کے شوہر تھے۔

Marfat.com

یہ آپ کی صفحہ 102 فرمانا کہ حضرت علیؑ نے خلافت قبول فرمالی۔ ان کے خطبہ شقشقیہ سے دور ہو جاتی ہے۔ پھر آپ کہتے ہیں کہ استحقاق خلافت نہ منجانب اللہ تھا نہ منجانب رسول۔ رسول اللہؐ کے غدیر خم میں اعلان کے بعد آیہ اکملت لکم دینکم نازل ہوئی۔ بے شمار سنی علما نے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں امام علیؑ کے تقرر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ چند کے نام درج ذیل ہیں۔

1۔ ابن مفازلی شافعی، مناقب علی ابن ابی طالب صفحہ 19، متوفی 483ھ

2۔ خبیب بغدادی، تاریخ بغداد جلد صفحہ 8 صفحہ 592، متوفی 463ھ

3۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق، جلد 2 صفحہ 75

4۔ حافظ سیوطی، تفسیر الاتقیان، جلد صفحہ 1 صفحہ 13، تفسیر الدر منثور جلد 3 صفحہ 19

5۔ خوارزمی حنفی، مناقب امیر المومنین صفحہ 80، متوفی 568

6۔ سبط ابن جوزی، تذکرہ الخواص صفحہ 30، متوفی 654

7۔ حافظ ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، جلد 2 صفحہ 14، متوفی 774، البدایہ و النہایہ جلد 3، صفحہ 213

8۔ آلوسی تفسیر روح معانی جلد 6 صفحہ 55

مولانا کوثر نیازی نے اپنی ایک تقریر میں جو انہوں نے 8 جنوری 93 کو مدینہ الحکمت کراچی میں کی، فرمایا۔

"ایک عجیب حدیث ہے اور میں حیران ہوں کہ اہل سنت اور شیعہ حضرات اس جانب توجہ کیوں نہیں دیتے۔ یہ بارہ امام جو شیعہ حضرات کے ہیں بلکہ میرے ہیں، وہ محض شیعہ حضرات کے کیوں ہوں گے۔ یہ جو بارہ امام ہیں ان کے بارے میں ایک عجیب حدیث بخاری کی حدیث ہے (بخاری جلد سوئم، پارہ 29 کتاب الاحکام) اس میں جابر بن سمرا سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ سے میں نے سنا ہے کہ 12 امیر ہوں گے بارہ سردار ہوں گے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا مگر میں سمجھ نہ سکا۔ میرے والد کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا وہ سب جو سردار ہیں، وہ سب قریش میں ہوں گے۔ اب تاریخ دیکھ لیں۔ قریش میں سے دو خاندانوں نے حکومت کی ہے۔ بنو امیہ نے اور بنو عباس نے۔ بارہ سردار اگر آپ مراد لیں بادشاہ مراد لیں تو نہ بنو امیہ میں ہوئے نہ بنو عباس میں۔ یہ بارہ

Marfat.com

سردار یہ بارہ امام ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ہوئے ہیں تو بنی ہاشم میں' سرکار کے خاندان میں ہوئے اور یہ بارہ اہل بیت ہیں۔"

رسول اللہؐ نے ان آئمہ کی تعداد کے ساتھ ان کے نام گنوائے ہیں۔ یہ تعداد نہ کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ (دیکھیں سلیمان قندوزی کی ینابع المودہ' جزو 3 صفحہ 99

دوسرے علمائے اہل سنت نے ایسی روایت نقل کی ہیں جن میں ان کے نام آئے ہیں (بخاری جلد 8 صفحہ 127 صحیح مسلم جلد 6' صفحہ 3

مہربانی فرما کر تحقیق کیجئے اور حقائق کے لئے ذوق آگہی پیدا کیجئے۔

صفحہ 102 پر آپ نے ایک اور عجیب منطق پیش کی ہے کہ اگر امیر معاویہؓ نے حضرت علی کے خلاف سب و شتم کا بازار گرم نہ کر دیا ہوتا اور مخالفت ان کی نہ ہوتی تو حضرت علیؓ کے فضائل اور محاسن کا کسی کو علم نہ ہوتا۔ حضرت علیؓ کی فضیلت اور محاسن قدم قدم پر' کعبہ میں پیدائش سے لے کر شہادت تک ہر مومن اور منافق پر اظہر من الشمس تھے۔

رسولؐ نے فرمایا **علی منی و انامن علی۔ انا مدینہ العلم و علی بابہا۔ قرآن مع العلی و علی مع القرآن۔ حب علی ایمان و بعضہ نفاق** اور وہ مشہور قول خلیفہ دوم کا **لولا علی لہلک عمر** وغیرہ وغیرہ کچھ علیؓ کی فضیلت کی شہرت کے لئے کیا کم تھے کہ ان کو گالیاں دے کر ان کے فضائل اور محاسن کی تبلیغ ہوتی۔ افسوس صد افسوس آپ حضرت کے نزدیک جو گالیاں دیں وہ بھی محترم ہیں۔

باقی کچھ ابواب پر جیسے "کشادگی رزق اور کمی رزق" یا "کتب آسمانی میں تحریف" تبصرہ کے لئے میں اپنے کو اہل نہیں سمجھتا۔ لاء اینڈ آرڈر کے معاملہ میں بحیثیت ایڈووکیٹ آپ زیادہ بہتر تجاویز دے سکتے ہیں۔ میری نظر میں ہمارے ملک میں عدل و انصاف حاصل کرنے کا طریقہ اتنا پیچیدہ اور وقت Time consuming ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے لئے بہت صبر آزما ہے۔ اور کیجئے اس کے علاوہ عدل و انصاف میں تعطل کی ایک وجہ پیشہ ور وکلاء کی بھی ہے۔ شاید معاملات آسان ہو جائیں اگر ہم جائزہ لیں کہ اسلامی ممالک میں جیسے سعودی عرب' اردن' مصر' ایران اور ترکی میں طریقہ انصاف کے لئے ہے۔ اگر آسان ہو تو اس کو اپنایا جائے۔

Marfat.com

آخر میں میں معافی چاہوں گا اگر مندرجہ بالا تحریر میں میری جانب سے آپ کے جذبات کو میں نے مجروح کیا ہو۔

والسلام

Marfat.com

جوابِ مراسلہ

حضرت محترم......وعلیکم السلام!

گرامی نامہ باعثِ عزت افزائی ہوا۔ کتاب پر تبصرہ کے لئے ممنون ہوں۔

امت مسلمہ کے فرقی اختلافات قرآن سے انحراف ہی کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے جب قرآن حکیم سے بات ہوگی تو اختلافی مسئلہ کبھی ایک فرقہ کا کبھی دوسرے کا لازماً سامنے آئے گا۔ اس سے مفر ممکن نہیں۔ مگر اس خوف سے تدبر فی القرآن ترک نہیں کیا جاسکتا۔

A۔ عربی زبان سیکھ کر قرآن سمجھنا یقیناً افضل ہے۔ مگر اس نقص کو عجز نہیں بنایا جاسکتا۔ ذی علم اور دیانتدار حضرات کے متعدد تراجم موجود ہیں ان سے کماحقہ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ آج ہزارہا علوم مختلف زبانوں میں کتب شائع ہو رہی ہیں۔ اور تمام دنیا تراجم کی وجہ سے ان سے مستفید ہو رہی ہے۔ قرآن بھی فرماتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ o (آیت نمبر 15 قمر نمبر 54)

(ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو ہے کوئی غور کرنے والا)

راسخون فی العلم

B۔ دین کی بنیاد آیاتِ محکمات پر ہے متشابہات پر نہیں۔ متشابہ آیات کا مطلب بجز اللہ کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگ راسخون فی العلم ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے رب کی طرف سے ہے چاہے ہمیں اسکے معنی کا ادراک نہ ہو۔ کسی شخصیت کو راسخ العلم سمجھ کر آیات متشابہات کے ذریعہ فساد فی الدین پیدا کرنے اور پھیلانے کا موقع دینا بھی عظیم گمراہی ہے۔ خود قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ط وَمَايَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّااللّٰهُ ط وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ج كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا o (آیت نمبر 7 عمران نمبر 3)

ترجمہ: جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں حالانکہ انکا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان (آیات) پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔

Marfat.com

C۔ کسی مسئلہ کو سلجھانے کے لئے اس میں الجھنا پڑتا ہے۔ قرآن وسنت سے ہر مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ مگر اس پر غور کے لئے اس میں الجھنا پڑتا ہے۔ صرف نیک نیت کوشش لازمی ہے۔

آیتِ تطہیر

D۔ (I) سورۃ احزاب کی تمام آیات میں تمام خطاب ازواجِ مطہرات ہی سے کیا گیا ہے۔ اس لئے صیغۂ تانیث استعمال ہوا۔ آیتِ تطہیر میں اس خطاب میں ازواجؓ کے ساتھ رسولِ کریم ﷺ بھی بطور صاحبِ بیت شامل ہیں۔ لھٰذا لفظ "کُنَّ" کے بجائے "کُم" استعمال ہوا۔ مخاطبین اگر صرف مرد یا مرد وعورت مخلوط ہوں تو تم کے لئے لفظ "کُم" آتا ہے۔

اسی طرح سورۃ ہود کی آیت نمبر 73 میں خطاب صرف حضرت سارہ سے ہے "التعجبین" (کیا خاتون تو تعجب کرتی ہے) سے شروع ہوا مگر جب کہا کہ تم اہل بیت پر اللہ کی رحمت ہے تو 'تم' کے لئے لفظ "کُم" ہی آیا۔ یعنی تم شوہر وازواج واولادِ خانہ (اہل بیت) پر اللہ کی رحمت ہے۔

ہر دو آیات میں اہل بیت سے مراد نبی اور انکی ازولج ہیں۔ اب رہی خاندان کی بات تو اللہ کی رحمت کسی خاندان کے لئے مخصوص ومحدود نہیں۔ ابو لہب بھی اسی خاندان کا فرد تھا ہاشمی تھا۔

آپ نے حضرت ابراہیم کے خاندان کا ذکر فرمایا۔ وہ بت گروں، بت فروشوں اور مندروں کے پروہتوں کا خاندان تھا۔ اس خاندان سے تعلق کسی اعتبار سے شرف نہ تھا۔ حضرت سارہؓ اہل بیت بطور زوجہ تھیں۔

حضرت سارہ کا خاندانِ ابراہیمی سے ہونا اگر اس تخاطب کا جواز تھا تو حضرت زینب بنتِ جحش (ام المؤمنین) کی والدہ حضرت اُمیمہ حضرت عبداللہ ابنِ عبدالمطلب کی سگی بہن تھیں۔ وہ حضرت زینب رسولِ کریم ﷺ کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ مزید ملاحظہ فرمائیں آیت نمبر 53 سورۃ الاحزاب نمبر 33 جس میں ارشاد ہوتا "لاتدخلو بیوت النبی..... الخ"۔ یعنی نبی کے گھروں میں بغیر اجازت طلب کئے داخل نہ ہو۔ وہ گھر انہی ازواج کے تھے جنہیں نبی کے گھر فرمایا گیا۔ ان گھروں میں آباد گھر والیاں تو اہل بیت سے باہر اور داماد اور نواسے نواسیاں اہل بیت میں شامل ہوں یہ بات حیران کن ہے۔

(II) آپ کا یہ فرمانا کہ یہ آیتِ تطہیر کہیں اور کا حصہ ہے ایک نا قابلِ رشک جرأت ہے۔

کہاں ہے وہ مقام جہاں یہ آیت فِٹ ہو سکتی ہے۔ قرآن میں ایسا کوئی مقام ہے ہی نہیں۔

آپ کے اس لفظ "کہیں اور" سے قرآن کی تکذیب ہوتی ہے اللہ پر اپنے مندرجہ ذیل فرمان

Marfat.com

میں ناکامی کا الزام آتا ہے۔ اللہ نے فرمایا:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ط (آیت نمبر 16 سورۃ القیامت نمبر 75)

ترجمہ: اس (قرآن) کا جمع کرانا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔

یعنی درست جمع کرانا اور درست پڑھوانا۔ آپ کی اس تحریر کا مطلب ہوا کہ قرآن نہ درست جمع ہوا نہ پڑھا گیا۔ میرا پر خلوص مشورہ رجوع اور توبہ کا ہوگا۔ کیا حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کسی اور ترتیب سے پڑھتے تھے۔ کیا اس ترتیب پر کبھی اعتراض کیا۔ کیا کسی غلطی کی نشاندہی فرمائی۔ پھر آپ کے پاس کیا جواز ہے۔

اہلِ بیت

E۔ (I) روایات کی صداقت تو اللہ جانتا ہے۔ مگر جو روایات قرآن کو جھٹلانے کے لئے ایجاد یا اختیار کی گئی ہیں ان کے خود ساختہ ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔ ہم قرآن سے بات کر رہے ہیں تو روایات کا کیا جواز ہے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی عظمت بہر حال ہے۔ اس سے کون مسلمان منکر ہے۔

(II) مولانا مودودی نے وہی بات لکھی ہے جس کا میں نے تذکرہ کیا ہے۔ آپ کے خیال کی تائید قطعاً نہیں کی۔ رسولِ کریم ﷺ کا حضرت عائشہؓ کے لئے ارشاد تھا کہ تم تو اہل بیت میں ہو ہی۔ (تمہیں اس دعا کی ضرورت نہیں)

لفظ ''کُم''

F۔ (I) جیسا کہ عرض کر چکا ہوں سورۃ ہود کی آیت نمبر 73 میں اہل بیت کے ساتھ ''علیکم'' کا لفظ حضرت ابراہیمؑ کی بطور صاحبِ بیت شمولیت کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس لئے آیتِ تطہیر میں ''کُم'' کا لفظ آیا کہ اس میں صاحبِ بیت یعنی رسولِ کریم ﷺ بھی شامل ہیں۔

(II) آپ نے حضرت سارہؓ کو خاندانِ نبوی سے ہونا فرمایا ہے تو انکا تعلق خاندانِ نبوی سے بطور زوجہ نبی تھا اور بس۔ ورنہ وہ خاندان بت گروں، بت فروشوں اور مندر کے پروہتوں کا تھا۔ ابو لہب بھی ہاشمی خاندان سے تھا تو کیا وہ خاندان نبوی کا فرد ہوا۔

(III) ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رسول کریم ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ انکی والدہ حضرت امیمہ حضرت عبداللہ کی سگی بہن تھیں۔

Marfat.com

حدیثِ ثقلین

G۔ مبینہ حدیث ثقلین بھی اصل حدیث میں ترمیم کا نتیجہ ہے۔رسولِ کریم ﷺ نے اپنے بعد قرآن اور اپنی سنت چھوڑنے کا ذکر فرمایا تھا نہ کہ عترت کا۔

رسولِ کریم ﷺ درحقیقت قرآنِ مجسم تھے۔ قرآن پاک نے ارشاد فرمایا :-

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ o

(آیت نمبر21 الاحزاب نمبر38)

ترجمہ : تمہارے لئے پیروی کے واسطے رسول اللہ بہترین نمونہ ہیں۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے :-

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ o

(آیت نمبر31 آل عمران نمبر3)

ترجمہ :- کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کردے گا۔

ان ارشادات کے بعد اپنی سنت کے اتباع کے علاوہ آپ ﷺ اور کچھ کیوں ارشاد فرماتے۔ عترت وغیرہ کا ذکر تو قرآن حکیم میں موجود ہی نہیں۔ یہودیوں کی طرح ہمارے یہاں بھی نسل پرستی در آئی ورنہ یہ تو قرآن حکیم کے منشاء میں کہیں ہے ہی نہیں۔

H۔ سورۃ توبہ کی جن آیات کا اعلان ہونا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے قافلہ کی روانگی کے بعد نازل ہوئی تھیں۔لھٰذا ان کا اعلان حضرت علیؓ کے سپرد ہوا۔ واپس لے کر دینا نہیں تھا۔ حضرت ابوبکرؓ بدستور سالارِ قافلۂ حجاج رہے۔ مالک بن نویرہ کے قتل کی کہانی کا مجھے علم نہیں۔

I۔ (I) غزوۂ حنین کے تنگ درہ میں یکایک تیروں کی بارش سے بچنے کے لئے پناہ لینا خود حفاظتی اقدام تھا ورنہ خودکشی ہوتی۔ وہ چند جوان صحابہؓ جو رسولِ کریم ﷺ کا حفاظتی دستہ تھا صرف اس کی موجودگی تحفظ کے لئے ضروری تھی۔

دوسرے کیا صحابہ کے اس خود حفاظتی اقدام کا رسول اللہ ﷺ نے شکوہ کیا یا اس پر مطعون فرمایا۔ اگر آپ کا قول سچ ہوتا تو خود اللہ تعالیٰ قرآن میں اس پر تہدید فرماتا۔ حضرت علیؓ نے بھی کبھی اس بات کو وجہِ

طعن نہیں بنایا۔

(II) حضرت اسامہؓ کے لشکر میں بشمول دیگر صحابہ کرامؓ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ لشکر کو روانگی کا حکم نہیں ہوا تھا۔ بوجہ علالت النبیؐ لشکر کی روانگی ملتوی رہی۔ یہ سب حضرات مسجد نبوی میں نمازیں ادا کرتے رہے۔۔ آپ ﷺ کے ہی حکم سے آخری 13/17 نمازیں حضرت ابو بکرؓ نے پڑھائیں۔ آپ ﷺ ہی کی وصیت کے مطابق حضرت علیؓ، حضرت اسامہؓ بن زید اور حضرت فضیل بن عباس نے رسول اللہ ﷺ کے کے جسدِ مبارک کو سپردِ لحد کیا۔

کیا یہ سب کچھ حکم عدولی کا نتیجہ تھا۔ معاذ اللہ۔ یہ حضرات تو رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ زندگی میں تو کیا وصال کے بعد بھی مکمل اطاعت کی گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت اسامہؓ کو سپہ سالاری سے صرف اس لئے معزول نہیں فرمایا کہ انہیں رسولِ کریم ﷺ نے مقرر فرمایا تھا۔

J۔ آیت نمبر 124 سورہ بقرۃ میں حضرت ابراہیمؑ کی اپنی ذریت کے لئے دعا کی عدم قبولیت تو واضح ہے مگر اقرار محض تاویل ہے۔ مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ سے قبل اور بعد کی آیات تلاوت کیجئے۔ حضرت ابراہیم جلیل القدر نبی تھے، رسول تھے۔ متعدد آزمائشوں سے کامیاب گذرے تو امامت الناس عطا ہوئی۔ وہ ہستیاں جو نہ نبی تھیں، نہ رسول تھیں بغیر کسی آزمائش محض نسلی طور پر امامت کی مستحق کیسے ہو گئیں۔ وہ بھی نبی کی اولادِ نرینہ نہیں بلکہ اولادِ دختری۔ یہ بات عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ اس طرح بالائے رسالت اعزاز رسولِ کریم ﷺ کے بعد کسی کو نہ مل سکتا تھا۔

(II) مبینہ آئمہ کرام یعنی حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ وغیرہ نے کبھی خود بھی ادعائے امامت نہیں فرمایا۔ حضرت علیؓ نے جنگِ جمل، جنگِ صفین یا جنگِ نہروان میں کبھی نہیں فرمایا کہ میں امام منجانب اللہ ہوں۔ حضرت حسینؓ نے کربلا کے ایک بھی خطبہ میں دعویٰ امامت نہیں کیا۔ پھر یہ علم پہلی دفعہ کیسے اور کب ہوا کہ یہ حضرات منجانب اللہ امام تھے۔ نبوت ختم ہونے کے بعد امامت قائم نہ رہی تھی۔

K۔ سورۃ آل عمران کی آیات نمبر 34-33 کا امامت سے کوئی تعلق دور کا بھی نہیں۔ صرف یہ ارشاد ہوا کہ ہم نے ان چند ہستیوں کا انتخاب کیا ان میں بعض بعض کی ذریت تھے۔ کسی کا انتخاب بوجہ ذریت ہونے کے نہیں کیا گیا۔ بلکہ ذریت ہونا اتفاق تھا۔ یوں بھی یہ بات انبیاء کے لئے ہو رہی ہے کسی

غیر نبی کے لئے نہیں۔

اعلانِ امامت

L۔ (I) آیت نمبر 67 سورۃ مائدۃ کو آپ نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی ذات سے متعلق کردیا۔ یہ آیت نصاریٰ کے بارہ میں ایک اعلان کے متعلق تھی جو کہ آیت نمبر 68 میں بیان ہوا۔ سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین اور منافقین کی مخالفت کے بعد اب اس اعلان سے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا اندیشہ تھا اس لئے شاید رسول کریم ﷺ کو تامل تھا۔ حکم ہوا کہ اعلان کرنا کارِ رسالت کے لئے لازم ہے۔ حفاظت اللہ نے اپنے ذمے لی۔ یہ ۵ھ میں نازل ہوئی۔ اس آیت کا حضرت علیؓ اور مقامِ غدیر سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(II) کیا حضرت علیؓ نے کبھی اس آیت کے حوالہ سے اپنی فضیلت کا کہیں ذکر فرمایا۔ کیا نہج البلاغہ میں کہیں اس حوالہ کا کوئی ذکر ہے۔ تاریخ اور صحابہ کرامؓ بشمول حضرت علیؓ کے اقوال و عمل سے بھی اس آپ کی بیان کردہ کہانی کی مکمل طور پر تردید ہوتی ہے۔

(III) مزید یہ کہ مذکورہ آیت میں کارِ رسالت کی تکمیل کا ذکر ہے۔ رسالت اللہ کے نازل شدہ احکام کو اللہ کے الفاظ میں پہنچا دینے کا نام تھا۔ ایسا کوئی حکم حضرت علیؓ کے متعلق قرآن پاک میں موجود نہیں۔ جس کارِ رسالت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ بعد کی آیات میں قرآن پاک میں موجود ہے۔ کسی زبانی حکم کا (اگر کوئی ہوتا) تو اسکا تعلق کارِ نبوت سے تو ہو سکتا تھا مگر کارِ رسالت نہیں۔

(IV) آپ کی تحریر سے یوں لگتا ہے کہ اللہ اور رسول (معاذ اللہ) ان صحابہ سے خوفزدہ تھے کہ کھل کر اللہ بھی قرآن میں اتنی اہم بات کا ذکر نہیں کرتا اور رسول ﷺ بھی یہ اعلان مجبوراً فرماتے ہیں۔ امامت منجانب اللہ اگر ہوتی اور اس پر ایمان لانا اتنا ضروری تھا تو اللہ کو اسکا واضح حکم قرآن میں، جو کتابِ فرقان ہے، واضح ذکر کر دینے میں کیا باک تھا۔

(V) پھر بقول آپ کے اس قدر واضح اور طویل خطبہ اس ضمن میں دیا گیا مگر مؤمنینِ مدینہ بشمول حضرت علیؓ اس کا کسی مرحلہ پر حوالہ تک نہ دیں، کیا یہ ممکن تھا؟۔

حقیقت یہی ہے کہ ایسا کوئی اعلان آپ ﷺ نے کبھی نہ فرمایا نہ حضرت علیؓ یا کسی صحابیؓ نے کسی مرحلہ پر اس کا تذکرہ فرمایا۔

Marfat.com

تکمیلِ دین

M۔ (I) آپ کا یہ ارشاد کہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" حضرت علیؓ کے بارہ اعلانِ خلافت و امامت کے بعد نازل ہوئی، یا رسول اللہ ﷺ نے کبھی کوئی ایسا اعلان فرمایا تھا درست نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ کا اپنا قول و فعل اور مصدقہ تاریخ ہر دو آپ کے اس ارشاد کی کھلی تردید کرتے ہیں۔

(II) رسول اللہ ﷺ نے حجِ وداع کے بعد تمام مسلمانوں کو جمع فرمایا اور خطبہ ارشاد فرمایا اور سوال فرمایا کہ کیا میں نے مکمل پیغامِ الٰہی تم تک پہنچا دیا ہے۔ سب کا جواب اثبات میں تھا آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا "یا اللہ تو گواہ رہنا"۔

کیا آپ ﷺ نے تکمیل دین سے قبل ہی اور کارِ رسالت کی تکمیل سے قبل ہی یہ شہادت دلوادی تھی اسلئے کہ آپ کے بقول تکمیل دین حج سے واپسی کے سفر میں ہوئی۔ یقیناً ایسا نہیں تھا۔

تمام فرائض کی تعلیم رسول کریم ﷺ عملاً دے چکے تھے صرف حج باقی رہ گیا تھا۔ جب اس کی تعلیم بھی عملاً مکمل ہو گئی تو میدانِ حج میں ہی یہ آیت اتری "الیوم اکملت لکم دینکم"...الخ" اسکے بعد ہی آپ ﷺ نے مکمل پیغام پہنچا دینے کی شہادت و تصدیق کرائی اور اس پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔

(III) اللہ نے ارشاد فرمایا تھا :-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (آیت نمبر 36 الاحزاب نمبر 33)

ترجمہ : کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

دوسری آیت اسی مضمون کی ملاحظہ فرمائیں :-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (آیت نمبر 65 النساء نمبر 4)

ترجمہ : نہیں اے محمد تیرے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تجھ کو حکم نہ مان لیں۔ پھر جو آپ فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں میں بھی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر

Marfat.com

بسر تسلیم کرلیں۔

اب آپ کے بقول حضرت علیؓ کی خلافت اور امامت کا فیصلہ رسولِ کریم علیہ السلام نے فرمادیا تھا اور وہ بھی بطور کارِ رسالت کی تکمیل اعلان فرمایا تھا۔ اگر ایسا تھا تو کیا تمام (حضرت علیؓ سمیت) صحابہ اس حکم کو اور اللہ کی ان آیات کو 25 سال تک بھولے رہے۔

(ا) بنو ثقیفہ میں خلافت کا تنازعہ کیوں پیدا ہوا اور انصار نے اپنا خلیفہ بنانے کی بات کیوں کی جبکہ مدینہ کے تمام اصحاب حج میں رسول کریم علیہ السلام کے ہم رکاب تھے۔

(ب) پھر مہاجرین صحابہؓ کے نام تجویز ہوئے بشمول حضرت علیؓ کے مگر اس مبینہ اعلان کا کسی نے کیوں ذکر نہ کیا۔

(ج) حضرت عمرؓ نے عشرہ مبشرہ کے باقی ماندہ 6 حضرات کو اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلینے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جس میں حضرت علیؓ شامل ہوئے۔ مگر اس مبینہ اعلان منجانب اللہ اور رسول اللہ علیہ السلام کا کوئی ذکر نہ فرمایا۔ نہ اپنی فضیلت بطور امام بتائی نہ ہی خود کو وجہِ نزولِ آیت نمبر 67 سورۃ مائدہ فرمایا۔ کیوں؟

(د) حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ثالث تسلیم کرلیا کہ وہ جس کے حق میں فیصلہ کریں گے وہ قبول ہوگا۔ گویا یہ اجازت دے دی کہ رسول اللہ علیہ السلام کے مبینہ حکم کے خلاف بھی فیصلہ قابلِ قبول ہوگا۔ کیا حضرت علیؓ یا کسی بھی صحابیؓ کے لئے یہ ممکن تھا؟

(ذ) اس کے بعد جنگِ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان ہوئی۔ کیا حضرت علیؓ نے اس مبینہ اعلانِ رسولؐ کا کہیں ذکر فرمایا؟

(ص) نہج البلاغہ جو حضرت علیؓ سے منسوب خطبوں پر مشتمل ہے کیا اس میں آپ کی بیان کردہ روایت کا کوئی ذکر تک ہے؟

ان سب کا جواب یہ ہے کہ ایسا کوئی واقعہ یا اعلان ہوا ہی نہ تھا۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے ایک مشہور قول کا ذکر فرمایا کہ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو گیا ہوتا۔ یہ بات کہنے والے کی راست گوئی اور دیانت داری اور حضرت علیؓ کی عظمت ہر دو کی گواہی ہے۔

حضرت علیؓ کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی وصیت کو قبول فرماتے ہیں۔ اپنے مبینہ استحقاق کا کوئی ذکر

Marfat.com

نہیں فرماتے۔ اس انتخاب میں شریک ہوتے ہیں۔ بعد میں حضرت عبدالرحمنؓ کی ثالثی قبول کر کے اپنے خلاف فیصلہ کو کمالِ حسنِ اخلاق سے مان لیتے ہیں۔ گویا! (معاذاللہ)

I۔ وصیت فاروقی کو آپ کے مبینہ اعلان منجانب اللہ و منجانب رسول کے نظر انداز کئے جانے کو تسلیم کرتے ہیں۔

II۔ ثالث کو موقع دیتے ہیں کہ آپ کے مبینہ احکام الٰہی و نبوی کے خلاف فیصلہ دے تو بھی حضرت علیؓ اسے قبول کر لیں گے۔

کیا یہ سب ممکن تھا۔ اس تمام کاروائی سے اس مبینہ اعلان کو بنیاد بنا کر بائیکاٹ کرنا لازمی نہ تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسا کوئی اعلان تھا ہی نہیں۔ حضرت علیؓ کے قول و فعل سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

III۔ اب آخری بات کہ کیا یہ تمام ارکان کمیٹی جو اجلّہ صحابہ پر مشتمل تھی اور خود حضرت علیؓ اس مبینہ اعلان سے بے خبر تھے۔ اگر بے خبر تھے، (جو ممکن نہیں تھا) تو کیا حضرت علیؓ خود اسکی یاد دہانی نہ فرما سکتے تھے۔ معاذاللہ اگر ارکانِ کمیٹی کو حضرت علیؓ سے دشمنی تھی تو پانچ ووٹ سے حضرت عثمانؓ کو منتخب کرنا بہت سہل تھا۔ ثالثی کی ضرورت ہی نہ تھی ظاہر ہے کہ ارکانِ کمیٹی ہر دو امیدواران کی یکساں فضیلت کے قائل تھے اس لئے مجبوراً ثالث مقرر ہوئے اور عوامی رائے سے آخر کار فیصلہ ہوا۔

حقیقت صاف ظاہر ہے کہ تمام مسلمان حجۃ الوداع میں رسولِ کریم ﷺ کے ہم رکاب تھے، وہ بنو ثقیفہ کے اجتماع سے لے کر حضرت علیؓ کی قبولیتِ ثالثی تک، کہیں اور کبھی رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے انحراف کر ہی نہ سکتے تھے اور نہ ہی کیا۔ اسلئے کہ ایسا کوئی اعلان یا فیصلہ کبھی بھی رسولِ کریم ﷺ نے نہیں فرمایا۔

N۔ آپ نے ایک اجنبی حدیث، جو کہ قطعاً ایک غیر معروف راوی سے منسوب ہے کا حوالہ دیا ہے۔ اول تو یہ کہ فضیلت کی احادیث کی صحت و عدم صحت پر کبھی کاوش نہیں ہوئی۔ ایسی مبینہ احادیث کو بغیر سند بھی تسلیم کر لیا گیا۔ پھر اگر اسکا وہی متن اور مقصد ہے جو آپ نے اخذ فرمایا ہے تو اس مبینہ حدیث کا ایک ہی راوی ہونا اور کسی دیگر معتبر روایت سے اسکی تصدیق نہ ہونا اور مبینہ آئمہ کرام میں سے کسی کا اس مبینہ حدیث سے سند نہ پکڑنا بہت اہم بات ہے۔

دوسرے یہ کہ رسولِ کریم ﷺ نے اگر قریش سے 12 سرداروں کا ذکر فرمایا تو آپ اس

Marfat.com

ارشاد کو نہ صرف بنو ہاشم بلکہ بنو فاطمہؓ میں مخصوص کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ رسولِ کریم ﷺ خود بھی ارشاد فرما سکتے تھے۔ ایسا نہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے عقیدہ کی اس مبینہ حدیث سے قیاساً تائید فرمادی ہے جو یقیناً منشاءِ رسولؐ نہیں ہو گا۔

تیسرے یہ کہ شیعہ عقائد کے حامل دیگر فرقوں جیسے آغا خانی، بہرے، اسماعیلی اور یمن کے زیدی فرقوں میں کوئی بھی نہ 12 امام مانتے ہیں نہ ہی پہلے چند آئمہ کرام کے علاوہ دیگر ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر نام کے ساتھ یہ اعلان تھا تو ان فرقوں کا انحراف کیوں ہے۔

حضرتِ محترم! بحث تو ہر بات پر بلکہ بے بات بھی ہو سکتی ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ جب اپنے عقیدے ہمیں اتنے عزیز ہوں کہ قرآن کو جھٹلا کر، آیات کو کھینچ تان کر، تاریخ کو مسخ کر کے خود عظیم المرتبت صحابہؓ کے قول و فعل کے خلاف بھی ہم عقائد کی تائید پر مصر رہیں تو ہدایت اور حقیقت کا ادراک ہی ختم ہو جاتا ہے۔

یہودیوں کے نسلی تعصب نے انہیں رسولِ کریم ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم رکھا۔ یعنی یہ نسل پرستی ہمیشہ ہی سچائی کے تسلیم کر لینے میں رکاوٹ رہی ہے۔ یہودیوں ہی کی روایات 12 قبیلے، 12 نقیب اور 12 پانی کے چشمے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ نسل پرستانہ عقیدہ اور 12 کا عدد دونوں ہی اسلام میں یہودیوں نے داخل کر کے افتراق فی الامت کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اللہ کا ہم پر کس قدر احسان ہے رسولِ کریم ﷺ کی اولادِ نرینہ حیات نہ رکھی۔ ورنہ یہ نسلی تقدس کے بت ہر مسجد میں نظر آتے، قرآن کہیں نہ ہوتا۔ نہ ہی اسلام ہوتا۔

سورۃ احزاب کی آیت نمبر 40 میں رسولِ کریم ﷺ کے کسی بیٹے کے باپ نہ ہونے کے اعلان کو آپ ﷺ کی ختم نبوت سے مربوط کرنے کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ نبوت آپ ﷺ پر ختم تھی اور اولادِ نرینہ کے نام پر بگاڑ کو درست کرنا بغیر نبی کے ممکن نہ تھا۔ لہٰذا اولادِ نرینہ زندہ نہ رکھنے کی مصلحت سمجھ آ گئی۔ اس امت کو نسلی بتوں سے بچانا مقصود ہے۔

فضائلِ علیؓ بزبانِ علیؓ

o۔ میری کتاب "ذوقِ آگہی" کے وہ صفحات جس میں حضرت علیؓ کی زندگی میں انکی کی مخالفت کے ایک مفید پہلو پر بات کی گئی ہے آپ کی توجہ سے محروم رہے ہیں ورنہ یہ اعتراض نہ فرماتے۔

Marfat.com

میں نے عرض کیا تھا کہ رسولِ کریم ﷺ کے اس قدر محبوب صحابیؓ، عم زاد، داماد، تہور میں بے مثال عدل و قضا میں انبیاء کے بعد عظیم ترین صلاحیت کے مالک، جنہیں حضرت عمرؓ جیسا عظیم مدبر و حکمران اپنے ہر فیصلہ میں شاملِ مشورہ رکھتے ہیں اور جن کے مشوروں کی وجہ سے کئی ہولناک غلطیوں کی بروقت نشاندہی ہوتی ہے جس پر حضرت عمرؓ خراجِ تحسین یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ اگر علیؓ نہ ہوتے عمرؓ ہلاک ہو گیا ہوتا۔ ایسی عظیم شخصیت کو حضرت عمرؓ کے بعد کئی بار شدید ترین مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور آپ کی شخصیت غیر متنازعہ کبھی نہ رہی... آخر کیوں؟۔ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی مصلحت ربی ضرور مضمر ہوگی۔

ایک وجہ جو میں نے عرض کی تھی وہ یہ تھی کہ ہر ایسی مخالف یا مقابلہ میں حضرت علیؓ کو ناگزیر حالات میں اپنے فضائل بتانا پڑے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں نے اپنے اپنے فضائل انتخابی کمیٹی کے سامنے بیان کئے۔ وہ تاریخ کا حصہ بن گئے۔ پھر امیر معاویہ سے جنگ اور بعد میں عارضی صلح نامہ ہوا۔ اس وقفۂ صلح میں عوام کی رائے اپنے حق میں استوار کرنا ایک سیاسی ضرورت تھی۔ امیر معاویہ کے پاس صرف دو باتیں اپنی فضیلت کی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی تھے، دوسرے یہ کہ وہ کاتبِ وحی تھے۔ وہ حضرت علیؓ کی عظمت، فضیلت، قربتِ تعلق اور اوصافِ حسنہ سے خوب واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دیانتدارانہ اختلاف کی صورت میں وہ حضرت علیؓ کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت علیؓ پر سب و شتم کا سلسلہ شروع کیا اور انکی مفروضہ بلکہ اختراع کر کر کے خرابیاں برسرِ ممبر و مساجد و سرائیں، دوکانوں اور کاروانوں میں ہر جگہ پھیلانا شروع کر دیں۔
حضرت علیؓ اخلاق کی اس سطح تک گر ہی نہ سکتے تھے انہوں نے گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیا۔ انہوں نے برسر ممبر و مساجد میں اپنے فضائل بیان فرمائے اور عوام تک پہنچائے اور وہی فضائل سچ بھی تھے۔

اس طرح فضائلِ علیؓ بزبانِ علیؓ ہم تک پہنچے۔ اگر یہ مخالفتیں نہ ہوتیں تو حضرت علیؓ کو فضائل بیان نہ کرنا پڑتے۔ اور امت انکے حقیقی فضائل اور معتقدین کے ایجاد کردہ فضائل میں جائز طور پر الجھ جاتی۔ آج جب کوئی خود ساختہ کہانی بطور فضیلتِ علیؓ بیان کرتا ہے یا کسی آیت کو کھینچ تان کر جعلی فضیلت گھڑنے کی کوشش کرے تو بہت آسانی سے جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے یا کھل سکتی ہے کہ ایسی

Marfat.com

کوئی بات حضرت علیؓ نے اپنی فضیلت کے طور پر بیان نہیں فرمائی۔۔ یہ کہانی، قصہ یا مبینہ فضیلت بعد میں وضع کی گئی ہے۔ان مخالفتوں کا یہ مفید پہلو بھی تھا اور ہے۔

P۔ امید ہے کہ اب میرا مطمع نظر صاف ہو گیا ہو گا۔اگر جنگیں نہ ہوتیں تو علیؓ کے تہور اور تیغ زنی کو کون جانتا، عبدود پہلوان سے مقابلہ نہ ہوتا تو آنجناب کی قوت و طاقت کا راز کب کھلتا۔اسی طرح سب وشتم نہ ہوتا تو آپ کے فضائل سے ایک دنیا لاعلم رہتی یا خود ساختہ اور ایجاد کردہ جھوٹی کہانیوں پر امت کو انحصار کرنا پڑتا۔ جبکہ الحمد اللہ آج آنجناب کے فضائل خود آپکی تحریر یا خطبوں یا ارشادات کی صورت میں ذخیرہ تاریخ ہے۔

یہاں آپ نے حضرت عمرؓ کے اس مکالمہ تحسین واعتراف کا ذکر فرمایا جس میں انہوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو گیا ہوتا۔یہ تحسین ہر دو کی عظمت و دیانت کی دلیل ہے۔

ایک بات یہاں مزید عرض کر دوں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی پُر محبت اور پُر خلوص شخصیتوں کو متصادم دکھانے اور کسی نہایت خفیہ قسم کی نفرتوں میں آلودہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر سچ دیکھنے اور دکھانے کی کوشش دانستہ نہیں کی جاتی۔اگر اس غلیظ تصور میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو حضرت عمرؓ ایک بااختیار شخصیت کی حیثیت سے چاہتے تو اپنے بیٹے کو خلیفہ بنا جاتے۔یا حضرت عثمانؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیتے۔ مگر انہوں نے نہایت دیانتداری سے خلافت کا فیصلہ اس کمیٹی کے سپرد کر دیا جس میں ہر فرد خود خلافت کا مستحق تھا۔اگر ضمیر پر بوجھ ہوتا تو تلافی کے لئے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیتے۔ مگر وہ پاک باطن' صاف ذہن اور دیانتدار تھے۔اور اسی معیار کا فیصلہ بھی کر گئے۔ان شخصیات میں کوئی نفاق نہ تھا۔

آخر میں معذرت خواہ ہوں اگر جواب میں کہیں کوئی بات تلخ یا ناگوار گزری ہو۔ علمی بحث کا خوشگوار رہنا بھی خوشگوار نتائج لاتا ہے۔

اللہ پاک کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ o (آیت نمبر 144 انعام نمبر 6)

ترجمہ : اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی بات کہے تاکہ بغیر (یقینی) علم لوگوں کی غلط راہ نمائی کرے۔

Marfat.com

جناب کے خط کے بعض حصہ روایات اور محض روایات پر مبنی اور نتیجتاً تلخی جذبات کے حامل تھے۔ان کا جواب میں نے ضروری نہیں سمجھا۔ قرآن حکیم اور بعد کی مصدقہ تاریخ پر تو انحصار کرنا لازم ہے۔ورنہ روایات تو حسبِ ضرورت اختراع ہوتی ہی رہی ہیں۔

اللہ پاک ہم سب کو سلامتی فکر و عمل اور پاک باطنی عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

خیر اندیش ـــــ ڈاکٹر [illegible]

Marfat.com

شہید کی زندگی اور موت کا ذائقہ

اجمال

مضمون زیر غور میں فکر اس بات پر کیا گیا ہے کہ ایک طرف اللہ نے اپنے ایک اٹل قانون کا ذکر فرمایا کہ ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ دوسری طرف ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے خود قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اصلاح احوال کا موقع دیا جاتا ہے۔ البتہ ان کی زندگی کا ہمیں شعور نہیں۔ ان مذکورہ دو ارشادات میں ہم آہنگی کس طرح ممکن ہے اور ان کی تاویل کیسے کی جانی چاہیئے۔ اپنی سمجھ کے مطابق اس کی مندرجہ ذیل چند تاویلات ممکن ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ شہادت کا عمل ان شہداء کی موت واقع ہو کر موت کا ذائقہ تو چکھا دیتا ہے یعنی ایک لمحاتی موت وارد ہونے کے فوراً بعد انہیں ایک نئی زندگی دینوی زندگی کی طرح دے دی جاتی ہے جس میں جسم مل جاتا ہے اور انہیں رزق بھی پہنچتا رہتا ہے اور مدت عمل میں انہیں توسیع مل جاتی ہے۔ وہ مردہ روحوں کی طرح برزخ میں نہیں جاتے یہ توسیع تا قیامت جاری رہ سکتی ہے اور ان کا جنت میں داخل ہونا یقینی ہے۔

2۔ دوسرے یہ کہ شہادت جو بظاہر موت واقع ہو جانے کا عمل ہے حقیقتاً موت واقع نہیں ہوتی بلکہ اس زندگی کے تسلسل میں انہیں نئی زندگی مل جاتی ہے اور اس میں رزق کی فراہمی بدستور جاری رہتی ہے۔ اس نئی قسم کی زندگی میں انہیں اصلاح احوال کے مواقع دیئے جاتے ہیں۔ وہ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتے ہیں اور شہادت کے ثواب کے علاوہ انہیں اپنے استحقاق کی بنیاد پر جنت میں داخلہ کا حق مل جاتا ہے۔ مگر شاید یہ زندگی شہداء کی عمر طبعی ہی تک محدود ہوتی ہے یعنی اللہ کے علم میں اگر ان میں کسی کی زندگی 60 سال تک عمر طبعی کے حساب سے ہو اور وہ 30 سال کی عمر میں شہید ہو جائے تو باقی 30 سال زندگی بعد از شہادت اسے ملے گی۔ رزق فراہم کیا جائے گا اور اصلاح احوال ہو گا۔ اس کے بعد وہ موت واقع ہو گی جو ہر نفس کیلئے لازمی ہے ان حالات سے گزرنے کے بعد وہ شہید ایک نفس مطمئنہ بن جائے گا اور داخل جنت ہو گا۔

3۔ تیسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تمام کائنات حق پر مبنی ہے خود اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

ذات اقدس سب حقانیت پر محیط حق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس حق کی شہادت جس نے جان دے کر دی وہ موت کے بعد اس حقانیت کا جزو بن گیا اور جس طرح حق زندہ جاوید ہے شہید بھی زندہ جاوید بن گیا۔ مگر اس صورت میں رزق کی ضرورت اور اس کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے اس کا اندازہ مشکل ہے۔ میری حقیر رائے میں جو پہلی صورت بیان ہوئی وہ ہی زیادہ قرینِ عقل و قابلِ ترجیح ہے۔

تفصیل

جس مسئلہ پر آج ہم غور کرنے لگے ہیں وہ اللہ کے دو اٹل قوانین فطرت ہیں جن کی بظاہر عدم آہنگی میں ہم آہنگی تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ مسئلہ ہے شہید کی ظاہری موت کے باوجود اس کے مردہ نہ سمجھنے کا حکم اور ہر نفس کیلئے موت کی اٹل حقیقت کا انکشاف جو اللہ نے فرمایا۔

اللہ نے ایک قانون فطرت دوٹوک بیان فرمادیا کہ:۔

(I) کُلُّ نَفسٍ ذَائِقَۃُ المَوت ہ

آیت نمبر 35 سورۃ الانبیاء نمبر 21

اوز آیت نمبر 57 سورۃ العنکبوت نمبر 29

ترجمہ:۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:۔

(II) وَلَا تَحسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَموَاتًا بَل اَحیَاءٌ عِندَ رَبِّھِم یُرزَقُونَ ہ

آیت نمبر 169 سورۃ ال عمران نمبر 3

ترجمہ:۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ (حقیقت) میں زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔

یہ آیت متشابہات میں ہے۔ ہماری سمجھ میں اس کا مفہوم واضح ہو یا نہ ہو یہ ہمارے رب کا ہی ارشاد ہے اس لئے غلط تو ہو ہی نہیں سکتا مگر اس پر غور کرنے سے ہمیں منع بھی نہیں کیا گیا اور ساتھ ہی جو کچھ ہم سمجھ سکیں اس کے درست ہونے پر بھی قطعاً اصرار نہیں لہٰذا غور کر لیتے ہیں اس سلسلہ میں دیگر مقامات پر اللہ نے فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کے متعلق

Marfat.com

کیا۔ ارشادات فرمائے ہیں وہ مطالعہ کرتے ہیں تاکہ رہنمائی حاصل ہو۔
آیت نمبر 154 سورۃ البقرہ نمبر 2 میں بھی فی سبیل اللہ مقتولوں کو مردہ نہ کہنے کی ہدایت ہے۔

(III) وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ O

آیت نمبر 154 سورۃ البقرہ نمبر 2

ترجمہ: "ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔"

(IV) وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ o

آیت نمبر 157، 158 سورۃ آل عمران

ترجمہ: "اور اگر تم خدا کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت اور رحمت (جو تمہارے حصہ میں آئے گی) وہ اس دولت سے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں بہت اہم ہے اور خواہ تم مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ ہر حال میں تم سب کو سمٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔"

ان آیاتِ مبارکہ میں الفاظ "متم" اور "قتلتم" نہایت قابل غور ہیں۔ گویا اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا یا مر جانا یکساں معنی رکھتا ہے۔ تو یہ شہادت فی سبیل اللہ بھی موت کے ہی مترادف ہے اور وہ موت جس کا ذائقہ ہر ذی روح نے چکھنا ہے۔ شہید کی بھی بوقت قتل فی سبیل اللہ واقع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہادت کے بعد وراثت اور بیوہ کے نکاحِ ثانی کے وہی احکام ہیں جو ایک عام موت کی صورت میں ہوتے ہیں۔ مگر عام موت میں اور شہادت کی موت میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ عام مُردوں کی روحیں برزخ میں حشر تک موجود رہتی ہیں مگر شہید کو فوراً حیاتِ نو دے دی جاتی ہے جسم عطا کر دیا جاتا ہے اور جسمانی ضرورت جس میں رزق بنیادی ضرورت ہے فراہم ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس حیاتِ نو میں بطور انعام شہید کو اصلاح احوال اور کوتاہیوں کی تلافی کا بھی موقع میسر ہوتا ہے تاکہ وہ جنت میں بطور استحقاق داخل ہو سکے۔ مزید آیات تلاوت کریں

Marfat.com

(V) فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَ اُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم وَ اُوذُوا فِي سَبِيلِي وَ قَاتَلُوا وَ قُتِلُوا لَاُكَفِّرَنَّ عَنهُم سَيِّاٰتِهِم وَلَاُدخِلَنَّهُم جَنّٰتٍ تَجرِي مِن تَحتِهَا الاَنهَارO

جزو آیت نمبر195 سورة آل عمران نمبر3 (جزو)

ترجمہ: جو لوگ میرے لئے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے میری راہ میں انہوں نے قتال کیا یا قتل کئے گئے تو میں ان کے گناہ دور کر دوں گا اور انہیں جنت میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔

مزید ملاحظہ ہو:۔

(VI) فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يَشرُونَ الحَيٰوةَ الدُّنيَا بِالاٰخِرَةِ وَمَن يُقَاتِل فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقتَل اَو يَغلِب فَسَوفَ نُؤتِيهِ اَجرًا عَظِيمًاO

آیت نمبر74 سورة النساء نمبر4

ترجمہ:۔ جو لوگ آخرت کے عوض دنیا کی زندگی بیچنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں جو جنگ کرے اور شہید ہو جائے یا غلبہ پائے ہم ان کو عنقریب بڑا ثواب دیں گے۔

(VII) اِنَّ اللّٰهَ اشتَرٰى مِنَ المُؤمِنِينَ اَنفُسَهُم وَ اَموَالَهُم بِاَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقتُلُونَ وَ يُقتَلُونَ وَعدًا عَلَيهِ حَقًّا فِي التَّورٰاةِ وَ الاِنجِيلِ وَ القُراٰنِO

آیت نمبر111 توبہ نمبر9

ترجمہ:۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے توراۃ اور انجیل اور قرآن میں۔

اب مندرجہ ذیل آیات نہایت اہم معنی رکھتی ہیں۔

(VIII) وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَلَن يُّضِلَّ اَعمَالَهُم سَيَهدِيهِم وَ يُصلِحُ بَالَهُم وَيُدخِلُهُمُ الجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمO

آیت نمبر6-4 سورة محمد نمبر47

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ وہ ان کی رہنمائی فرمائے گا۔ ان کا حال درست کر دے گا اور انہیں اس جنت میں

Marfat.com

داخل کرے گا جس سے وہ ان کو واقف کرا چکا ہے۔

ان تمام آیات میں II اور III پر جو آیات ہیں ان میں شہید کو مردہ نہ کہنے' ان کے زندہ ہونے کی اطلاع اور انہیں منجانب اللہ رزق کی فراہمی کی خبر دی گئی ہے اور ظاہری موت کے بعد جو کچھ اضافی رحمت ان کے حصہ میں آئی اس کا ذکر ہے۔ ان آیات پر قیاسا جو کچھ سمجھ میں آیا ہے اس کا تذکرہ بعد میں کریں گے۔

دوسری تمام آیات میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے والوں کا ذکر اسی انداز میں کیا گیا ہے جیسے کہ عام مرنے والوں کا ذکر ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہید کی بیوہ نکاح ثانی ایک عام بیوہ کی طرح کر سکتی ہے۔ اس کی وراثت بھی عام متوفی کی طرح ورثاء کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ کا وہ قانون جو بلا استثناء ہر ذی روح کیلئے لاگو جاری اور ساری ہے یعنی "کل نفس ذائقة الموت" ان شہدا پر بھی نافذ العمل ہے مگر عام موت کی طرح شہید برزخ کی مردہ اور بے جسم روحوں میں شامل ہو کر حشر تک صورِ اسرافیل کے منتظر نہیں ہوتے بلکہ انہیں موت واقع ہو جانے کے بعد حیاتِ نو عطا کر دی جاتی ہے انہیں جسم فوراً عطا کر دیا جاتا ہے۔ رزق بھی فراہم ہوتا ہے اور وہ زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ مہلتِ عمل جو اصلاح حال کیلئے موت تک ایک عام آدمی کو دنیا کی زندگی میں ہوتی ہے وہ مہلت شہداء کیلئے بدستور باقی رہتی ہے جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد نے کسی حد تک واضح فرمائی ہے۔

آیات نمبر 4-6 سورۃ محمد نمبر 47 میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کے عملوں کو ہرگز ضائع نہ کرے گا بلکہ انہیں سیدھے راستہ پر چلائے گا۔ ان کو اس بہشت میں جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے داخل کرے گا۔

آل عمران کی آیت نمبر 157 میں موت کا لفظ استعمال ہوا۔ ایک طرف مارے گئے کے لفظ سے یہ واضح ہوا کہ انہوں نے موت کا ذائقہ چکھ لیا مگر ساتھ ہی فرمایا گیا ان کو سیدھے راستہ پر چلایا جائے گا یعنی ان کی مہلت عمل ان کی موت ختم نہیں کر سکے گی۔ انہیں تلافی مافات کا موقع بھی میسر ہو گا اور اس سے وہ فائدہ بھی اٹھائیں گے۔ جس اعلیٰ مقصد کی راہ میں انہوں نے جان دی تھی اس اعلیٰ درجہ تک استحقاق بھی حاصل کر لیں گے اس لئے کہ بنیادی طور پر وہ بہشت کی سچائی سے واقف ہیں اور اس کے حصول کے طلب گار ہوں گے۔ وہ نئی زندگی جس میں انہیں تلافی کا موقع دیا جائے گا وہ اسی طرح رزق کی محتاج ہو گی جس طرح یہ جسمانی

Marfat.com

دینوی زندگی ہوتی ہے وہ رزق اللہ انہیں فراہم فرماتا رہے گا جیسے کہ سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 169 اور سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 154 میں ارشاد ہوا لہٰذا وہ برزخ کی مردہ روحوں میں شامل نہیں ہوں گے اس لئے انہیں مردہ نہیں کہا جاسکتا۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ یہ زندگی جس میں اللہ کی طرف سے رزق کی فراہمی ہوتی رہے گی کتنی طویل ہے۔

1:۔ ایک امکان تو یہ ہے کہ وہ شہید موت کے فوراً بعد نئی زندگی میں (جو رزق کی محتاج ہے) داخل ہو جائے گا اور اس کے بعد اصلی بہشتی ہو جائے گا اس لئے کہ وہ ایک نفسِ مطمئنہ ہو گا جس کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادْخُلِیۡ جَنَّتِیۡ O

آیت نمبر 30 سورۃ الفجر نمبر 89

ترجمہ:۔ (ارشاد ہو گا) اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ رب سے تو راضی ہے اور رب تجھ سے راضی ہے شامل ہو جا میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

گویا موت کا مزہ چکھ کر اس نے ایک نئی زندگی مع رزق حاصل کی۔ اصلاحِ احوال مکمل طور پر سیدھے راستے پر چل کر کر لیا اور نفسِ مطمئنہ بن کر براہِ راست جنت میں چلا گیا اور وہاں سے سیدھا بہشت کی حیاتِ ابدی میں داخل ہو گیا۔

یہ وضاحت یہاں ضروری ہے کہ برزخ میں روحیں بغیر جسم باقی تو ہیں مگر وہ زندہ دینوی اعتبار سے نہیں ہیں اس لئے کہ نہ جسم بغیر روح مکمل ہے اور نہ ہی روح بغیر جسم مکمل انسان ہے۔ زندگی جسم مل جانے کے بعد انہیں یوم محشر عطا ہو گی اور اسی وقت عذاب و ثواب کا حکم نافذ العمل ہو گا۔

دوسرا امکان یہ ہے کہ شہادت کے بعد نئی زندگی بھی دینوی زندگی کا تسلسل ہو سکتا ہے اور وہ زندگی اتنی مدت جاری رہے گی جتنی کہ شہید کی عمرِ طبعی تھی اور اللہ کے علم میں ہے اگر ایک شخص کی عمر طبعی 60 سال ہے اور وہ بعمر 30 سال شہید ہو گیا تو یہ حیات نو بقیہ 30 سال تک جاری رہے۔ رزق ملتا رہے اور اصلاحِ احوال اور تلافیٔ مافات کیلئے ہدایت اور عمل کی

Marfat.com

توفیق ملتی رہی اور پھر اس کی موت واقع ہو۔

تیسرا امکان یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں شہادت حق کی سب سے بڑی عملی گواہی ہے اور جس طرح حق ابدی ہے اسی طرح شہید واصل بالحق ہو کر حیاتِ ابدی سے سرفراز ہو جائے مگر اس صورت میں رزق کی ضرورت اور عطا کے متعلق قیاس عاجز ہے۔

میرے قیاس کے مطابق قیاس اول زیادہ درست ہے۔ شہید کی موت قتل پر واقع ہو کر اسے فوراً نئی زندگی بہ مع جسم عطا ہو جاتی ہے۔ رزق ملتا ہے اصلاحِ احوال کا موقع ملتا ہے اور آخر کار وہ بطور نفسِ مطمئنہ داخلِ جنت ہو جاتا ہے۔ شہادت کے بعد شہید بے جسم روح کے طور پر برزخ میں منتظرِ محشر نہیں ہوتا اور مُردوں کی طرح بے جسم کے بطور روح برزخ میں نہ ہے۔ لہٰذا شہید مردہ نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

Marfat.com

سفر کی دعائیں

جانور کی سواری اور بے جان سواری۔ علیحدہ دعائیں

بظاہر یہ بات جو عرض کرنے لگا ہوں زیادہ اہم نہیں مگر قرآن حکیم کے صحیح مفہوم کی پیروی کی سعادت اور اکتسابِ فیض کیلئے یہ بات اہم ہے۔

اسلامی معاشرہ میں قرنِ اوّل سے جو دعا سفر کیلئے سوار ہوتے ہوئے پڑھی جاتی ہے وہ

سُبحانَ الَّذی سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقرنِین و اِنَّآ اِ لیٰ رَبِنَآ لَمنقلبون ہ

آیت نمبر 13+14 الزخرف نمبر 43

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے ان (جانوروں) کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ورنہ ہم ان پر قابو نہ رکھتے تھے۔ اور ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے''

یہ دعا یا یہ آیت سفر کیلئے وہ واحد آیت ہے جو ہمارے یہاں مروج ہے۔ ضیاء الحق صاحب کے دور سے یہی دعا ہو رہی ہے۔ جہازوں میں بھی تلاوت کیجا رہی ہے۔ اس رواجِ عام کی بنیادی وجہ قرآن حکیم کی تعلیم کے علاوہ اسکا پڑھنا سنتِ رسول ہونا بھی ہے۔

مگر دراصل یہ آیت صرف زندہ سواریوں کے لئے تعلیم فرمائی گئی تھی۔ اور چونکہ رسولِ کریمؐ نے صرف زندہ سواریوں (جانوروں) پر ہی سفر فرمایا تھا اسلئے یہی سنت بن گئی۔ عام رواج پا گئی۔ میری اس گزارش کی دلیل اور غیر زندہ سواریوں کیلئے دوسری متبادل دعا ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

مکمل آیات نمبر 13+14 سورہ الزخرف نمبر 43 تلاوت کیجئے:۔

وَالَّذِی خَلَقَ الازوَاجَ کُلَّھَا وَ جَعَلَ لَکُم مِّنَ الفلکِ وَ الاَنعَامَ مَا ترکبُون ہ لِتستَئرِ عَلیٰ ظُھُورِہٖ ثم تَذکُرُوُ نِعمَتَہ رَبکُمُ اِذَاسنوَ یتمُ علیہِ و تقولو اسُبحٰنَ الَّذی سَخَّرَ لنا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقرِنِین. وَاِ نَآ اِلیٰ رَبِنَآ لَمُنَقلِبون ہ

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تمام اقسام پیدا کیں اور جس نے تمہارے لئے کشتیوں اور جانوروں کو سواری بنایا۔ تا کہ تم اسکی پشت پر سوار ہو اور جب اس پر سوار ہو تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہو پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس (جانور) کو مسخر کیا ورنہ ہم اسے قابو کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے''۔

اس آیت میں دو قسم کی سواریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک کشتی جو اس زمانہ کی تنہا بے جان سواری تھی دوسرے جانور جو کئی اقسام کے تھے جو بطور سواری استعمال میں آتے تھے۔ آیت نمبر

13 کا باقی مضمون صرف جاندار سواریوں سے متعلق ہے انکی پشت پر سوار ہونے اور آزخود قابو نہ کر سکنے کا اعتراف اور اللہ کا ان جانوروں کو مسخر کر دینا یہ سب صرف جاندار سواریوں کیلئے تھا۔ رسول کریمؐ نے گھوڑا، اونٹ، خچر وغیرہ پر ہی سواری فرمائی لہذا ہمیشہ اسی آیت کا ورد فرمایا۔

آج بھی گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ، ہاتھی، بیل، یاک، تانگہ، بیل گاڑی، سلیج (برفانی گاڑی جسے کتے کھینچتے ہیں)۔ وغیرہ وہ سواریاں ہیں جو جانوروں سے کھنچتی اور چلائی جاتی ہیں اور ان پر سوار ہوں یا جانور کی پشت پر سواری ہو تو یہی ہیں دعا لازماً پڑھنا چاہیے۔ قرآنی تعلیم بھی ہے اور سنت رسول کریمؐ بھی ہے۔

لیکن آج وہ سیکڑوں اقسام کی سواریاں وجود میں آچکی ہیں جن میں جانور بالکل استعمال نہیں ہوتا۔ یہ سواریاں سائیکل سے لیکر ہوائی جہاز تک ہر قسم کی بن چکی ہیں اور مزید بن رہی ہیں کچھ مشین ہیں۔ کچھ پٹرول اور ڈیزل سے چلتی ہیں کچھ گیس سے چلتی ہیں، بھاپ سے بھی چلتی رہی ہیں اور بیٹری سے بھی چلے گی مذکورہ بالا آیات میں کشتی کا ذکر ضرور ہے مگر دعاءِ تشکر صرف جانوروں کے متعلق تعلیم کی گئی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بے جان سواریوں میں بیٹھتے ہوئے کیا پڑھا جائے۔ یہ بتانے سے پہلے چند آیات کی تلاوت مفید ہوگی۔

آیت نمبر 32 ابراہیم نمبر 14 کے آخری جزو میں ارشاد ہوا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهٰرَ ۝

ترجمہ: ''کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس (اللہ) کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا''۔

یہاں مسخر کر دینے کا ذکر فرمایا گیا ہے جسکا مطلب ہے کہ یہ اشیاء ان قوانین طبعی کی پابند ہیں جسکے علم کے ذریعہ انسان ان سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ گویا انسانوں کیلئے ان چیزوں کو نفع بخش بنا دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ آیت نمبر 65 الحج نمبر 22 میں ارشاد ہوا

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۝

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین میں سب کچھ تمہارے فائدہ کیلئے مسخر کیا ہوا ہے اور کشتی بھی (اسی کے قانون کے تحت) سمندر میں چلتی ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 65 سورۃ العنکبوت میں مشرکین کا کشتی میں سوار ہوتے ہوئے خالص اللہ سے دعا کرنا اور بعد میں شرک کرنے کا ذکر ہے۔

آیت نمبر 8 سورۃ النحل نمبر 16 میں ارشادہ ہوا :۔

ترجمہ: ''اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق بنیں اور بہت سی چیزیں پیدا کیں جن کا تمہیں علم نہیں''۔ یہاں اغلب یہ ہے کہ دوسری جاندار سواریوں کی طرف اشارہ ہے جیسے پاک رینڈئر، یا بھینس وغیرہ جن سے شاید عرب واقف نہ تھے۔

آیت نمبر 72 سورہ یٰس میں بھی جانوروں کو سواری کیلئے انسان کے قابو کرنے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے کہ (ترجمہ) ''ہم نے (جانوروں کو) اس طرح انکے بس میں کر دیا ہے کہ کسی پر سوار ہوتے اور کسی کا گوشت کھاتے ہیں'' اس آیت میں بھی قابو یا بس میں کر دینے سے مراد جانور ہیں۔ اسی طرح آیت نمبر 79 سورۃ المومن نمبر 40 میں جانوروں کا ذکر بطور سواری و غذا فرمایا۔ اسی سورہ کی آیت نمبر 80 میں جانوروں کے علاوہ کشتیوں کا ذکر بطور سواری فرمایا گیا۔

اس تمام تذکرہ سے صاف عیاں ہے کہ رسول کریمؐ کے دور میں جانور بطور سواری کثرت سے زیر استعمال تھے اسلیئے انکے حوالہ سے بات بار بار کہی گئی کہ مخاطبین اوّل بات بآسانی سمجھ سکیں۔ اسی نوع کی سواری کو انسان کے بس میں کر دینے کی بات کی گئی اور اس پر شکر اور اپنا اعترافِ عجز کرنے کیلئے دعا رآیت براہ راست تعلیم فرما دی۔

لیکن اس دور کی تنہا بے جان سواری یعنی کشتی کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ اسکا تذکرہ بھی کیا گیا۔ اسکے مسخر اور مفید ہونے اور قوانین طبعی سے استفعادہ کرتے ہوئے سمندروں اور دریاؤں میں سفر کی بابت فرما دیا گیا۔ مشرکین بھی کشتی میں سوار ہوتے ہوئے صرف اللہ کو پکارتے تھے مگر بعد میں مزعومہ خداؤں کو ترک نہیں کرتے تھے۔

اب اس بے جان سواری اور اس جیسی دوسری سواریوں کا ذکر اور اسکے لئے موزوں دعا کا ذکر قرآن میں دیکھتے ہیں۔ حضرت نوح کی کشتی کا ذکر فرما کر ارشاد ہوا۔

وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ٥ آیت نمبر 42 یٰس نمبر 36

ترجمہ: ''پھر انکے لئے اسی (کشتی) کے مثل اور بھی چیزیں پیدا کیں جن پر سوار ہوتے ہیں''

پھر سورہ ہود نمبر 11 کی آیت نمبر 41 تلاوت کریں جو اس مضمون کا اصل مغز ہے حضرت

نوحؑ کو حکم ہوا کہ سب کچھ حسبُ الحکم کشتی نوحؑ میں لاد دو اور وہ تھوڑے لوگ جو ایمان لائے تھے انہیں بھی سوار کرادو۔ حضرت نوحؑ نے انکو ارشاد فرمایا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔

بِسمِ اللّٰہ مَجرِےھَاوَ مُرسٰھَا اِنَّ رَبیّ لَغَفُور" رَّحیم ہ

ترجمہ: ''اللہ ہی کے نام سے ہے اسکا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی۔ میرا رب بڑا غفور اور رحیم ہے''

یہ دعا ہے جو بے جان سواری کیلئے ایک برگزیدہ نبی نے اغلباً اللہ کی تعلیم کردہ ہدایت کے مطابق پڑھی۔ اہم بات یہ ہے کہ اس دعا میں اللہ کے نام سے سفر کا آغاز اور اختتام ہونے کے علاوہ اللہ کی دو اہم اور مناسب موقع صفات کا ذکر کیا گیا۔ ایک تو یہ کہ اسکے چلانے میں اگر غلطی ہو جائے یا اسکی بناوٹ میں نقص واقع ہو تو اللہ اسکی تلافی فرما دے۔ اس غلطی اور نقص کے نتیجہ میں جو نقصان ہو سکتا ہے اس سے محفوظ فرما دے اسلئے کہ وہ غفور ہے غلطی کی تلافی فرماتا ہے۔ دوسری صفت رحیم ہے کہ جو اسکی طرف رجوع کرتے ہیں اُن پر اسکی رحمت بالخصوص ہوتی ہے۔

س موقع پر قابو میں کر دینے کا ذکر نہیں اسلئے کہ کشتی بے جان سواری ہے۔ قانونِ طبعی کے مطابق اس نے کام کرنا ہے۔ مگر کسی غلطی کا یا خود کشتی میں نقص کا امکان بہر حال ہے اسلئے مغفرت اور رحمت طلب کی گئی لھٰذا میرا مشورہ ہے کہ جانور یا جانور سے چلنے والی سواری پر بیٹھتے ہوئے وہ دعا جو آیت نمبر 14 - 13 سورہ الزخرف نمبر 43 میں تعلیم ہوئی پڑھی جائے۔ سہولت کیلئے دوبارہ نقل کرتا ہوں۔

سُبحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا ھٰذا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقرِنین. وَاِنَّ اِلیٰ رَبِنَا لمنقلبون ہ

تمام بے جان سواریوں کیلئے حضرت نوح کا اتباع کرنا مناسب ہے اور ان پر سوار ہوتے ہوئے یہ پڑھا جائے۔

بِسمِ اللّٰہ مَجرِےھَاوَ مُرسٰیٰ ھا اِنَّ رَبیّ لَغَفُور" رَّحیم ہ

سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ

Marfat.com

الصفا والمروۃ
شعائر اللہ

اللہ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 158 میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا۔

ترجمہ: ''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کے شعائر (پسندیدہ طریقوں) میں سے ہیں۔ پس جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس کے لئے کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان طواف (سعی) کرے''

ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب حج اور عمرہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوتے ہیں تو صفا اور مروہ کے درمیان طواف اور سعی کا خصوصیت سے پسندیدہ ہونے کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ مزید یہ کہ اس سعی کو گناہ نہ ہونے اور کہنے کا اہتمام کیوں فرمایا گیا۔ ان دونوں سوالات پر غور کرتے ہیں۔

اول یہ کہ یہ سعی پسندیدہ طریقہ کیوں ہے؟

ہم میں سے اکثر یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ یہ شعائر طریقہ یا سعی حضرت ہاجرہؑ کے اس اضطراری عمل کی نقل اور اتباع ہے جو حضرت ہاجرہؑ نے بھوک و پیاس اور بچہ (حضرت اسمٰعیلؑ) کے بھوک سے بلکنے پر کیا تھا۔

حضرت ہاجرہ اور شیر خوار حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم، اور حضرت ہاجرہ کی مستعد رضامندی سے ایک ایسی وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر اللہ کے سپرد کر گئے جہاں دور دور تک پانی، زراعت اور باغات وغیرہ مفقود تھے۔ بالکل بے آب و گیاہ، ویران مکمل طور پر غیر آباد وادی کے اس مقام (موجودہ مکہ مکرمہ) کا انتخاب اللہ ہی کے حکم سے کیا گیا تھا۔ حضرت ہاجرہ کو اس حکم کی نوعیت اور اس غیر آباد وادی کی ہولناکی کا مکمل علم و ادراک تھا۔ مگر وہ بخوشی اللہ کے حکم کی اطاعت اور تعمیل میں وہاں پہنچ گئیں۔ جو زادِ راہ پانی اور کھانے کی صورت میں لایا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم نے بیوی بچے کے پاس چھوڑا اور واپس ہو گئے۔ جب زادِ راہ ختم ہو گیا تو حضرت ہاجرہؑ کو

Marfat.com

اپنی بھوک اور پیاس سے زیادہ شیر خوار اسمٰعیلؑ کے بھوک اور پیاس سے بلکنے نے تڑپا دیا۔ مگر مداوا کوئی نہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ تا حدِ نظر نہ پانی ہے نہ آبادی ہے مگر اللہ کی عظیم بندی نے ایک نہایت موہوم امید پر کہ شاید ان پہاڑیوں کے اُس طرف یا اِس طرف کوئی قافلہ مصروفِ سفر نظر آ جائے یا کوئی بھٹکا ہوا مسافر نظر میں آ جائے یا کوئی غیر متوقع صورت اس اذیت سے نجات کی پیدا ہو جائے دونوں پہاڑیوں کے درمیان 7 بار چکر لگایا۔ بچے کو تھپکی دیکر تسلی دینا بھی مقصود ہو گا۔ ساتویں چکر پر حضرت اسماعیل کی ننھی ایڑی کے نیچے پانی کی نمی محسوس فرمائی۔ ریت ہٹایا تو چشمہ ابل پڑا اور پانی اتنی شدت سے ابلا کہ بے اختیار انکے منہ سے زم زم (ٹھہر جا ٹھہر جا) کا لفظ نکلا اور وہی اس چشمہ کا نام قرار پایا یعنی چاہِ زم زم۔

اللہ کو حضرت ہاجرہ کا یہ اضطراری فعل استعدر پسند آیا کہ مناسکِ حج میں شامل ہو گیا۔ مگر اس پسندیدگی کی وجوہات کیا تھیں؟ دراصل حج اور عمرہ میں اس سعی کا دہرانا محض ایک سنت کا اتباع نہیں ہو سکتا بلکہ اس عظمتِ کردار اور ان خصائل اور احساسات کا زندہ رکھنا مقصود ہو گا جسکے تحت اللہ کی عظیم بندی حضرت ہاجرہ اس سعی کے دوران گزریں۔

اس سبق کو دہرانا مقصود ہو گا جسکے تحت اس ابتلاء سے گزر کر انہیں وہ عظمت حاصل ہوئی۔ ان پسندیدہ خصائل کے ذکر سے قبل وہ حالات جنکے تحت حضرت ہاجرہ یہاں تک پہونچیں کا تذکرہ مناسب ہو گا۔

حضرت سارہ زوجہ اوّل حضرت ابراہیمؑ تھیں مگر اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔ حضرت ہاجرہ مصر کے بادشاہ کی بہن تھیں اور بطور کنیز تحفہ میں دیدی گئی تھیں۔ اس دور میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت ایک پالتو جانور سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ حضرت سارہ کے مشورہ پر اولاد کی خاطر حضرت ہاجرہ سے حضرت ابراہیم نے نکاح کر لیا اور حضرت اسمعیل پیدا ہوئے۔ مگر حضرت سارہ اولاد سوکن کے وجود سے بہت ناخوش تھیں۔ گھر میں ہمہ وقت اختلاف اور ماحول میں ناخوشگواری سے حضرت ابراہیم بہت دل برداشتہ تھے اور اس سے نجات کیلئے دست بدعا تھے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہاجرہ اور اسمعیل کو وادیِ بے آب و گیاہ میں چھوڑ آؤ۔ حضرت ہاجرہ اطاعتِ حکم کیلئے فوراً آمادہ ہو گئیں۔ سفر شروع ہو گیا۔ ہر ویران جگہ کا جائزہ لیا جاتا رہا مگر وہ وادی غیر ذی زرع مقام مکہ پہنچ کر نظر آئی اور حضرت ہاجرہ مع شیر خوار یہاں ٹھہرا دی گئیں کہ یہی وہ مقام تھا جو اللہ کا مقصود تھا۔ عجب سفر ہو گا اور عجیب تر مسافر اور عجیب ان کی منزل۔ لوگ اہل و عیال کو پانی،

Marfat.com

کھانا اور سایہ میں چھوڑتے ہیں وہاں وادی بے آب وگیاہ کی تلاش تھی۔ شیطان ڈراتا ہے کہ ایک کمزور عورت اور معصوم بچے کو کیوں ہلاکت میں ڈال رہے ہو۔ یہ تین مقامات شیطانی وساوس کے وہی ہیں جہاں شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ عقل بھی حیران ہے کہ ایسی جگہ پر کمزور بے بس عورت اور بچہ کیونکر زندہ رہ سکیں گے۔ مگر اس کو استقامت اور سرچشمہ ایمان کو اطاعت و تعمیل حکم اور رضائے الٰہی مقصود ہے۔ عقلی اور واقعاتی خوف اس جذبہ تعمیل میں حائل نہیں ہوتا۔ شیطانی وساوس کو جھٹک دیتے ہیں اور تعمیل حکم الٰہی کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ مگر حضرت ابراہیم کی اس استقامت میں حضرت ہاجرہ برابر کی شریک ہیں۔ اور مستقبل کے اس امام الناس کو اپنے شوہر کو تسلی دے کر خدا کے سپرد کر دینے کا مشورہ دیتی ہیں۔ اور رخصت کر دیتی ہیں۔ بعد کے واقعات مذکور ہو چکے ہیں۔

اب اللہ نے اسے پسندیدہ شعار قرار دے کر مناسک حج وعمرہ میں کیوں شامل کیا۔ اس سنت کی پیروی میں کیا سبق پوشیدہ ہیں ان پر غور کرنا ہے۔ جو میں سمجھ سکا ہوں وہ عرض کرتا ہوں ان کے علاوہ بھی حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ یہ عرضداشت حرف آخر نہیں۔

I اولاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا عملی اور جامع مرقع حضرت ہاجرہ نظر آتی ہیں۔ جس میں اللہ نے اپنی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونے کا حکم صادر فرمایا۔

لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَتِ اللّٰهِ (آیت نمبر 53 الزمر نمبر 39) o

ترجمہ: اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔

حالات کس قدر مایوس کن تھے۔ دور حدِ نظر تک نہ سبزہ نہ درخت نہ آبادی' نہ پانی کا وسیلہ نہ کھانے کا ذریعہ مگر اس کے باوجود حضرت ہاجرہ رحمتِ الٰہی سے مایوس نہیں ہیں' پر امید ہیں۔ بظاہر لاحاصل کوشش کر رہی ہیں تگ ودو میں مصروف ہیں۔ ایک کمزور عورت جو بچہ کی وجہ سے مزید کمزور ہے اس قدر ناگفتہ بہ حالات میں بھی اس آیتِ قرآنی کا مرقع نظر آتی ہیں۔ ایک تو اللہ کی پسندیدگی کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ وہ اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوئیں۔

II دوسری وجہ عظمت اللہ کی درج ذیل آیت میں نظر آتی ہے۔ آیت نمبر 79 النساء نمبر 4 ملاحظہ کریں۔

وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ o

ترجمہ: (تجھے ہر بھلائی اللہ کی عنایت سے پہنچتی ہے اور تیری ہر مصیبت تیرے اپنے کسب عمل سے

ہے)

اس شدید ترین ابتلاء کے وقت بھی حضرت ہاجرہ نہ اللہ سے شکوہ کرتی ہیں نہ شکایت نہ کوئی سوء ظن ہے۔ اللہ سے یہ نہیں کہتی کہ مجھے اور اس معصوم بچہ کو کس مصیبت میں ڈال دیا یا یہ کہ کیسا بے رحم حکم تو نے جاری کیا۔ وہ جانتی ہیں کہ اللہ کی طرف سے کبھی مصیبت نہیں آتی ۔ یہ ابتلا بھلائی ہے۔ برائی نہیں اس لئے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کی وجہ سے وہ یہاں آئی ہیں۔ یہ خرابی ہو ہی نہیں سکتی۔ برائی نہیں بھلائی ہے۔ جیسے کہ جہاد کیلئے ایک شخص اللہ کی راہ میں نکلتا ہے تو صعوبت کو مصیبت نہیں اللہ کی رضا سمجھتا ہے۔ اللہ سے شکوہ وشکایت نہیں دعا کرتا ہے دعا کا اللہ نے تذکرہ نہیں فرمایا مگر یہ بات یقینی ہے کہ حضرت ہاجرہ نے شکوہ شکایت یا جزع وفزع نہیں کیا۔ وہ صبر جمیل کا پیکر ہیں اور اس اعتبار سے بھی اللہ کی محبوب خصلت اپنائی ہوئی ہے۔

سورۃ البقرہ کی مبینہ آیت نمبر 158 سے قبل آیت نمبر 155 تا نمبر 157 میں اللہ انسان کی صعوبتوں کا ذکر بطور ایمان کی آزمائش کر رہا ہے۔ ان تکالیف پر صبر کی عظمت بیان فرماتا ہے ارشاد ہے کہ میں تمہیں آزماتا ہوں خوف سے۔ بھوک سے اور مال، جانوں اور پھلوں کی کمی سے آپ ان حالات میں صبر کرنے والوں کو بشارت دیدیجئے حضرت ہاجرہ نے بہترین صبر کا مظاہرہ اللہ کو کسی بھی قسم کے الزام سے مبرا فرما کر کیا۔

حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں اپنی ایک رائے کی غلطی کی پاداش میں چلے گئے۔ مگر اس ابتلاء کا خود کو ذمہ دار اور اللہ کو قطعاً بری الزمہ ٹھہرایا کہ تو تو پاک ذات ہے میں ظالموں میں سے ہوں۔ اللہ کی رحمت نے انہیں اس مصیبت سے نکال دیا یا غم سے نجات دیدی۔ اور مزید فرمایا گیا کہ جب کوئی مومن مجھے بری الزمہ قرار دیکر سبحان اور ظلم سے پاک ہستی تسلیم کریگا اور اپنی مصیبت کیلئے خود کو قصور وار جانیگا تو میں عادتاً اسے غم سے نجات دیدیا کرتا ہوں۔ ملاحظ ہو آیت کریمہ نمبر 88-87 الانبیاء نمبر 21۔

فطرتِ انسانی کچھ یوں ہے کہ ہر مصیبت یا پریشانی کیلئے آدمی کسی دوسرے کی گردن پھنسانا چاہتا ہے۔ کبھی والدین کو الزام دیگا، کبھی کسی عزیز یا دوست کو کہ میری پریشانی کا باعث وہ ہے۔ اپنی ذمہ داری قبول کرنے سے گریزاں ہوتا ہے۔ اگر کوئی دیگر الزام کیلئے میسر نہ ہو تو مقدر کو کوستا ہے۔ گویا اللہ پر الزام لگاتا ہے کہ میرا تو کوئی قصور نہیں اللہ کی طرف سے پھنس گیا ہوں۔ یہ بات اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ اپنی غلطی کا علم یا ادراک نہ بھی ہو تو بھی اللہ کے سامنے خود کو قصور وار مان لینا اور

Marfat.com

اللہ کو پاک اور بے عیب مان لینا اللہ کی رحمت کو متوجہ کرتا ہے اور غم سے یقیناً نجات مل جاتی ہے۔ افادہ کیلئے آیت کریمہ اور ترجمہ پیش کرتا ہوں اس میں ایک عظیم بشارت پوشیدہ ہے۔ ارشاد حضرت یونس کے متعلق ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں انہوں نے عرض کیا۔

ان لَّآ اِلٰهَ اِلاَّ اَنتَ سُبحانَکَ اِنِّی کُنتُ مِنَ الظَّالمین۔

ترجمہ: کوئی الہ نہیں بجز تیرے تو ذات پاک ہے میں ہی غلط کار ہوں۔

اب اللہ جواب میں فرماتا ہے۔

فاستجبنا لَهُ وَ نجیّناهُ مِنَ الغَمِّ. وَ کَذَالِکَ نُنجِی المُؤمِنین.

ترجمہ: پس اسے (یونسؑ کو) جواب دیا گیا اور ہم نے اسے غم سے نجات دیدی۔ اور ہم مومنوں کو یوں ہی نجات دیدیا کرتے ہیں۔

گویا اپنا قصور تسلیم کرنا اور اللہ کی پاکیزگی بیان کرنا مومنوں کیلئے نجات کا ہمیشہ موجب ہوگا۔ ذکر حضرت ہاجرہ کا تھا کہ انہوں نے صبر و استقامت کا بہترین مظاہرہ فرمایا اور اللہ کو قطعاً موردِ الزام نہ گردانا۔ یہ گویا دوسری پسندیدہ خصلت و کردار تھا۔

III تیسری بات جو زیادہ حیران کن ہے وہ یہ کہ باوجود مکمل علم وادراک کے کہ کھانا اور پانی تا حدِ نظر میسر نہیں ہوسکتا اور ظاہر حالات اس ضمن میں کوئی کوشش کارگر نہیں ہوگی۔ مگر اسکے باوجود رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ صبر کرنا اور اللہ سے شکوہ وشکایت نہ کرنا کافی نہیں تھا کوشش جس حد تک ممکن ہو کرنا لازم تھا جو انہوں نے بھرپور کی۔ اللہ کی اس آیت پر مکمل طور ایمان کے ساتھ عمل کیا:

واَن لَّیسَ لِللِانسانِ اِلاّ ما سعیٰ ٥ آیت نمبر 39 النجم نمبر 53

ترجمہ: یقیناً انسان کیلئے کوشش کے بغیر کچھ نہیں۔

صرف ایمان بغیر عمل، محض تسبیح اور صبر کافی نہیں بلکہ جو ممکن ہے اس کوشش کا کرنا بھی لازم ہے۔ تیسری پسندیدہ خصلت یہ تھی کہ حضرت ہاجرہ نے باوجود کوشش کی گنجائش نہ ہونے کے کوشش ترک نہیں کی ایک پہاڑی کی چوٹی پر پھر بھاگ کر دوسری پہاڑی کی چوٹی پر سات دفعہ آتی جاتی رہیں۔ توکل کے ساتھ بھرپور کوشش لازمی ہے اور اللہ کو پسند ہے۔

ماحصل یہ ہے کہ وہ پسندیدہ کردار جسکی یاددہانی کیلئے سعی بین الصفا والمروہ مناسک حج وعمرہ بنی مندرجہ ذیل ہیں۔

I- کبھی اللہ کی طرف کسی ظلم وزیادتی اور مصیبت کو منسوب نہ کیا جائے وہ ہر ظلم وزیادتی سے پاک

Marfat.com

مبراء ہستی ہے۔

II- کسی بھی حالت میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں خواہ حالات کتنے ہی مایوس کن ہوں۔

III- بغیر عملی کوشش محض روحانی تقدس یا بے عمل توکل قطعاً بے معنی ہے عظمت کردار کیلئے کوشش کبھی ترک نہ کیجئے پھر اللہ پر توکل کیجئے۔

دوئم۔۔۔ارشاد کہ یہ طواف گناہ نہیں۔

اب اس آیت مبارکہ کا دوسرا حصہ جس میں ارشاد ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف گناہ نہیں اس فرمان کی وجہ کیا ہے۔

اس ارشادِ ربانی کی ایک وجہ تو تاریخی بتائی جاتی ہے کہ قبائل اوس وخزاج یعنی الضار مدینہ قبل از اسلام صفا اور مروہ پر نصب دو بتوں کو سخت ناپسند کرتے تھے اور وہاں کسی بھی عبادت کو بڑا گناہ سمجھتے تھے۔اس آیت سے اس ابہام کا ازالہ کر دیا گیا۔

دوسری وجہ جو بتائی جاتی ہے وہ یہ کہ ان پہاڑیوں پر بتوں کی تنصیب کی وجہ سے مسلمان ان کا طواف گناہ خیال کرتے تھے اس ارشاد سے یہ تصورِ گناہ ختم ہو گیا۔

لیکن جو بات درست معلوم ہوتی ہے وہ یہ تھی کہ مسلمان خانہ کعبہ کے علاوہ ہر طواف کو گناہ خیال کرتے تھے۔اللہ نے اس ارشاد سے واضح فرما دیا کہ یہ سعی اور طواف گناہ نہیں ہے۔حج اور عمرہ کا ایک حصہ ہے۔حقیقت صرف اللہ جانتا ہے۔

Marfat.com

مخلوط معاشرہ اور مسلمان

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنا خلیفہ مقرر فرما کر اسے تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی۔ اسے تمام صفاتی علوم سے مزین فرما کر بھرپور صلاحیتوں سے نوازا۔ اس علم کی قوتِ تسخیر سے تمام کائنات کو انسان کے لئے مسخر فرمادیا۔ فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ ریز کرلیا گیا۔ بجز بدی کی قوت کے سب نے آقائے حقیقی کے حکم پر اس کے خلیفہ کی اطاعت کا اقرار کیا۔ اس بدی کی قوت، شیطٰن سے خبردار کر دیا گیا کہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ اس کے مکروفریب، ترغیب و تحریص سے ہوشیار رہنا۔ مزید یہ انعام فرمایا کہ اسے بتادیا گیا کہ میں دینِ فطرت کی طرف راہ نمائی کے لئے اپنے منتخب بندوں کو بھیجتا ہوں گا۔ ان کی تعلیمات میں انسان کی دینوی اور اخروی زندگی کی بہبود مضمر ہے۔ اور شیطان کی پیروی ہر دو جہانوں میں خسران و نقصان کا باعث ہوگی۔

اہم بات یہ ہے کہ شجر و حجر کی طرح انسان کو پابند ہدایت نہیں کیا۔ اچھے اور برے کی تمیز و شعور دے کر یہ اختیار دے دیا کہ انسان چاہے تو خیر کی پیروی کرے اور چاہے تو وہ شر کی پیروی کرے۔ اس پر جبر روا نہیں رکھا گیا۔ یہی اختیار انسان کی اصل آزمائش ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو اپنی دنیا اور آخرت کی بہتری کے استعمال کرتا ہے یا اپنی تباہی کے لئے۔ ارشادِ ربانی ہے :-

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ○

(آیت نمبر 48 المائدہ نمبر 5)

ترجمہ :- اگر تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا (یعنی سب ہم خیال اور ہم عقیدہ ہوتے) لیکن اسکی منشا یہ تھی کہ جو کچھ (صلاحیتیں) اس نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہٰذا تم بھلائیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :-

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○

(آیت نمبر 99 یونس نمبر 10)

ترجمہ :- اگر تیرے رب کی منشاء یہ ہوتی تو سارے اہل زمیں ایمان لے آتے تو پھر کیا تم لوگوں کو ایمان لانے کے لئے زبردستی کرو گے۔

ان آیات کے ساتھ آیت درج ذیل بھی ملحوظ کیجئے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ ○ (آیت نمبر 256 البقرۃ نمبر 2)

ترجمہ :- دین میں جبر نہیں۔

اس سے واضح ہے کہ ہر شخص کو صلاحیت دے کر اچھے اور برے کی تمیز دیکر آزادی دے دی گئی کہ جو راستہ چاہے اپنائے یہی انسان واجنہ کا شرف ہے دیگر مخلوقات پر۔ یہی آزمائش ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○

(آیت نمبر 118 ھود نمبر 11)

ترجمہ :- اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت (ہم خیال گروہ) بنا سکتا تھا مگر اب اختلاف پر ہی چلیں گے۔

لھٰذا انسانی معاشرہ میں نیک وبد، مومن وکافر، ملحد ومشرک اور قیامت وحشر پر یقین رکھنے والے اور منکرین سب کا وجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے ایسے مخلوط مگر ناگزیر معاشرہ میں ہمارا طرز فکر و عمل کیا ہو۔ جس سے ہم پر طمانیت اسلامی زندگی گزار سکیں۔ اس کے لئے قرآن ہی کی طرف رجوع سے رہنمائی ممکن ہے۔ یہی اس مضمون میں کاوش کی گئی ہے۔

مخلوط معاشرہ

مخلوط معاشرہ کئی وجوہات کی بناء پر وجود میں آسکتا ہے اور آتا ہے۔

(۱) جغرافیائی تعلق (۲) رنگ (۳) نسل (۴) زبان (۵) مذہبی عقائد (۶) فکری اختلاف (۷) اور معاشی عدم آہنگی وغیرہ

آج کی دنیا میں دنیا کے تمام معاشروں میں کم وبیش مذکورہ بالا بنیادوں پر اختلاف موجود ہے اور ہر معاشرہ اس اختلاف کے باوجود معاشرتی ہم آہنگی کی تلاش میں ہے۔ مگر قرآن حکیم سے بہتر حل ہم کہیں نہیں پاسکتے۔

پاکستانی معاشرہ

اس جہت میں غور و فکر کیلئے ہم پاکستان معاشرہ سے ایک مثال لیتے ہیں۔ جو سمجھنے کے لئے آسان ہو گا۔

پاکستانی معاشرہ بیشتر مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ کچھ علاقوں میں تو غیر مسلم آبادی نہ ہونے

Marfat.com

کے برابر ہے اسکے باوجود خود مسلمانوں کا نظریاتی اور فرقہ وارانہ اختلاف خطرناک حد تک شدید ہے۔ لسانی اور صوبائی تعصبات بھی موجود ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان بجا طور پر حیران ہیں کہ اس یک قومی ملک میں ان خطرناک نفرتوں کا کیا جواز ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ موجود ہے۔

پاکستان کے حالات پیشِ نظر رکھئے تو یہ سوال دیگر ممالک کے سلسلہ میں اور زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور ایک عالمی سوال بن جاتا ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں کہ ہر رنگ و نسل، قوم اور زبان کے حامل موجود ہیں۔

دراصل بنیادی طور پر بیشتر معاشرے اپنے علاوہ کسی دوسرے کے اس حق کو عملاً اور نظریاتی طور پر قبول نہیں کرتے کہ اسے بھی آزادیٔ رائے حاصل ہے جس طرح کوئی شخص جبراً ہمیں ہم خیال نہی بنا سکتا؟ بھی اسے مجبور نہ کریں۔ اسے انسانی رواداری کہتے ہیں۔

دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ جس بات، کام یا عقیدہ کو ہم درست سمجھتے اس پر عمل، اسکا پرچار اسکی تشہیر کرتے ہوئے ہم معاشرہ کے دوسرے لوگوں کے احساسات، انکی تکلیف اور انکے نقصان و اذیت کو نا قابلِ اعتنا سمجھتے ہیں۔ اس طرح ایک خوشگوار اختلاف، اذیت ناک تنازعہ بن جاتا ہے۔ کیا رنگ نسل، زبان اور قومیت، جغرافیائی تعلق، مذہبی نظریات اور سیاسی اختلافات وغیرہ کو واقعی خون ریزی اور فساد کی وجہ ہونا چاہیئے۔ اگر ان اختلافات کو جائز وجہِ تنازعہ مان لیا جائے تو کیا کوئی ملک یا معاشرہ یا دنیا کبھی امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس اختلافی دنیا میں ایک مسلمان کا رویہ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق کیا ہونا چاہیئے جس میں معقولیت بھی ہوگی، طمانیت بھی ہوگی اور انفرادی اور اجتماعی آزادی بھی متاثر نہ ہوگی۔ چونکہ اس رویہ میں الٰہی رضا شامل ہوگی اس لئے دنیا و آخرت کی سرفرازی میسر ہوگی۔

دنیا کے ہر بڑے معاشرہ میں ان بڑے اور بنیادی تنازعات کا جائزہ اس نظر سے لیتے ہیں کہ اللہ ان اختلافات کے متعلق کس نظریہ کی تعلیم دیتا ہے اور اس روشنی میں درست رویہ کا تعین کرتے ہیں۔ یہ جائزہ ظاہر ہے کہ وسیع البنیاد (Broad Based) ہوگا۔ اسکا بہت مفصل ہونا ممکن نہیں۔

رنگ اور زبان

انسانی معاشرہ میں ایک ناگزیر اختلاف جلد کی رنگ کا ہے۔ اس سے کسی مخلوط معاشرہ میں

Marfat.com

مفر ممکن نہیں ۔ انسانی نسل میں سفید ، زرد ،سیاہ اور انکے درمیان ہر قسم کے شیڈز(Shades)موجود ہیں۔اسی طرح کم وبیش 3000یازائد زبانیں کرۂارض پر بولی جاتی ہیں۔ہر زبان بولنے اور سمجھنے والے کروڑوں لوگ پیدائشی ہیں۔اور بہت سی زبانیں سیکھی جارہی ہیں۔ایک ماہر لسانیات کے مطابق ہر 300 میل کے بعد زبان میں تغیر ہو جاتا ہے۔اور ہر 30 میل کے بعد لہجہ تبدیل ہو جاتا ہے۔

اللہ نے انسانی رنگ اور زبان کے فرق کو اپنے قوانین فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمِنْ آيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ o (آیت نمبر 22الروم نمبر30)

ترجمہ :- اور اسکے قوانین فطرت میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔اس میں دانشمندوں کے لئے بہت سے قوانینِ فطرت کار فرما ہیں۔

گویا اللہ نے واضح فرمادیا کہ جس طرح فطرت کے مطابق زمین و آسمان پیدا ہوئے ٹھیک اسی طرح انسانی زبانیں اور جلد کے رنگ میں اختلاف بھی اللہ کے قانونِ فطرت کے مطابق ہے۔لہٰذا کسی زبان اور کسی رنگ کی وجہ سے نہ کسی کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے نہ ہی یہ دونوں وجہِ تحقیر بن سکتے ہیں۔ اور وہ جو ایسا کرتے یا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے قوانین (آیات) سے انکار کے مرتکب ہیں۔

اس ضمن میں رسولِ کریم ﷺ کے خطبۂ حجتہ الوداع کے ارشادات بھی راہ نما ہیں۔ جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قریش کو غیر قریش پر کوئی فوقیت نہیں ۔ عرب کو عجم پر فوقیت نہیں۔احمر (سرخ) کو اسود (کالے) پر کوئی فوقیت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

لہٰذا رنگ ،زبان اور نسل اور جغرافیائی اختلاف قانونِ خداوندی ہے۔ شرف و تحقیر کی وجہ نہیں ہونا چاہیے۔یہ اختلاف نہ باعثِ افتخار نہ موجبِ توہین۔ اصل چیز عظمتِ اخلاق ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰى كُمْ ط (آیت نمبر13 نمبر49)

ترجمہ :- تم میں عزت کا حقدار اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اخلاق میں اعلیٰ ہے۔

اللہ کے اس ارشاد پر ذرا گہرائی سے غور کیجئے تو چند قابل توجہ پہلو جو اس ارشادِ ربانی کی حقانیت ثابت

Marfat.com

کرتے ہیں، سامنے آتے ہیں۔

انسان کسی خطہ سے تعلق رکھے یا اسکا رنگ کچھ بھی ہو وہ ہمیشہ فطرت میں انسان ہی ہوتا ہے اچھائی اور برائی سب میں ہو سکتی ہے۔ سب کو بطور انسان ایک معاشرہ سے رابطہ رکھنا ہے۔ اس رابطہ کے لئے کسی نہ کسی زبان کا اختیار کرنا لازمی ہے۔ موت و حیات، شادی بیاہ حوادث و آلام صحت و بیماری سے ہر ایک کا واسطہ رہنا ہے۔ اسلئے زبان کے علاوہ رنگ بھی ان رابطوں میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اگر حادثہ میں کالا نیگرو زخمی ہے تو کیا کوئی ڈاکٹر اس کے علاج سے انکار کر سکتا ہے۔ ایک پڑوسی کو دوسرے پڑوسی سے امداد کی ضرورت ہو تو کیا وہ رنگ اور زبان کو مسئلہ بنائے گا۔ یقیناً نہیں۔ رابطہ چاہے اشاروں سے ہو انسانی ضرورت ہے۔

گویا رنگ اور زبان انسانی معاشرہ میں معاشرتی رابطوں (Social Contact) میں حائل نہیں ہو سکتا۔ انسان ایک معاشرتی جاندار ہے (Social Animal) اور فطرتی تقاضے کی تکمیل میں زبان اور رنگ حارج نہیں ہونا چاہئے اور عملاً ہوتا بھی نہیں۔

فکر و عقائد کے اختلاف

جب اللہ نے یہ طے فرمادیا کہ رنگ و زبان انسانی معاشرہ میں غیر اہم ہے۔ اصل چیز اخلاق و کردار ہے تو ہم اپنی سوچ و فکر کے اعتبار سے جغرافیائی اور نسلی امتیاز سے بالاتر مقام پر پہنچ گئے اور رحجان کی سطح بلند ہو گئی۔

دوسرا اختلاف انسانوں میں فکری اختلاف ہے یہ اختلاف ہر معاشرہ بلکہ ہر گھر میں لازماً موجود ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ایک صائب طرز فکر اور سلامتی فکر و عمل رہنا مشکل ہے۔ مگر اتنا ہی ناگزیر بھی ہے۔

فکری اختلاف شخصی سطح سے لیکر ملکی اور پھر عالمی سطح پر تمام دنیا کے ہر معاشرہ میں ہمیشہ رہا ہے اور رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کونسی راہ اختیار کی جائے کہ جس میں نہ ہماری فکر دوسروں کے جبر کا شکار ہو نہ ہم اپنی فکر دوسروں پر جبراً مسلط کریں۔ اسکے باوجود معاشرتی خوشگواری بھی موجود رہے۔

یہ فکری اختلافات وسیع بنیادوں پر چند اقسام پر مشتمل ہیں۔

1۔ مذہبی عقائد کا اختلاف

2۔ تہذیبی اختلاف

3۔ سیاسی اور نظریاتی اختلاف

4۔ معاشی اختلاف

ان تمام اقسام پر حتی الامکان مختصر گفتگو کے بعد مسلمان کے اس انسانی کردار کی بات کرینگے جو قرآن حکیم نے تعلیم کیا ہے۔

مذہبی عقائد

دنیا کی سب سے بڑی تقسیم جو سبب اختلاف رہی ہے اور ہے وہ مذہبی عقائد کا اختلاف ہے۔ ہمارے لئے اس ضمن میں خود مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات جو آئے دن سبب تنازعہ ہوتے ہیں ان پر غور کرنا مقدم ہے۔

مسلمانوں کے تفرقات

خود مسلمانوں میں عقائد کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف کی بنیاد پر تنازعات سب سے زیادہ تشویشناک بات ہے۔ عام طور پر ہر عقیدہ کا حامل خود اپنے عقیدہ کی حکمت اور اسکی بنیادی اہمیت سے بے خبر ہوتا ہے۔ وہ ہر فروعی اور فقہی اختلاف کو بھی اہم سمجھ کر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ بہت معمولی بات بہت اہم بن جاتی ہے۔

ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ جس بات کو وہ حق سمجھتا ہے وہ دوسروں تک پہنچا کر تو "تواصوبالحق" کا فریضہ ادا کر دے۔ مگر اسے دوسروں کو اس بات کو حق تسلیم کرنے پر مجبور کرنے کا یا تسلیم نہ کرنے پر جھگڑنے کا حق نہیں ہے اور یہ اصول ہر نظریاتی اختلاف پر یکساں طور پر لاگو ہے۔

مسلمانوں میں مذہبی عقائد کے اختلافات کے بارہ میں ایک بات جو نہایت اہم ہے، اسکا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

ہر وہ شخص جو عقیدہ سے ایک خدا پر یقین رکھتا ہے، یوم قیامت پر یقین رکھتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے وہ خوف اور اندیشہ سے پاک ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْ وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ آمَنَ بِا للّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً

Marfat.com

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o (آیت نمبر 26 البقرہ نمبر 2)

ترجمہ :- یقیناً وہ لوگ جو ایمان (رسولِ کریم ﷺ پر) لائے اور یہود و نصاریٰ اور صابئین (مختلف المذاہب) جو (ایک) اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان لائے اور صالح اعمال کئے انکا ثواب انکے رب کی طرف سے ملے گا اور وہ خوف و اندیشہ میں مبتلا نہ ہونگے۔

اسی مضمون کو آیت نمبر 69 المائدہ نمبر 5 میں دہرایا گیا ہے۔ ارشاد ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o

ترجمہ :- ”مسلمان ہوں یا یہودی، صابی (مختلف مذاہب) ہوں یا عیسائی جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کے لئے کسی خوف کا مقام ہے نہ اندیشہ کا“۔

بالکل یہی مضمون آیت نمبر 69 المائدۃ نمبر 5 میں بھی آیا ہے۔ قرآن میں اس بات کا 3 بار دہرانا اس اعلان کی اہمیت کا مظہر ہے۔

اللہ کا پیمانہء مغفرت اور اسکی رحمت کی وسعت اس مضمون سے واضح ہوتی ہے۔ گویا شرک نہ کرتا ہو' قیامت پر یقین رکھتا ہو اور جو نیک اعمال اسے بتائے گئے ہیں ان پر عمل پیرا ہو تو اسکی نجات یقینی ہے خواہ اسکا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔

جس کے ہاتھ میں مغفرت اور جنت ہے اسکا ارشاد تو اس قدر ہمہ گیر ہے اور ہم جو خود اللہ کے سامنے بے بس اور اسکی رحمت و مغفرت کے لئے محتاجِ محض ہیں، کسی کو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے پر، کسی کو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے پر جہنم الاٹ کررہے ہیں۔ کوئی امامت پر یقین کو تو کوئی عدمِ یقین کو موجبِ نجات سمجھے بیٹھا ہے اور ایک دوسرے کو کافر گردانتے میں ذرا نہیں جھجکتے۔ کتنی عظیم جہالت کے مرتکب ہورہے ہیں۔

کیا کوئی فرقہ مسلمانوں میں ایسا ہے کہ ایک اللہ پر ایمان نہ رکھتا ہو یا یومِ قیامت کا منکر ہو۔ البتہ بداعمالیوں میں ہم سب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہیں۔ اسکی کوئی فکر نہیں۔

ہم مسلمانوں میں 'اللہ تعالیٰ کے اس دائمی اور عظیم الشان اعلانِ مغفرت کے علاوہ کئی ہم

Marfat.com

آہنگیاں مزید ہیں، جو موجبِ طمانیت اور آپس میں وجہِ الفت ہونا چاہئیں مگر ہیں نہیں، اور وہ ہے رسولِ کریم ﷺ کی نبوت ور سالت پر اور قرآن کی صداقت پر ہم سب کا مشترک ایمان۔ یہ ہم آہنگی موجب

الفت ویگانگت ہونا چاہئے اور اس یگانگت کا اللہ نے خود اعلان فرمادیا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ o

(آیت نمبر10 الحجرات نمبر49)

ترجمہ :- "یقیناً مومن آپس میں بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں میں صلح کرادیا کرو پاکیزگی اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

لہٰذا وہ تمام لوگ جو اللہ کی وحدت اور یومِ قیامت پر یقین کے علاوہ رسالتِ محمدیؐ اور صداقتِ قرآنی پر متفق ہیں وہ سب آپس میں بھائی ہیں۔ اختلافِ عقائد کے باوجود رشتہ ایمان کی وجہ سے وہ اس برادرانہ تعلق سے منکر اور منحرف نہیں ہو سکتے۔ جب تک اس تعلق کی بنیاد یعنی ایمان سے دستبردار یا پھر دوسرے فریق کو ایمان سے خارج نہ کر دے۔ اور کوئی مسلمان رسالت و قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہو سکتا۔

مزید یہ کہ رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کو کافر کہتا ہے تو ان میں ایک یقیناً کافر ہو جاتا ہے۔ جسے کافر کہا گیا ہے اگر وہ مومن ہے تو کہنے والا خود کافر ہو گیا۔ عیاذاً باللہ

اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ مسلمانوں کے دو فرقوں میں آپ کا صلح کرانا فرض ہے یا اختلاف کو ہوا دیکر تنازعہ پیدا کرنا باعثِ ثواب ہو سکتا ہے۔

عملِ صالح

وحدت و قیامت پر یقین کی بابت اللہ کے دہرے اعلانِ عام سے بنیادی ایمان کا فیصلہ ہو گیا۔
اب بات عملِ صالح کی ہے۔ دیگر مذاہب کو فی الحال چھوڑ کر ہم بات صرف مسلمانوں کی کرتے ہیں۔
رسالت و صداقتِ قرآنی کے اقرار کے بعد ہر مسلمان عملِ صالح کے لئے شریعتِ نبوی کا پابند ہو گیا۔
عملاً قرآن و حدیث سے انحراف عملِ غیر صالح ہے اور انکا اتباع عملِ صالح ہے۔

ہر مسلمان اپنے تفصیلی عقائد (جیسے فرشتے و جنات کا وجود، آدمؑ و حواؑ کی پیدائش، آفرینشِ

Marfat.com

کائنات، کتب آسمانی، قصص الانبیاء وغیرہ) میں قرآنی انکشافات واطلاعات پر ایمان لانے کا پابند ہے۔
اسی طرح اسکا وہی عمل صالح ہے جو قرآن کے مطابق ہو اور اتباعِ رسول ﷺ میں کیا جائے اور جسکا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہو۔

مسلمانوں کے فرقی اختلافات قرآن حکیم کے معنی اور حدیث نبویؐ کی حکمتوں کو سمجھنے میں بوجہ اختلافِ عقل وعلم واطلاع ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی فرقہ صحیح ہو یا غلط ہو مگر دیانتداری سے قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہے تو اسکی نجات میں کوئی شک بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ہر دیانتدار رائے اور عمل کے لئے بھی غُلو سے بچنا ضروری ہے۔ کسی فرقہ کی تکفیر کا اعلان دراصل اسی غُلو کا نتیجہ ہوتا ہے۔

فکر وعمل کی دیانتداری کا پیمانہ یہ کہ ہماری کاوش وکوشش اللہ کی رضا کے لئے ہو قرآن حکیم کی واضح آیات اور منشاءِ ربی کے مطابق ہو۔ اپنے عقیدوں اور عمل کو اللہ کے ارشادات اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق رکھنے کی جدوجہد کی جاتی رہے۔

بددیانت فکر وعمل وہ ہے کہ ہم اپنے پسندیدہ عقیدون اور عمل کو اپنا کر پھر قرآن وحدیث سے اسکے لئے جواز تلاش کرنے کی کوشش کریں اور کھینچ تان کر قرآنی آیات سے اسکا جواز پیدا کریں۔ روایات کا سہارا لیکر واضح قرآنی آیات کی تردید کریں۔ ایسے عقیدے اور عمل غیر صالح ہیں۔ مسلمانوں میں ایسا عقیدہ اور عمل اللہ کے مینہ اعلانِ عام کے خلاف ہوگا اور مغفرت کے لئے ناقابلِ قبول ہوگا۔ اس سے متعلق ایک آیت قرآنی ملاحظہ کریں جو بددیانت اختلاف کی وجہ ظاہر کرتی ہے۔ ارشاد ہے :-

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۝

(جزو آیت نمبر 14 شوریٰ نمبر 42)

ترجمہ :- لوگوں میں جو تفرقہ علم آجانے کے بعد رونما ہوا وہ اس بناء پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔

تواصوبالحق

اگر کوئی فرقہ آپ کے مدلل یقین کے خلاف عقیدہ وعمل کا حامل ہے تو تواصوبالحق آپ پر

Marfat.com

فرض ہے۔ قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ اس پر حق واضح کرنا آپ پر لازم ہے۔ درست بات اس غلط عقیدہ وعمل کے حامل تک ضرور پہنچایئے۔ خوشگواری سے، اچھے انداز سے، دلیل کے ساتھ بات کیجئے۔ موعظت حسنت کے ساتھ کیجئے۔ جبر نہ کیجئے۔ دوسرے کا مطمع نظر بھی سنئے۔ اس پر بھی غور کیجئے۔ مباحثہ احسن طریقہ سے کیجئے۔ طنز، تشنیع، تضحیک اور تلخی کے ساتھ نہیں۔ نہ دوسرے پر اس حق کو

ماننے پر جبر کیجئے اور نہ ہی نہ ماننے پر جھگڑا کیجئے۔ اس بات کا کہ ایک مسلمان کا عمل ایک مسلم یا کافر سے کیسا ہو کی تفصیل قرآن حکیم کی روشنی میں بعد میں آئیگی مگر اچھے رویہ کا ایک مخالف عقیدہ کا مسلمان زیادہ مستحق ہے بہ نسبت ایک غیر مسلم کے۔

اب چند باتیں نیک عمل کے متعلق بھی بنیادی ہیں۔ اس پر ضرور توجہ دیں۔

(I) ہر شخص ہر وہ کام جو اسکے عقیدہ کے مطابق نیک عمل ہے ضرور کرے۔ مگر اس کام یا اس مذہبی رسم کی ادائیگی میں دوسرے لوگ، جو خواہ ہم عقیدہ ہوں یا خلاف عقیدہ رکھتے ہوں، کی تکلیف و اذیت، دوسروں کے معمولات یا معاملات میں غیر ضروری مداخلت (Disturbance) یا کسی قسم کی دل آزاری سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔

اذان کے استثناء کے علاوہ لاؤڈ سپیکر کا اس طرح استعال کہ جو اہلِ محلہ، بیماروں کیلئے تکلیف دہ ہو، طلباء کی تعلیم میں حرج دوسری مساجد وغیرہ میں عبادت میں خلل انداز ہو سکتی ہو نہایت غیر پسندیدہ بات ہے۔ چاہے وہ شبینوں کا موقع ہو، شبِ معراج کی تقریب ہو، شب براءت ہو، غیر مسنون خطبۂ جمعہ ہو، گیارہویں شریف کی تقریب ہو، مجلسِ عزا ہو، نعت خوانی ہو غرضیکہ کسی بھی عذر پر تقریب ہو دوسروں کی بے آرامی کم کیجئے، باعثِ اذیت نہ بنایئے۔ ماحول خوشگوار رہے گا۔ اسی طرح مجلسِ میلاد ہو یا مجلسِ عزا ہو، تعزیوں کا جلوس ہو یا میلاد شریف کا جلوس ہو، ناروا طور پر نہ ٹریفک میں حائل ہو نہ دوسرے افرادِ معاشرہ کے عام معمولاتِ زندگی میں غیر ضروری رکاوٹ پیدا کریں۔ مسلم ہو یا غیر مسلم ہم عقیدہ ہو یا مخالف عقیدہ کا فرد اس حسنِ عمل کے سب حقدار بھی ہیں اور سب کے لئے ایک دوسرے کا ایسا عمل پسندیدہ ہوگا اور آپس الفت بڑھے گی۔ یہی قرآن کے مطابق ہے۔

(II) دوسری اہم بات یہ کہ کسی فرقہ کا بھی معتقد الیہ ہو اور آپکی رائے اس شخصیت کے بارہ میں

کچھ بھی ہو اسکا ذکر شائستگی اور معاشرتی احترام سے کیجئے۔ اللہ نے بتوں جیسی غیر حقیقی چیزوں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے کہ اس میں دل آزاری کا پہلو ہے جو لاً بھی دل آزاری پر منتج ہوتی ہے۔ لھٰذا غیر پسندیدہ فعل ہے۔

(III) تیسرے یہ کہ مذہب میں کبھی غلو اور زیادتی سے کام نہ لیں۔ مذہب کوئی ہو، عقیدہ کچھ بھی ہو اسکی بنیاد نیکی ہے۔ نیکی کی بنیاد ہے مفید شخصیت کی تعمیر۔ یعنی اپنے اور دوسروں کے لئے زیادہ مفید اور مسرت وطمانیت کی نوید ہو۔ مذہبی رسوم کی ادائیگی مذہب کا مقصد نہیں بلکہ کردار کی تعمیر ہے۔

(IV) اب آخری بات اس ضمن کی عرض کردوں۔ اللہ تعالیٰ ہر نماز کی ہر رکعت میں ہم سے الحمد (سورۃ فاتحہ) کی تکرار کرواتا ہے۔ جس میں اس اقرار کا اعادہ کہ صرف تیری عبادت اور صرف تجھ سے استعانت کرتے ہیں اور پھر ہر بار اس سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت طلب کرتے ہیں۔ یہ طلبِ ہدایت اپنی وسعت کے اعتبار سے نہایت ہمہ گیر ہے جس پر ہم کم ہی غور کرتے ہیں۔

ایک تو یہ طلبِ ہدایت ہماری دینوی زندگی سے متعلق ہے کہ ہم جو کام بھی کرتے ہیں یا روزانہ کی زندگی میں جو قدم بھی اٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں، یا اللہ وہ درست اور صحیح سمت میں ہو اور ہمیں ان فیصلوں اور اقدامات پر ندامت یا نقصان نہ ہو۔ اس کی تائید کے لئے عرض ہے کہ سورۃ فتح میں اللہ کا ارشاد قابلِ غور ہے۔ صلح حدیبیہ کو فتحِ مبین قرار دیکر اللہ رسولِ کریم ﷺ کو فتحِ مکہ کی بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے۔

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً

ترجمہ :- (اللہ) تجھ پر اپنی نعمت مکمل کرلے گا (فتح مکہ ہوگا) اور (اسکے لئے) تجھ کو سیدھی راہ کی ہدایت بھی دے گا۔

گویا دینوی سرفرازی کے لئے بھی اللہ ہدایت دیتا ہے جو طلبِ ہدایت کے وقت ذہن میں رہنا چاہئے۔ یعنی الحمد پڑھتے ہوئے۔

دوسرے یہ کہ یہ طلبِ ہدایت عقیدہ و عمل کی درستگی کے لئے بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج جس بات کی صحت پر ہمیں یقین ہو کل قرآن حکیم کی تلاوت سے غلط ثابت ہو جائے اور اس غلط پر یقین کی وجہ سے جو ہم نے دوسروں کی دل آزاریاں کیں ہیں ان پر ندامت ہو۔ لھٰذا بجز وحدت، رسالت،

Marfat.com

صداقتِ قرآنی اور یومِ قیامت کے یقینی امر ہونے کے ، دیگر امور میں غلطی کا امکان ہمہ وقت ہے اور ہدایت منجانب اللہ کی ضرورت موجود ہے۔ اسلئے فرؤعات کے یقین میں شدت اختیار نہ کیجئے۔

اس گزارش سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ متلون مزاج بن جائیں اور تھالی کے بینگن کی طرح بے یقینی میں لڑھکتے رہیں، بلکہ کسی رائے کو خوب سوچ سمجھ کر اختیار کیجئے مگر اس میں غلطی کے امکان کو بالکل خارج نہ کر دیجئے۔ ایک اچھے جج کی طرح مضبوط دلیل سامنے آجانے پر رائے کی تبدیلی کے لئے بھی ذہن تیار رکھیں۔ لہٰذا غُلو اور شدت غلط ہو گی۔

متفرق مذاہب و نظریات

ایک مخلوط معاشرہ میں ہمارے آپسی اختلافات کے علاوہ دیگر مذاہب کے حاملین اور مختلف نظریاتی اختلاف بھی ناگزیر حقیقت ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارا اسلامی رجحان کسی طرح متعین ہو۔

قرآن حکیم نے ان تمام لوگوں کو جو رسالت محمدیؐ اور صداقتِ قرآنی پر یقین نہیں رکھتے تین گروہوں میں تقسیم فرمادیا ہے۔

1۔ اہل کتاب ------ یہود و عیسائی۔

2۔ صابئین ------ مختلف المذاہب لوگ۔

3۔ مشرکین۔

ان مبینہ تین گروہوں کے متعلق علیحدہ ہدایات بھی ہیں اور مشترکہ بھی۔ بہت اختصار سے ان ہدایات کا مطالعہ کر کے ایک مسلمان کا عام کردار متعین کرینگے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر 62 البقرۃ نمبر 2 اور آیت نمبر 69 المائدہ نمبر 5 میں ایک فرمانِ عام کے ذریعہ ارشاد کر دیا گیا کہ جس مذہب و ملت سے بھی کسی کا تعلق ہو اگر وہ خدائے واحد پر اور روزِ قیامت پر یقین رکھتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو تو وہ ناجی ہے۔ اس کا عقیدہ و عمل اللہ کے یہاں قابلِ قبول ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص اگر رسولِ کریم ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ نیک عمل اس راہبر کی ہدایت کے مطابق کریگا جس نے اسے خدا اور یوم قیامت کا یقین دلایا ہے اور ہر ایسا راہبر کسی خراب کام کو نیک کام نہیں بتا سکتا۔ اسکی تعلیمات نیکی ہی پر مشتمل ہونگی۔ صرف طریقِ عمل و عبادت میں فرق ہوگا اور یہ فرق رسمی ہے اصلی نہیں۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنهَا جاًo

جزو آیت نمبر 48 المائدہ نمبر 5

ترجمہ : "ہم نے تم (انسانوں) میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے"۔ گویا کسی ایک شریعت اور راہِ عمل میں ہی نیکی محصور نہیں۔ طریقۂ عبادت بھی مختلف ہیں۔ نیکی کا طریقہ بھی مختلف ہو سکتا ہے۔ ہم اس طریقہ کو محض اسلئے مسترد نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری شریعت کے مطابق نہیں۔ نیکی کسی طریقہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ نہ کسی رسم کے ساتھ منسلک ہے۔ نیکی اللہ کی رضا جوئی اور انسانوں کی بہبود کے کام میں مضمر ہے۔

مسلمان اور اہل کتاب

قرآن حکیم نے اہلِ کتاب کو خصوصیت سے مخاطب فرمایا۔ انکی خصوصیات، اچھی یا بری کا خصوصیت سے ذکر فرمایا اور انکی حیثیت (Status) کو علیحدہ سے مقرر فرمایا گیا۔ اور وجوہات کے علاوہ یہ تخصیص شاید اسلئے بھی ہے کہ وہ اللہ، نبوت اور نزولِ وحی کے خدائی قوانین سے بہت قریب سے آشنا ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ انکے لئے رسولِ کریم ﷺ کی بعثت، کتاب، احکام بالوحی اور قیامت کی حقیقت کوئی انہونا یا نا ممکن الیقین امور نہیں تھے۔ اللہ کے اس قانونِ ہدایت سے وہ صدہا سال سے واقف تھے انکے پاس وہ آسمانی کتب موجود تھیں جنکی قرآن حکیم تصدیق کرتا ہوا نازل ہوا تھا۔ وہ جن انبیاءؑ پر ایمان لائے تھے وہ شرعِ محمدیؐ میں بھی جزوِ ایمان تھے۔ لہٰذا انھیں ذہنی طور پر اسلام کے زیادہ قریب ہونا چاہیے تھا۔ اسلئے اہلِ کتاب سے تخاطب میں اور انکے تذکرہ کا زیادہ اہتمام فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔

اس ضمن کے مضامین یا احکام جن کا تعلق اہلِ کتاب سے ہے کی بابت آیت کے حوالہ کے ساتھ انکا ذکر اختصار سے کیا ہے اور صرف ترجمہ یا مفہوم پر اکتفا کیا ہے۔ تاکہ طوالت سے بچا جا سکے۔ ملاحظہ فرمایئے :

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مومنو، یہود و نصاریٰ (عیسائیوں) کو دوست نہ بناؤ۔ جس نے ایسا کیا اس کا شمار انہیں میں سے ہوگا۔ (آیت نمبر 51 المائدہ نمبر 5)۔ اس ارشاد کی وضاحت ضروری ہے اسلئے کہ اللہ نے مسلمانوں کو اہلِ کتاب خواتین سے نکاح کی اجازت دی ہے (آیت نمبر

Marfat.com

5 المائدہ نمبر 5) اور اہل کتاب کا کھانا اور انہیں کھلانا جائز قرار دیا ہے۔ (آیت نمبر 5 المائدہ نمبر 5)۔ تو کیا بیوی سے مودت اور انسیت ممنوع ہو گی۔ یا ایک دوسرے کے یہاں کھانے پینے سے جو رفاقت پیدا ہوئی ہے یا ہو جاتی ہے اس سے گریز کرنا ہو گا۔ اگر یہ ممکن نہیں یا خلافِ فطرت ہے تو مذکورہ بالا آیت کی تاویل کیا ہے۔

مطالعہ سے جو بات میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ اخلاقی، معاشرتی اور مداراتی تعلق تو بہر صورت رکھنا جائز ہے۔ اس ضمن میں کھانا اور کھلانا، مہمان کی مدارات و آسائش کرنا، اہلِ کتاب کا مہمان ہونا بالکل روا اور جائز ہے۔ بطور انسان اہل کتاب سے ہر وہ تعلق جائز اور روا ہے جسکی ہر انسان دوسرے سے توقع کرتا ہے۔ بعد کی آیات (نمبر 52 وغیرہ سورۃ مائدہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے حامل اس آیت کے نزول تک معاشی، معاشرتی، اور سیاسی اعتبار سے غیر مستحکم تھے۔ اہل کتاب ہر اعتبار سے تاآں مستحکم تھے۔ منافقین ہر دو مذاہب سے ربط و ضبط رکھتے تھے۔ اس لئے اولیاء (قلبی رفیق) بنانے سے منع فرمادیا گیا۔ بعد میں استحکام پیدا ہو گیا تو رویہ نرم ہو گیا۔ شادیوں کی اجازت اور خورد و نوش اور مدارات کی اجازت ہو گئی۔ یہ انفرادی تعلقات کی اجازت تھی قومی نہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ من حیث القوم کسی غیر مسلم قوم سے قلبی تعلق اور دوستی آج بھی ممنوع ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ انفرادی تعلق، رفاقت اور انسیت جائز ہے۔ مگر صرف اس حد تک کہ مسلمانوں کے من حیث القوم مفاد کو نقصان نہ پہنچے۔

کسی نازک قومی معاملہ میں ایک کتابیہ بیوی کو بھی راز دار نہیں بنایا جاسکتا۔ اہلِ کتاب سے ہر معاشرتی ربط و ضبط کی اجازت ہے جو قومی مفاد کے خلاف نہ ہو۔ (آیت نمبر 118 عمران نمبر 3)۔

آیت نمبر 82 مائدہ نمبر 5 میں ارشاد ہے کہ مومنین کے خلاف عداوت میں یہودی اور مشرکین شدید ہونگے۔ اور عیسائی مسلمانوں کے معاملہ میں نسبتاً نرم ہونگے۔

اہل کتاب سے قلبی تعلق کے امتناعی حکم کے جواز کے لئے ملاحظہ کیجئے آیت نمبر 109 البقرۃ نمبر 2، آیت نمبر 51 النساء نمبر 4۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عمدہ پیرایہ میں بحث کے لئے فرمایا، تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔
(آیت نمبر 46 عنکبوت نمبر 25)

Marfat.com

صابئین ومشرکین وملحدین

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ آیات نمبر 62 سورۃ البقرۃ نمبر 2 اور نمبر 69 سورۃ المائدۃ نمبر 5 میں اللہ کو ماننے والے، یوم قیامت پر یقین اور نیک عمل کرنے والے غم واندیشہ سے پاک قرار دیئے گئے ہیں۔ جو لوگ اس اعلانِ عام سے باہر ہیں وہ ہیں مشرکین اور ملحدین۔ ان سے سماجی تعلق سے منع نہیں فرمایا گیا مگر ان کی خواتین سے شادی نکاح کی اجازت نہیں۔ انکے کھانے جس حد تک وہ طیبات میں آتا ہے جائز ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر 3,4 المائدۃ نمبر 5 میں تمام طیبات مسلمانوں کے لئے حلال کر دیئے ہیں۔ مگر غیر اللہ کے نام پر جیسے بتوں کے لئے قربانی کا کھانا یا غیر طیبات جیسے چینی، جاپانیوں کے کتے، بلی اور سانپ وغیرہ غیر طیبات ہیں۔ کسی صورت حلال نہیں۔ ملحدین (منکرِ خدا) بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

مشرکین وملحدین سے بھی رواداری اور خوشگواری، محلہ داری اور انسانیت کے تمام تقاضے پورا کرنا لازم ہے۔ انکے غیر حقیقی معبودوں کو برا نہ کہنا، انکی عبادت گاہوں کا تحفظ اور احترام، انکی مذہبی رسومات میں رکاوٹ نہ ڈالنا، غریب مشرکین کی امداد زکوٰۃ سے بھی کی جا سکتی ہے۔ انہیں کھلانا، انکی تکلیف میں کام آنا، انکی امانتوں میں خیانت حرام ہے۔ انکے حق میں بھی سچی شہادت نہ چھپانا، لین دین میں دیانت، وعدہ کا ایفا وغیرہ اسی طرح ضروری ہے۔ جس طرح دیگر سب سے مشرکین اور ملحدین سے کوئی بھی بداخلاقی جائز نہیں۔ تفصیل مسلمانوں کے عام کردار میں لکھی جائیگی۔ یہاں ایک سنت نبویؐ کا ذکر مناسب ہوگا۔ فتح مکہ سے قبل اہلِ مکہ غذائی قلت کا شکار ہوئے تو رسولِ کریم ﷺ نے غلہ واجناس بھیج کر انکی امداد فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے غیر مسلم ذمیوں کے وظائف مد زکوٰۃ سے مقرر فرمائے۔

ایک قیاس

رسولِ کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ امر ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نشاءتِ ثانیہ اور تمام دنیا پر حکومت کے دور میں تمام دنیا میں اسلام عام مذہب ہوگا۔ اس ارشاد سے یہ مطلب لینا کہ تمام دنیا میں شریعتِ محمدیؐ نافذ ہوگی شاید درست نہیں۔ قیاس یہ ہے کہ دنیا کی اکثریت خدائے واحد پر اور یومِ قیامت پر ایمان لے آئیگی۔ مگر شرائع کا اختلاف باقی رہے گا۔ اعمالِ صالحہ حسبِ عقیدت سب لوگ کریں گے۔ تنازعات ختم ہو جائیں گے۔ ہمہ گیر رواداری رواج پا جائے گی۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

معاشی و دیگر اختلافات

ہر شخص کو اللہ نے مختلف صلاحیتوں کا حامل بنایا ہے۔ کسبِ معاش کی اہلیت بھی مختلف ہوتی ہے اور رہے گی۔ لہٰذا اللہ نے سود، ذخیرہ اندوزی وغیرہ کمائی کے طریقہ ممنوع فرما دیئے، اسلئے کہ ان طریقوں سے معاشی عدم توازن بڑھتا ہے۔ بقول علامہ اقبال "سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات"۔ ہر ذی حیثیت پر زکوٰۃ فرض کر دی گئی اور صدقات کی ترغیب دی گئی تا کہ معاشی عدم توازن کم ہوتا رہے۔ حکم ہوا کہ دولت صرف تمہارے دولت مندوں میں گردش نہ کرتی رہے۔ لہٰذا غریب کی مدد لازم ہے۔ ان تمام احکامات میں مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔ لہٰذا قرآن کے مطابق ناجائز ذرائع آمدنی بند کرنے کا حکم ہے۔ اصراف اور بخل دونوں ناپسندیدہ اور شیطانی افعال ہیں۔ وسائل بلا امتیاز سب کے لئے یکساں ہوں۔ ہر ذی حیثیت کیلئے لازم ہے کہ نادار کی بغیر کوئی احسان جتائے مدد کرے اس طرح معاشی عدم ہم آہنگی منافرت کا سبب نہیں ہوگا۔

قرآنی احکامِ عام

1۔ امتِ محمدیہ امتِ وسطیٰ ہے۔ کسی مسئلہ میں غلو، انتہاپسندی اور شدت نہیں۔ اعتدالِ فکر و عمل اس امت کی عظیم ترین خصوصیت ہے۔

(آیت نمبر 143 البقرۃ نمبر 2)

2۔ بلا تفریق مذہب و ملت سب انسانوں کی خدمت۔

(آیات نمبر 8,10 الدہر نمبر 76)

3۔ برو تقویٰ (پاکیزگی و طہارت) کے ہر کام میں سب سے تعاون کرو خواہ وہ کام مسلمان کر رہے ہوں یا غیر مسلم۔ اسی طرح سچائی میں تعاون کرو۔

(آیت نمبر 2 المائدۃ نمبر 5 + آیت نمبر 119 توبہ نمبر 9)

4۔ اگر دشمن صلح پر آمادہ ہو تو کر لو۔

(آیت نمبر 61,62 انفال نمبر 8)

5۔ غیروں کو رازدار نہ بناؤ۔

(آیت نمبر 118 آل عمران نمبر 3)

Marfat.com

6۔ ہر حال میں انصاف کرو۔ لوگوں کو انکی امانتیں لوٹاؤ۔

(آیت نمبر 58 النساء نمبر 4)

7۔ سچی شہادت ضرور دو خواہ اپنوں کے خلاف بھی ہو۔ انصاف ہمیشہ کرو۔

(آیت نمبر 283 البقرۃ نمبر 2 + آیت نمبر 8 مائدہ نمبر 5 + آیت نمبر 135 النساء نمبر 4 + آیات نمبر 152 تا 121 انعام نمبر 6 + آیت نمبر 90 نحل نمبر 16 + آیت نمبر 29 اعراف نمبر 7 + آیت نمبر 33 المعارج نمبر 70)

8۔ ناپ تول بالکل درست کرو۔

(آیت نمبر 6-1 مطففین نمبر 83 + آیت نمبر 85 اعراف نمبر 7 + آیت نمبر 35 اسرائیل نمبر 17 + آیات نمبر 8,9 رحمٰن نمبر 55 + آیات نمبر 181,182 الشعراء نمبر 26)

9۔ رشوت ممنوع ہے۔

(آیت نمبر 188 البقرۃ نمبر 2)

10۔ نقضِ عہد گناہ ہے۔ ایفا کا وعدہ لازم ہے۔

(آیت نمبر 1 المائدۃ نمبر 5 + آیت نمبر 34 اسرائیل نمبر 17 + آیت نمبر 76 العمران نمبر 3)

11۔ امانت میں کبھی خیانت نہیں۔

(آیت نمبر 75 العمران نمبر 3 + آیت نمبر 107-105, 58 النساء نمبر 4 + آیت نمبر 87 انفال نمبر 8 + آیت نمبر 38 حج نمبر 22 + آیت نمبر 283 بقرۃ نمبر 2 + آیت نمبر 7 مومنون نمبر 23 + آیت نمبر 32 معارج نمبر 70)

12۔ بغیر قانونی جواز ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔

(آیت نمبر 32 المائدہ نمبر 5 آیت نمبر 33 بنی اسرائیل نمبر 17)

13۔ بھلائی میں سبقت کرو۔

(آیت نمبر 148 بقرۃ نمبر 2 + آیت نمبر 48 المائدۃ نمبر 5)

14۔ اہلِ کتاب سے بحث عمدہ طریقہ سے مدلل طور پر کرو۔

Marfat.com

(آیت نمبر46، عنکبوت نمبر29)

15۔ اچھی بات اور اچھی نصیحت بھی خوبصورت انداز سے کرو۔

(آیت نمبر125 النحل نمبر16)

16۔ غیر اللہ کو بھی گالی مت دو۔

(آیت نمبر108 انعام نمبر6)

17۔ اہل کتاب کے تعصب سے درگزر کیا کرو۔

(آیت نمبر109 البقرۃ نمبر2)

18۔ کسی کا مذاق نہ اڑاؤ، کسی کو طعن نہ دو، نہ عیب لگاؤ اور نہ کسی کا برا نام رکھو، یہ سب اللہ کو ناپسند ہیں

(آیت نمبر11,12 الحجرات49+آیات نمبر10,11 القلم نمبر68)

19۔ مومن آپس میں نہ لڑیں صبر سے کام لیں ورنہ بزدل ہو جائینگے۔ انکی ہوا اکھڑ جائے گی۔

(آیت نمبر45,46 انفال نمبر8)

20۔ جاہل اور کج بحث لوگوں کو سلام کہہ کر بچ نکلنا۔ اعراض کرنا چاہیے۔

(آیت نمبر 63 فرقان نمبر 25 + آیت نمبر 55 قصص نمبر 28 + آیت نمبر 10, 9 المزمل نمبر73)

21۔ جب کوئی تمہیں سلام کرے (احترام پیش کرے) تو اس سے بہتر انداز سے جواب دو۔

(آیت نمبر86 النساء نمبر4)

22۔ بجز مظلوم کے کوئی کسی کو اعلانیہ برا نہ کہے۔

(آیت نمبر148 النساء نمبر4)

23۔ لوگوں کو بدلہ میں اتنی ہی تکلیف دو جتنی تم کو ان سے پہنچے۔ صبر کرو تو زیادہ اچھا ہے۔

(آیت نمبر126 النحل نمبر16)

24۔ اصراف اور بخل دونوں سے بچو۔ اعتدال کا راستہ بہترین ہے۔

(آیت نمبر29 اسرائیل نمبر17+آیت نمبر67 الفرقان نمبر25)

25۔ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے بچنا، غصہ کو پی کر صبر کرنا اور معاف کر دینا، ہر کام مشورت سے

Marfat.com

کرنا، اپنے مال سے اچھے کاموں پر خرچ کرتے رہنا، ظلم کا بدلِ مناسب حد تک لینا اس میں زیادتی نہ کرنا مگر معاف اور درگزر بہتر طریقہ ہے۔

(آیت نمبر 37 الشوریٰ نمبر 42)

26۔ وہ لوگ خوش بخت ہیں جو برائی کا بدلہ بھی بھلائی سے دیتے ہیں۔ اس طرح بدترین دشمن بہترین دوست بن جاتا ہے۔

(آیات نمبر 36 تا 33 حٰم السجدۃ نمبر 41)

مخلوط معاشرہ میں ایک مفید، مطمئن اور پسندیدہ انسان بننے کے لئے یہ قرآنی ہدایات راہنمائی پیش کی گئی ہیں۔ انہیں اپنا کر ہم مسلمان آپس میں بھی اور غیروں کے لئے بھی ایک نفیس اور پسندیدہ و مطمئن شخصیت بن سکتے ہیں۔ یہ سب تمام خوبیوں پر محیط (Exhaustive) نہیں ہیں مگر بہت کافی ضرور ہیں۔ اللہ ہم سب کو نفسِ مطمئنہ عطا فرمائے۔ (آمین)

Marfat.com

آیات قرآنی..... صحیح مفہوم

لفظ آیت کا ترجمہ

لفظ آیت کا رواجِ عام میں ترجمہ لفظ نشانی یا (Sign) سے کیا جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے ترجمہ میں کہیں کہیں لفظ آیت کا ترجمہ آیت ہی کے لفظ سے کیا ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ لفظ نشانی کو اس جگہ انہوں نے موزوں ترجمہ خیال نہیں فرمایا۔ مولانا موصوف نے لفظ آیت کے مندرجہ ذیل مفاہیم بیان فرمائے ہیں :۔

1. علامت یا نشانی
2. آثار کائنات چونکہ مظاہر فطرت حقیقت کی طرف اشارہ کناں ہیں۔
3. معجزات
4. قرآنی جملہ

میری ناچیز رائے میں اللہ تعالی کا مفہوم اس لفظ میں زیادہ وسعت اور زیادہ عظمت کا حامل ہے۔ اس سے مفہوم الٰہی حسب موقع و بیان بیشتر صرف قانونِ خداوندی ہے۔ وہ قانون تخلیق کائنات ہو یا شہد کی مکھی کی خلقی صلاحیت ہو' یا سورج اور چاند کا چلنا اور دن اور رات کا آنا جانا ہو' یا میٹھے اور کڑوے پانی کی بحری رودیں ہوں یا مضبوط دلیل ہو یا پھر اللہ کے قانون" کن فیکون" کے مظاہر ہوں' جیسے معجزات (**قلنا یا نار کونی بر دا ہوَّم سلام علی ابراہیم** —(ہم نے حکم فرما دیا کہ اے آگ ابراہیم پر سلامتی والی ٹھنڈک بن جا) یا وہ احکام عبادت و اطاعت ہوں جو فطرت کی طرف راہ نما ہیں یا وہ نواہی جو خلاف فطرت ہونے کی بنا پر منع ہوں غرضیکہ ہر چیز اسکی آیت یعنی قانون ہے۔ میں استثناء سے منکر نہیں مگر اللہ کی ہر آیت قرآنی اکثر اسکے قوانین کا ذکر ہے۔

آیات یا قوانین خداوندی نے اس کائنات کے ایک ایک ذرہ کو پابند کیا ہوا ہے۔ ہر

Marfat.com

جگہ اور ہر سمت اسکے مظاہر موجود ہیں۔ ان میں وہ قوانین خداوندی جن کے تحت کچھ وجود میں آیا یا فنا ہو گیا اسکا ذکر بطور واقعہ کے بیان ہوا جیسے تخلیق کائنات' یا تخلیق انسان یا فرشتوں' اجنہ کا وجود وغیرہ۔ نافرمان قوموں کی تباہی بھی الٰہی قانون کے تحت ہوئی۔ایسے واقعات بطور عبرت مذکور ہیں۔ جیسے کہیں کہ فلاں شخص نے قتل کیا اور اسے پھانسی ہوئی۔ یہ ذکر اس قانون کا ہے جسکے تحت قاتل کو پھانسی ہوتی ہے۔ قرآن اللہ کے تمام قوانین تخلیق و فنا' چاند' سورج' بادل' انسانی سرشت' انسانی عمل اور اس کے اچھے یا برے نتائج' آفات ارضی و سماوی' پیغام الٰہی اور وحی وغیرہ کا مختلف موضوعات کے تحت ذکر فرماتا ہے۔ وہ بظاہر خود قوانین الٰہی کا بیان ہو یا انکے تحت کسی واقعہ کا ہو چکا ہونا یا آئندہ وقوع پذیر ہونا جیسے قیامت۔ ہر حال میں آیات قرآنی کا اصل مفہوم خدائی قانون ہی ہے۔ واللہ اعلم

لفظ آیت کا قرآنی مفہوم

قرآن حکیم مکمل طور پر آیات پر مشتمل کتاب ہے۔ لہٰذا لفظ آیت کا قرآنی مفہوم معلوم کرنا اور ذہن نشین کرنا قرآن سے استفادہ کیلئے بالکل ناگزیر ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن میں اس لفظ کو بہت جگہ اور بہ ظاہر متنوع مفاہیم میں استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا اس لفظ کے معنی پر غور و فکر کرنا اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔

اس لفظ کے ترجمہ میں جس سطحیت سے کام لیا جاتا رہا ہے اور لیا جا رہا ہے اس نے ہمیں قرآن کے صحیح مفہوم سے بہت دور کر دیا ہے۔ وہ مروج ترجمہ اکثر و بیشتر ہمیں قرآنی مفہوم سے نابلد' لاعلم اور بے بہرہ کر دینے کا سبب بنا ہے۔

تمام تراجم میں اس لفظ کا ترجمہ "نشانی" کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ انگریزی تراجم میں بھی لفظ آیت کا ترجمہ Sign سے کیا گیا ہے۔ دوسری زبانوں میں بھی تراجم کا قیاس اسی بات سے کیا جا سکتا ہے۔

غالباً ابتدائی فارسی ترجمہ میں مترجم کو نشانی کا لفظ آیت کے ترجمہ کے لئے موزوں نظر آیا۔ قرن اول میں یہ بات کچھ لائق تعجب بھی نہیں تھی۔ اس لفظ آیت کے کثیر و متنوع

Marfat.com

اور گوناگوں استعمال نے جو کہ کلام الٰہی میں ہوا مترجم کے لئے جو دشواری پیدا کی اسکا مناسب ترین حل اس دور کے علم کے مطابق نشانی ہی ہو سکتا تھا۔ دیگر زبانوں میں بھی یہی لفظ اختیار کرلیا گیا جو اکثر مواقع پر غلط ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ نشانی (Sign) کیلئے عربی میں لفظ "علامت" استعمال ہوتا ہے۔ اللہ نے اپنے کلام میں ایسے مواقع پر لفظ علامت ہی استعمال فرمایا ہے۔ علامت' نشانی یا Sign وہ ظاہری نشان ہوتا ہے جس سے کسی سمت' مقام' مرض یا کیفیت کا سرسری طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ کسی گہرے مطالعہ تفکر اور تعقل کا تقاضہ نہیں کرتا۔ ملاحظہ فرمائیں

وَاَلقٰی فِی الاَرضِ رَوَاسِیَ اَن تَمِیدَ بِکُم وَ اَنھٰرًا وَّ سُبُلاً لَّعَلَّکُم تَھتَدُون O وَ عَلٰمٰتٍ O آیت نمبر15'16 النحل نمبر16

ترجمہ:۔ اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین ڈھلک نہ جائے اس نے دریا جاری کئے اور قدرتی راستے بنائے کہ تم ہدایت پاؤ۔ یہ علامات ہیں۔

جبکہ اللہ کی آیات دعوت غور و فکر' تعقل اور تذکر دیتی ہیں۔ آیاتِ ربانی عمق و گہرائی کی حامل ہیں وہ صرف ظاہری علامت نہیں کہ انھیں دیکھ کر سبحان اللہ کہ دیں اور فارغ ہو جائیں۔ اس گزارش کی وضاحت کے لئے چند قرآنی اقتباسات مع ترجمہ تلاوت کریں۔

i. کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ ال آیات لِقَومٍ یَّعقِلُون ہ

آیت نمبر28 الروم نمبر30

ترجمہ:۔ اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

ii. فَاَحیَا بِہِ الاَرضَ بَعدَ مَوتِھَا وَ تَصرِیفِ الرِّیَاحِ. آیاتٌ لِّقَومٍ یَّعقِلُون ہ

آیت نمبر5 الجاثیہ نمبر45 (جزو)

ترجمہ:۔ پھر (بارش سے) مردہ زمین کو جلد اٹھاتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی آیات ہیں۔ ان کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

iii. کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ ال آیاتِ لَعَلَّکُم تَتَفَکَّرُون O

آیت نمبر219 البقرہ نمبر2

Marfat.com

آیت نمبر226 البقرہ نمبر2

ترجمہ:۔ اس طرح اللہ اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ تم غور کرو۔

v. كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ○

آیت نمبر24 یونس نمبر10

ترجمہ:۔ (ہم غور کرنے والوں کے لئے اپنی آیات واضح طور پر بیان کرتے ہیں)ہم فکر کرنے والوں کے لئے) دیگر چند آیات اسی تفکر، تعقل اور تذکر کی دعوت پر مشتمل خود تلاوت فرمائیں۔ آیت نمبر3 الرعد نمبر13۔ آیت نمبر11 النحل نمبر16۔ آیت نمبر69 النحل نمبر16۔ آیت نمبر42 الزمر نمبر39۔ آیت نمبر13 الجاثیہ 45۔ آیت نمبر29 ص نمبر38۔ آیت نمبر13 فاطر نمبر40۔ آیت نمبر221 البقرہ نمبر2۔ آیت نمبر190 آل عمران نمبر3

تمام قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ بات یقینی ہے کہ قرآنی آیات تذکر، تفکر، تعقل اور تدبر کا مطالبہ کرتی ہیں۔ لہٰذا ایک لفظ نشانی آیت کا درست اور کماحقہ ترجمہ ہرگز نہیں ہے۔ لفظ آیت یا آیاتِ قرآنی کسی سطحی مشاہدہ اور مطالعہ کا نام نہیں۔ یہ لفظ گہرائی تک غور و فکر اور تعمق و تفکر کا غماز ہے۔

دوسرے یہ کہ آیات الٰہی کے لئے غور و فکر صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ارشادات ہیں کہ ہر وہ قوم جو عقل، فکر، ذکر اور تدبر کریگی ان آیاتِ ربانی کی حقیقت معلوم کرلے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ارشاد فرمودہ بہت سے موضوعات قوانینِ فطرت یا طبعی قوانین سے متعلق ہیں۔ ان موضوعات پر ممکن ہے کہ مسلمانوں نے بھی کام اور تحقیق کی ہو جو طباعت و اشاعت کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئی ہو یا مغرب کے دورِ ارتقا میں یورپ پہونچ کر یورپی محققین کے نام اور کام میں ضم ہو گئی ہو۔ لیکن بظاہر سترھویں صدی کے بعد مادی تحقیقات طبعی قوانین پر غیر مسلموں نے کیں اور فطرت کے ان رموز اور قوانین کو معلوم کرلیا جس کی نشاندہی قرآن مجید فرماتا ہے۔

Marfat.com

نظریاتی و فکری نقائص

علاوہ ترجمہ کی مبینہ سطحیت کے ایک فکری نقص بھی طبعی قوانین الٰہی پر غور و فکر میں حائل رہا۔ درحقیقت رسول کریم کی عظیم شخصیت اور قرآن حکیم نے جو عظیم انقلاب اقوام کی زندگیوں میں برپا کیا اور جس کی وجہ سے جن بے شمار علوم کے دروازے مسلمانوں پر کھول دئے ان کی گہما گہمی میں علمائے اسلام نے یہ غیر درست نظریہ پیدا کر لیا کہ قرآن حکیم صرف کتاب الاخلاق، کتاب الاعمال اور روحانی ارتقاء کا وسیلہ ہے۔ لہٰذا مسلمانوں نے تدبر فی القرآن کی اپنی کاوشوں کو انھیں موضوعات میں محدود و محصور کر لیا۔ قرآن حکیم کے مادی و طبعی حوالہ جات کو محض ایمان و ایقان اور روحانی طمانیت کے لئے ایک ذکر سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ حالانکہ وہ حوالہ جات عظیم علمی اور فکری ذخیروں کی کلید ہیں۔

یورپ کے صنعتی اور سائنسی انقلابات کے بعد چند ذی فکر اصحاب بصیرت نے قرآن کے سائنسی انکشافات پر غور کرنا شروع کیا مگر مسلمان علما نے انکی شدید مخالفت اور ہمت شکنی کی اور قرآن کے سائنس سے ہر قسم کے تعلق کا قطعی انکار کر دیا گیا۔ مولانا مسعود ندوی نے اس غلط نظریہ کی تائید میں ایک رسالہ شائع فرمایا اور ایک دلیل اس میں یہ دی کہ "ہم رسول کریم اور صحابہ کرام کو کدالیں لئے اور کانیں تلاش کرتے نہیں دیکھتے" لہٰذا قرآن سے سائنس کا کوئی تعلق نہیں۔

ا۔ درحقیقت رسول کریم کی بعثت کے تین بنیادی مقاصد تھے۔ ایک مکارم اخلاق (اعلیٰ ترین اخلاق) کی تکمیل۔ دوسرے قرآن کو صحابہ تک پہونچانا۔ پھر صحابہ اور آئندہ نسلوں کا کام تھا۔ اس پیغام کو اکناف عالم میں پہونچانا جیسا کہ ارشاد ہوا کہ تم پر رسول گواہ ہوں گے۔ اور تم تمام اقوام عالم پر گواہ ہو گے کہ قرآن پہونچا دیا گیا۔

ان دو فرائض کے علاوہ رسول اکرم کا کام تزکیۂ نفس تھا۔ وہ اہم ذمہ داری جو صحابہ پر تبلیغ کے سلسلہ میں اللہ نے عائد کی تھی اسے لفظاً و معناً پہونچانے کے لئے ان نفوس کا قدسی ہونا بھی ناگزیر تھا۔

لیکن یہ سمجھ لینا کہ 23 سالہ دورِ نبوت میں تبلیغِ قرآن' تکمیل اِخلاق اور تزکیۂ نفس کے علاوہ آپ قرآنِ حکیم کے منکشف کردہ تمام قوانینِ فطرت کی عملاً تصدیق بھی فرمائیں گے جہالتِ محض ہے. مگر قرآن حکیم نے واضح طور پر ارشاد فرما دیا کہ عنقریب آفاقی اور نفسی حالات سے تم تصدیق کر لو گے کہ قرآن منزل مِنَ اللہ ہے (آیت نمبر53 سورہ نمبر41) گویا یہ آفاقی تصدیق رسول کریم کا کام نہیں تھا. وہ قومیں یا افراد جو بعد میں تعقل' تفکر اور تذکر و تدبر سے کام لیں گی وہ قرآنِ حکیم کے منکشف کردہ طبعی اور فطری قوانین کی تصدیق کریں گی اور جان لیں گی کہ نزولِ قرآن کے وقت ان حقائقِ منکشفہ کا علم بجز اللہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا تھا اس لئے قرآن یقیناً خدا کا نازل کردہ ہے اور حضرت محمدؐ یقیناً اللہ کے نبی تھے.

ii. دوسرے یہ کہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ:-

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ

آیت نمبر10 الانبیاء نمبر21

ترجمہ:- ہم نے تمہاری طرف وہ کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے. کیا تم نہیں سمجھتے.

جس کتاب کا اللہ اس حیثیت سے تعارف کروا رہا ہے کہ اس میں تمہارا (انسان) ہی ذکر ہے یعنی اس کتاب کا موضوع ہی انسان ہے تو کیا وہ انسانی زندگی کے مادی اور سائنسی پہلو کا ذکر نہیں فرمائے گا. اس آیت مبارکہ اور آیت نمبر53 سورہ 41 سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسانی زندگی کے تمام پہلو مع آفاقی' فطری و طبعی حالات قرآن حکیم کا موضوع ہیں. کسی بھی ایسی جہت کو نظرانداز نہیں فرمایا گیا جس سے انسان کا کوئی بھی تعلق ہے. سورج' چاند' ستارے' سیارے' بادل' بارش' نباتات و جمادات' سمندر' دریا' کشتیاں' جانور' چرند و پرند وغیرہ وغیرہ.

iii. اس ضمن کی آخری بات یہ کہ خود اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ اس کتاب مبین میں ہر رطب و یابس (تر و خشک) چیز کا ذکر موجود ہے. ملاحظہ ہو:-

وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ

آیت نمبر59 الانعام نمبر6

Marfat.com

ترجمہ:۔ اور کوئی تر و خشک نہیں مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔

اس واضح ارشاد کے بعد کیا کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ اللہ کی کتاب پوری کائنات کا احاطہ کر رہی ہے۔ لہٰذا کسی موضوع کو اس کتاب سے باہر سمجھ لینا صرف نادانی ہے۔

لفظ "حق"

لفظ آیت کے قرآنی مفہوم کو سمجھنے کے لئے ایک لفظ "حق" کا مفہوم جان لینا بہت ضروری ہے۔ یہ لفظ قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر آیا ہے اور مختلف مضامین کی وضاحت کرتا ہے۔ عام طور پر حق کا مطلب سچ لیا جاتا ہے۔ مگر قرآن حکیم میں اسکا مفہوم سچ سے زیادہ وسیع ہے۔ یوں تو لفظ سچ کا مطلب کسی بات کا حقیقت کے عین مطابق ہونا ہے۔ مگر لفظ 'حق' اس سے وسیع تر معنی میں اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہیں کہ محنت کا معاوضہ مزدور کا حق ہے۔ یا وراثت میں بیوہ کا حصہ اسکا حق ہے۔ اس سے ہمارا مقصد ہے کہ قانونی استحقاق ہے۔ قرآن حکیم نے اس سے بھی زیادہ وسیع مفہوم پر اس لفظ کو استعمال فرمایا ہے۔

پہلے چند آیات مبارکہ تلاوت کرتے ہیں تاکہ بعد میں نتیجہ اخذ کرنے میں سہولت ہو۔

i. مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّیO

آیت نمبر 8 الروم 30

ترجمہ:۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے حکمت (قانون) کے بغیر پیدا نہیں کر دیا ہے۔ اور اسکی مدت (وجود) بھی مقرر کر دی ہے۔

ii. خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ۔ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَ یُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَO

آیت نمبر 5 الزمر نمبر 39

Marfat.com

ترجمہ:۔ (اللہ) نے آسمانوں اور زمین کو حق (قانون) سے پیدا فرمایا۔ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور سورج اور چاند کو مسخر (پابند قانون) کیا ہے۔

iii. وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِينَO مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

آیت نمبر38 '39 الدخان نمبر44

ترجمہ:۔ یہ آسمان اور زمین اور انکے درمیان جو کچھ ہے وہ ہم نے کھیل کے طور (الل ٹپ' اٹکل پچو (Haphazardly + Abruptly + At random) پیدا نہیں کر دیا ان دونوں کو حق (قانون) کے تحت پیدا کیا ہے۔ مگر ان میں اکثر لوگ جانتے نہیں۔

iv. خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضَ بِالْحَقِّO

آیت نمبر3 النحل نمبر16

ترجمہ:۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق (مطابق قانون) پیدا کیا ہے۔

حق یعنی قانون کے لئے دیگر آیات ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر5 ہود نمبر11' آیت نمبر23 یونس نمبر10' آیت نمبر35 النحل نمبر16' آیت نمبر19 ابراہیم نمبر14' آیت نمبر85 الحجر نمبر15' آیت نمبر3 النحل نمبر16' آیت نمبر24' 26 ص نمبر38 وغیرہ۔

حق کا متضاد لفظ ہے باطل جیسے کہ ارشاد ربانی ہے جاء الحق و زحق الباطل... (حق آگیا اور باطل ناپید ہوا) باطل کا مطلب ہے بلاجواز' کالعدم۔ اس تناظر میں دیکھئے تو بھی حق کا مطلب کسی قانون کے مطابق ہونا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر یہ واضح فرما دیا کہ زمین اور آسمانوں اور ان دونوں کے درمیان ہر چیز حکمت کے ساتھ کسی قانون طبعی کے مطابق پیدا کی گئی ہے۔ گھاس کا ایک تنکا' ریت کا ایک ذرہ یا پہاڑوں کے عظیم تودے کسی قانون طبعی اور قانون فطری' جو اللہ کے بنائے ہوئے ہیں' کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ انکی مدت وجود بھی اسی کے طبعی قوانین کے تحت ہے اور انکی فنا بھی اسی کے ضابطوں کے مطابق ہے۔ اور یہ قانون بقا و فنا ہر شے کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ لہٰذا اگر ہم یہ سمجھیں کہ یہ کائنات اور اسکا ایک ذرہ بھی بلاجواز یا بلامقصد وجود میں آگیا یا فنا ہوا تو ہم غلط ہیں۔

Marfat.com

آیاتِ الٰہی

اس بنیادی اعلان کے بعد کہ ہر شے کا وجود و فنا قانونِ الٰہی، قوانینِ فطرت یا قانونِ طبعی کے مطابق ہوتا ہے دوسرا مرحلہ ان قوانینِ فطرت و قوانینِ طبعی کی نشاندہی کرنا ہے جو مختلف حالات میں ہمیں نظر آتے ہیں یا محسوس ہوتے ہیں یا جنکی بابت ہمارا ذہن سوالات اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے ان سب کا شافی و کافی جواب کتابِ مبین میں دیدیا ہے۔

کچھ قوانین فطرت و طبعی وہ ہیں کہ جو غور و فکر سے انسان کی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ انھیں اللہ نے فرمایا یہ آیات ہیں یہ آیات ان لوگوں کے لئے ہیں جو تعقل، تفکر، تذکر اور تدبر کرنے والے ہیں۔ وہ حکمت معلوم کریں گے۔ ایک علمی تجسس کا دروازہ کھول دیا گیا اور کاوش کا میدان مقرر فرما دیا گیا۔ جیسے ہوائیں، بادل، بارش، مردہ زمین کا زندہ ہو جانا۔ ایک ہی زمین سے انواع و اقسام کے پھل وغیرہ پیدا ہونا، سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، بحری رویں، پہاڑ، چاند اور سورج کی گردش وغیرہ وغیرہ۔ وہ قوانینِ طبعی (آیات) ہیں جنکا علم انسان اپنی عقل اور کاوش سے حاصل کریگا۔ اور حقیقتاً ان میں سے بہت کچھ انسان نے پچھلی چند صدیوں میں معلوم کر بھی لیا ہے۔

دوسری وہ آیات (قوانین الٰہی) ہیں کہ انکا انکشاف انسانی عقل سے ماورا ہے۔ اس قسم کی (آیات) قوانین کا مجملا تذکرہ کر کے خبر دیدی گئی کہ کون سا کام کس طرح ہوا ہے یا ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں تخلیقِ کائنات، تخلیقِ آدم، فرشتوں کا وجود، وغیرہ کی بابت آیات ہیں۔

ے ۱ آیات (قوانین) ہیں جو حیات بعد الموت، جنت، دوزخ، عذاب و ثواب سے متعلق ہیں۔ یہ سب کچھ بھی الٰہی قانون کے عین مطابق ہے۔ انکی تفصیلات بہت حد تک دیدی گئی ہیں مگر ان پر ایمان بالغیب لانا لازم ہے۔ عقل و شعور سے انکی تصدیق صرف جزوی طور پر کی جا سکتی ہے۔

یہ بہت سرسری قسم کی مگر واضح تقسیم ہے۔ آئندہ چل کر آیات ربانی کی جس حد تک

Marfat.com

میری محدود اہلیت اور علم اجازت دیگا تفصیلی تقسیم کی کوشش کروں گا۔

تقسیم آیات

اللہ کے قوانین اس کائنات میں حیات و ممات میں' فنا و بقا میں ازل سے کارفرما ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ ہم اپنی سہولت و راہ نمائی کے لئے ان قوانین قدرت و فطرت جنکا قرآن نے ذکر فرمایا ہے انسان کو مرکز مان کر 3 جہات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1. اللہ اور انسان کا تعلق جس میں خالق کی ذات و صفات کا تعارف' مرسلین برائے ہدایت کی عظمت' کتب آسمانی بالخصوص قرآن کا تعارف' آدم و حوا کی تخلیق بطور خلیفہ۔ اس کائنات میں اسکی اہمیت۔ پھر اپنے رب سے رابطہ جسمانی اور روحانی کے قوانین' عبادات کا طریقہ' تزکیہ نفس' فطرت کے مطابق زندہ رہنے اور مرجانے کا اسلوب کہ یہ دین قیم ہے وغیرہ بتا دی گئی ہیں۔

2. انسان کا انسان سے تعلق قوانین خداوندی کی وہ دوسری جہت ہے جس میں انفرادی طمانیت' خاندانی سکون' معاشرتی ہم آہنگی' معاشی مسائل کا حل اور انسانی معاشرہ سے فساد کو ختم کر دینے کے طریقے اور قوانین تعلیم کئے گئے ہیں۔

3. تیسری جہت انسانی زندگی کا وہ پہلو ہے۔ جو اسکا اس کائنات سے تعارف اور تعلق واضح کرتا ہے اور کائنات میں انسانی مقام کا تعین کرتا ہے۔ انسان کے لئے تسخیر کائنات ہے۔ علم کی اعلیٰ ترین صلاحیت سے مادی قوتوں کو سرنگوں کرنا ہے۔ اللہ کے طبعی قوانین کی کارکردگی کا علم حاصل کرنا ہے اور انسانی بہبود کے لئے اسے کام میں لانا ہے۔

قانون "کن فیکون"

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں خود مکمل ہے۔ غنی ہے۔ اپنی کسی مخلوق کا کسی اعتبار سے محتاج نہیں۔ کائنات کی ہر شے اللہ کی محتاج اور اسکی صفت رحمانیت سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

Marfat.com

اسکے اختیارات و اقتدار ہر چیز پر غالب ہے۔

اللہ نے اپنے اس اختیارِ شاہانہ (Prerogative) کا ذکر بطور قانون بالائے قوانین، اختیار بالائے اسباب، اور اقتدار بالائے وسائل کو اختیارِ "کن فیکون" ظاہر فرما دیا ہے۔ وہ اسباب و وسائل کا خالق ہے انکا محتاج نہیں۔ اسکا حکم اسباب کے پردہ میں بھی جاری و ساری ہے مگر وہ اسباب کے بغیر بھی جو چاہے کر سکتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:۔

بَدِیعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُO

ترجمہ:۔ (اللہ) موجد ہے آسمانوں اور زمین کا۔ جب کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر117 البقرہ نمبر2

اسی طرح انسان کی پیدائش کے ضمن میں ارشاد ہوا کہ

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُO قَوْلُهُ الْحَقُّ۔ آیت 59 عمران 3

ترجمہ:۔ (اس نے (آدم کو) مٹی سے پیدا فرمایا اور پھر حکم دیا کہ ہو جا اور وہ (جاندار) ہو گیا۔ اسکا فرمان ہی قانون (حق) ہے)

اس اختیارِ شاہی "کن فیکون" کی بابت دیگر آیات ملاحظہ ہوں:۔

آیت نمبر47 آل عمران 3، آیت نمبر35 مریم نمبر19، آیت نمبر40 النحل 16، آیت نمبر 59 الرعد نمبر13، آیت نمبر73 الانعام نمبر6، آیت نمبر82 یٰسین نمبر36

"نوعیتِ اختیارِ کن فیکون"

اللہ کا یہ اختیار بالائے قوانین بظاہر دو طریقوں سے کار فرما ہوتا نظر آتا ہے۔

ایک یہ کہ اسباب و وسائل سے بالا یا اسباب و وسائل کے خلاف اسکا ارادہ غالب ہو کر پورا ہو جاتا ہے۔ جیسے تخلیقِ کائنات کہ سب کچھ عدم سے وجود میں آ گیا بغیر کسی سبب اور وسیلہ کے۔ یا جیسے معجزاتِ انبیاءِ علیہم السلام کہ اسباب و فطرت کے بالکل خلاف ظہور

Marfat.com

پذیر ہوتے رہے ہیں۔

اس نے فرمایا کہ

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ O آیت نمبر 69 الانبیاء نمبر 21

ترجمہ:۔ (ہم نے ارشاد فرمایا کہ اے آگ ابراہیم پر سلامتی والی ٹھنڈک بن جا)

اور یہی ہوا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کا عصا ایک عام لکڑی تھا اسکے حکم سے اژدھا بن گیا۔ حضرت صالح کی اونٹنی کی تخلیق، حضرت عیسیٰ کا گہوارہ میں بولنا، بغیر کسی دوا کے شفاء ہو جانا، خوانِ نعمت کا اترنا وغیرہ۔ یہ سب کچھ بلا کسی سبب اور وسیلہ ہو گیا۔ معجزات کو اللہ نے اپنی آیت ارشاد فرمایا اس آیت یا قانون کا تعلق اسی حکم کن فیکون سے ہے۔ ملاحظہ ہو آیت نمبر 109، 36 الانعام نمبر 6، آیت نمبر 59 اسرائیل نمبر 17 وغیرہ

دوسرے یہ کہ وہ ارادہ فرمائے تو کائنات کا ذرہ ذرہ اس ارادہ کی تکمیل کے لئے اسباب و وسائل پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسباب اسکی مخلوق ہیں اور اسکی رضا کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ کو کسی کوشش یا جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ اسباب و وسائل خود بخود اسکے ارادہ کی تکمیل کا باعث بن جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کی تلاوت سے یہ قیاس قوی ہوتا ہے کہ عالم اسباب پر محیط اس کائنات کا اعصابی مرکز (Controling Centre) یا اسے محیط عمل کچھ بھی کہیں عرش ہے۔ تمام اسباب و وسائل مادی اعتبار سے عرش سے اشاروں کے پابند ہیں۔ وہیں سے احکام ملتے ہیں اور تعمیل ہوتی ہے۔ اسی معنی میں بظاہر یہ ارشاد ہوا۔

ذوالعرش المجید، فعال لما یرید۔ آیت نمبر 16-15 البروج نمبر 85

ترجمہ:۔ (اللہ) عرش مجید پر حاوی ہے۔ جو ارادہ کرتا ہے اس پر عمل ہو جاتا ہے۔

اجمالاً یہ سمجھ لیجئے کہ اسکا اختیارِ کن فیکون بالائے اسباب بھی محیط ہے اور اسباب بھی اسکے تابع فرمان ہیں۔ یہ قانون و اختیار تمام دیگر قوانینِ عالم سے بالا ہے وہ اختیار شاہی ہے۔

اہم نتیجہ

Marfat.com

اللہ کے اس بنیادی قانون کی وضاحت سے آئندہ کی گفتگو کیلئے ایک اہم نتیجہ اخذ ہوا۔ آئندہ جن قوانین الٰہی، قوانین تخلیق، اور قوانین فطرت کا ذکر ہو گا وہ صرف اس قیاس کی حد تک ہے کہ کوئی کام اللہ نے کس طرح کیا جس کی خبر قرآن نے ہمیں دی یا انسانی زندگی یا طبعی دنیا میں اللہ کے قوانین کس طرح کارفرما ہیں۔ ان قوانین فطرت کو سمجھنا کیوں ضروری ہے۔ موضوع بحث اسکی قدرت و اختیار نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ وہ ہر کام کروڑوں بلکہ لاتعداد طریقوں سے کر سکتا ہے اور بغیر کسی بھی طریقے کر سکتا ہے۔ مگر سوچنا اور سیکھنا یہ ہے کہ اس نے اپنے کس طریق کار کی کیا وضاحت فرمائی ہے اور کن قوانین کے تحت وہ کام ہو رہا ہے جو وہ کرنا چاہتا ہے۔

تعارف ذات وصفات ربانی آیات

قرآن حکیم کو نسل انسانی کے اساسی دستور کی حیثیت حاصل ہے۔ کسی بھی دستور کے لیے یہ لازم ہے کہ اس دستور کا بنانے والا اپنے اس اختیار (Authority) کا ذکر کرے جس کے تحت اسکا نافذ کردہ دستور یا قانون لاگو (Binding) اور واجب العمل ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالی نے اپنی ذات گرامی، صفاتی مظاہر اور قوت فعلیہ کا ذکر بھی فرمایا اور ہر انکشاف قدرت اور ہر حکم کے بعد اپنی ان صفات کا تذکرہ کیا جس کی بناء پر وجوب عمل لازم ظاہر ہوتا ہو۔

اپنی ذات گرامی کا جو اللہ نے تعارف کرایا وہ مجملاً کچھ اس طرح ہے:۔

i. ارشاد ہے لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ (وہ کسی بھی شے کی مانند نہیں) آیت نمبر 11 سورہ نمبر 42

مختصراً مطلب یہ ہوا کہ تصور کی پرواز جس قدر چاہے بلند ہو اللہ کی ذات کا تصور ہرگز ممکن نہیں۔ وہ ہر تصور سے ماورا ایک حقیقت ہے۔ بے مثل ہے۔

ii. اسکی ذات کو کسی آنکھ میں قوت نہیں کہ دیکھ سکے۔ آیت نمبر 103 الانعام نمبر 6
لا تدرکہ الابصار۔

Marfat.com

iii۔ اللہ کسی سے براہ راست کلام نہیں کرتا۔ اسکا کلام یا فرشتوں کی وساطت سے پہونچتا ہے۔ یا کسی درخت کے وسیلہ سے اس نے کلام فرمایا یا براہ راست القا فرمایا۔ یا جو بھی وسیلہ اس نے پسند فرمایا۔ آیت نمبر51 نمبر الشوریٰ 42

iv۔ وہ مالکِ عرش عظیم ہے۔ عرش پوری کائنات پر محیط کنٹرول کا مرکز ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ عرش کے مرکز کے مکمل اختیار میں ہے۔ آیت نمبر3 یونس نمبر10

v۔ وہ مالکِ یوم قیامت ہے۔ اس روز ہر فیصلہ وہ خود فرمائیگا۔ نہ کسی سفارش کی گنجائش اسکی اجازت کے بغیر نہ رعایت ممکن نہ ظلم۔ آیت نمبر3 الفاتحہ نمبر1 + آیت نمبر3' یونس نمبر10

vi۔ وہ ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ آیت نمبر16 ق نمبر50 ۔

vii۔ ہمیشگی صرف اسے حاصل ہے وہ ازخود موجود ہے۔ باقی سب کچھ اسکی تخلیق فانی ہے۔ الاخلاص نمبر112 ۔

viii۔ وہ اپنی ذات میں خود مکمل ہے۔

ix۔ وہ ہر شے کا مبتدی (ابتداء کرنے والا) ہے۔ وہی فنا کرتا ہے۔ آیت 13' البروج 85-

x۔ اللہ کی ذات لافانی ہے۔ اسکے علاوہ ہر شے فانی ہے۔ آیت نمبر27 الرحمٰن 55 -

یہ تمام ارشادات اپنی ذات جل شانہ کے متعلق فرما کر تمام راستے بند کر دیئے کہ کسی چیز کو اللہ سے مشابہ قرار دے کر اسکی پرستش نہیں کی جاسکتی نہ کسی گئو سالہ کی آواز کو اسکی آواز قرار دے کر دعوتِ شرک دی جاسکتی ہے۔ نہ کسی کو وسیلہ یا سفارش سمجھ کر کسی غیر اللہ سے استعانت کی جا سکتی ہے۔ وہ کسی سے مشابہ نہیں۔ ہر آنکھ کی بینائی سے ماورا ہے۔ ہر کان اسکی آواز سے ناآشنا ہے اس تک صرف اسکے مظاہرِ صفات سے پہونچا جا سکتا ہے۔

یہ وہ قوانین و آیات ہیں جو مالک نے بطور خالق' معبودِ واحد ہونے کے ہمیں بتا دیئے۔ کہ ہر وہ شے جو مذکورہ خواص کی حامل نہیں (اور حقیقتاً کوئی ہے ہی نہیں) وہ تمہارا معبود ہو ہی نہیں سکتا۔

آیات بابت تعارف صفات

قرآن حکیم کا ہر مضمون اللہ کے صفاتی تعارف کا حامل ہے. تمام خوبیاں اللہ کی ہیں اور اسی کی طرف سے ہیں. تمام اسماء حسنیٰ اللہ کے لئے ہیں. جو حقیقتاً لامحدود ہیں مگر ہم نے 99 صفاتی نام ہی جانے ہیں.

اس کے علاوہ تمام اسماء حسنیٰ اسکی قوت فعالیہ کے نام ہیں. اور اس نے انھیں اسماء کا جزوی مگر اجتماعی علم آدم کو اور انکی وساطت سے اولاد آدم کو عطا فرما کر خلافت کا مقام عطا فرمایا.

بے شمار آیات قرآنی اللہ کے وضع کردہ قوانین فطرت اور قوانین طبعی کی نشاندہی کر رہی ہیں. تمام مظاہر کائنات اور اسکے مخفی خزانے اللہ کی باضابطہ قوت فعالیہ کے تحت وجود میں آئے' اسی کے تحت سرگرم عمل ہیں اور اسی کے تحت فنا ہو جاتا ہے. اللہ اپنی تمام صفات کا موقع و محل کے مطابق ذکر بھی فرماتا ہے. ثبوت کی طرف توجہ بھی دلاتا جاتا ہے.

اس صفاتی تعارف کا جو اللہ کے جاری و ساری قوانین کی صورت میں کل کائنات پر محیط ہے' کا مقصد انسان کو بظاہر دو باتوں کا ادراک دلانا ہے:-

1. ایک یہ کہ جو ہستی انسان کو بیش بہا صلاحیتوں سے نواز کر' نیک و بد کی تمیز دے کر ہدایت یافتہ ہستیوں کے ذریعہ اپنی ہدایات جاری کر رہی ہے کیا وہ ہستی تم سے ان صلاحیتوں کو صحیح یا غلط استعمال کئے جانے کی بابت سوال نہیں کریگی۔ کیا اسکی ہدایات اس طرح بے معنی اور غیر موثر ہو سکتی ہیں کہ انکو ماننے یا نہ ماننے والے برابر ہو جائیں۔ تعمیل ہدایت پر کوئی انعام نہ ہو اور تقصیر پر کوئی سزا نہ ہو؟ اس قسم کی بات سوچنا نری حماقت ہے لہٰذا قیامت و حشر لازمی ہیں.

سورہ والتین ..... میں اللہ نے واضح اشارہ فرما دیا. اس نے انسان کو احسن تقویم بنایا. گویا بہترین صلاحیتوں کا حامل بنایا. پھر اس میں اسفل سافلین (گھٹیا ترین) صلاحیتیں بھی پیدا کر دی گئی. ایمان و عمل صالح کرنے والے اس اسفلیت سے بچ جائیں گے. انکے لئے عظیم اجر ہے (اور ظاہر ہے کہ عمل صالح نہ کرنے والے مستوجب سزا ہونگے.) یہ لوگ

کیا اسکے باوجود یوم قیامت کا انکار کریں گے. یعنی نیک و بد اعمال کی بابت پرسش کیلئے وقت اور دن کا تعین بالکل نہ ہونے کی بابت سوچا جا سکتا ہے؟ اگر کافر ایسا احمقانہ خلافِ عقل رویہ اپناتے ہیں تو آخر کار اللہ نے کرنا وہی ہے جو عقل اور فطری قانون کا تقاضا ہے اور جس کا (یوم قیامت کا) اس نے واشگاف وعدہ فرمایا ہے. آنکھ بند کر لینے سے قیامت ٹل تو نہیں جائیگی.

2. دوسری بات جس کا اللہ ہمیں اپنے تمام قوانینِ قدرت کے اظہار سے احساس دلانا چاہتا ہے وہ یہ کہ اے انسان.... میں نے تجھے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے. تیرے لئے کل کائنات مسخر کی گئی ہے. تجھے اس علم کا امین بنایا جو صرف اللہ کے لئے خاص تھا. فرشتوں اور اجنہ پر تجھے فوقیت دی اور انکا تجھے مسجود بنایا. جس خالق نے تجھے یہ عظمتیں عطا کیں اسے پہچان' اسکی وحدت کو مان اور صرف اسے اپنا معبود و مسجود اور مستعان گردان.... کیا تجھے یہ زیب دیتا ہے کہ اپنے عظیم خالق و آقا کے ان چاکروں (جنھیں اللہ نے تیری خدمت اور بہبود کے لئے پیدا فرمایا) کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے' ان سے اپنی فلاح کی توقع کرنے لگے اور انھیں اپنے اس عظیم معبود کا ہمسر ٹھہرانے لگے. تیرا یہ فعل کس قدر شرمناک ہے کہ جن سے تجھے سجدہ کرایا گیا تو خود ان مخلوقات کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے. اللہ کے دئے گئے شرفِ عظیم کی اس سے بڑی توہین کیا ہو سکتی ہے اور تمہارا یہ فعل شرک دوسری غلطیوں کے مقابلہ میں یہ جرم اس قدر ہیبت ناک ہے اور اللہ خالق واحد کی ایسی توہین ہے کہ ناقابل معافی ہے. لہٰذا ہر صورت شرک سے بچو.

تعارف قرآن حکیم

اللہ نے اپنی ذات و صفات کے قوانین (آیات) بیان فرما کر پھر اس کتابِ مبین کا تعارف کرایا کہ اللہ کے قوانین کے تحت حق کے ساتھ اسے اتارا گیا ہے. ان قوانین الٰہی کے مطابق ایسی دوسری کتاب یا اسکی چند آیات کا بنا لینا بھی تمام انس و جن کیلئے ممکن نہ ہو گا. اس کتاب کی حفاظت کا قانون بھی اس نے بنا دیا ہے. اللہ نے نسل انسانی پر اتمام

Marfat.com

حجت کے لئے قرآن کو بہر صورت جمع کرنے اور پڑھوا دینے کیلئے بھی قانون وضع فرما دیا ہے۔ اس نے اعلان فرما دیا کہ میری صفت رحمانیت سب سے زیادہ عام اور میری پسندیدہ ہے۔ اس صفت رحمانیت کا سب سے بڑا انعام قرآن کا علم ہے۔ جس ہستی کی وساطت سے یہ علم عطا ہوا وہ رحمت اللعالمین ہے۔ لہٰذا یہ کتاب عظیم ترین ہے۔

الرحمٰن○ علم القرآن○ سورہ رحمٰن نمبر55

ہر کتاب سے استفادہ کیلئے یہ لازم ہے کہ قاری کو یہ یقین ہو کہ اسکا مصنف وہی ہے جسکے نام سے کتاب صادر ہوئی۔ دوسرے یہ کہ کتاب کے مضامین و الفاظ عین مصنف کے منشاء کے مطابق ہیں ان میں رد و بدل نہ کر لیا گیا ہو۔ تیسرے یہ کہ کتاب پہونچانے والے نے کچھ حصہ چھپا نہ لیا ہو یا سہوا پہونچانے سے رہ نہ گیا ہو۔

قرآن حکیم میں اللہ نے اس کتاب کی تنزیل، ترتیب، جمع و ضبط اور مکمل ترسیل کو یقینی قرار دیدیا ہے۔ تین اہم ارشادات ملاحظہ ہوں:۔

i. الم۔ ذٰلِكَ الكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ○ آیت نمبر1 البقرہ نمبر2

ترجمہ:۔ یہ کتاب ہر قسم کے شک سے بالا ہے۔

ii. انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون○ آیت نمبر9 الحجر نمبر15

ترجمہ:۔ یہ ذکر (قرآن) ہم نے نازل کیا اور اسکی حفاظت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

iii. ان علینا جمعہ و قرآنہ○ آیت نمبر16 القیامت نمبر75

ترجمہ:۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اسے (قرآن) کو (درست طور پر) جمع کرا دیں اور پڑھوا دیں۔

iv. اس کتاب کو رسول کی بھول چوک سے بھی مبرا فرما دیا گیا۔

سنقرئک فلا تنسی الا ماشاء اللہ○ آیت 6، 7 الاعلیٰ نمبر87

قرآن حکیم کی عظمت، صحت، غیر متبدل ہونا اور اسکی تعریف و توصیف بھول چوک سے مبرا اور حضرت جبرائیل اور رسول کریم ہر دو کا امین و صادق ہونا متعدد آیات میں واضح فرما دیا گیا۔ یہ قوانین عظمت و قوانین نظم و ضبط و صحت اور وہ قوانین حفاظت قرآنی ہیں جن کا ان آیات میں ذکر ہے۔ یہ آیات تعداد میں کل 159 ہیں۔ ان سب آیات کا یہاں احاطہ ممکن نہیں۔ یوں بھی قرآن حکیم کی عظمت و صحت کبھی موضوع اختلاف نہیں

Marfat.com

رہا اور ہم سب کا اس پر اتفاق اور ایمان ہے۔

تخلیقِ کائنات

تخلیق کائنات کے متعلق سائنس دان آج تک کسی نظریہ پر متفق اور مطمئن نہیں ہیں کہ یہ کیونکر وجود میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بات تو مسلسل اور متعدد جگہ پر ارشاد فرمائی جو الفاظ کے اختلاف کے باوجود ایک ہی مفہوم کی حامل آیات ہیں کہ زمین آسمان جو طبق پر طبق 7 ہیں اللہ اپنے قانون پیدائش سے وجود میں لایا پھر ان سب پر عرش کو محیط و مکمل کر دیا گیا۔ آیت 15' نوح نمبر 71' آیت 59' الفرقان 25۔

دوسرے یہ ارشاد فرما دیا کہ یہ کل کائنات ایک مجموعۂ وجود تھی (گولہ) پھر اللہ نے اسے پھاڑ دیا اور اس طرح زمین اور متفرق اجرام سماوی جو ہمیں نظر آتے ہیں یا نہیں نظر آتے وجود میں آ گئے۔ سائنس میں اس حقیقت کو اب تک (Big Bang Theory) کہتے ہیں۔ آیت 30' الانبیاء نمبر 21۔

تیسرے یہ بات واضح فرما دی کہ کائنات میں جہاں بھی زندگی ہے اس کی وجہ پانی یقیناً ہے۔ پانی کے بغیر حیات کا کوئی وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ آیت 30' انبیاء 21

چوتھے ارشاد ہوا کہ زمین زندگی کی واحد وارث نہیں ہے بلکہ زمین کے علاوہ بھی حیات موجود ہے۔ یہ وجود دیگر سیاروں پر بھی ہو سکتا ہے اور ستاروں پر بھی ممکن ہے۔ آیت 29' شوریٰ 42۔

پانچویں بات یہ کہ زمین کے سکڑنے (Shrink) کا عمل برابر جاری ہے۔ گویا زمین کا حجم مسلسل کم ہو رہا ہے۔ یہ کام سائنس دانوں کا ہے کہ حجم کی اس مسلسل کمی کے اثرات کا جائزہ لیں۔ آیت نمبر 41' رعد 13۔

چھٹے یہ کہ تخلیق کا یہ عمل 6 ایام اللہ (وقت کے 6 پیمانوں (Phases) میں مکمل ہوا۔

ساتویں اس عظیم قانونِ کشش کا ذکر فرمایا کہ آسمان نظر نہ آنے والے ستونوں (سہاروں یا قوتوں) پر قائم ہے۔ آیت نمبر 2' الرعد 13۔

Marfat.com

آٹھویں یہ کہ تمام ارض و سماوات باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر اللہ نے قوانین فطرت کے تحت انھیں علیحدہ فرما دیا۔ دھواں ختم ہوا علیحدہ وجود نظر آئے۔ آیت نمبر11' حم 41 ۔

نویں یہ کہ زمین ابتداء میں تمام کی تمام زیر آب تھی۔ بعد میں سمندر بنے اور خشک زمین وجود میں آئی۔ اللہ نے اس بات کو اس طرح ارشاد فرمایا کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ بائیبل میں کہا گیا کہ خدا کی روح پانی پر چلتی تھی۔ آیت 7' الدخان 44 ۔

دسویں بات یہ کہ تمام ارض و سموات انسانی بہبود کے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔ ارشاد ربانی کئی جگہ پر اس بات کی تصدیق کر رہا ہے۔ ارشاد ہوا:۔

وَسَخَّرَلَکُمْ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فی الارض جَمیعًا مِّنْہ ٥

آیت نمبر12 الجاثیہ 45 ۔

ترجمہ:۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ تمام کا تمام

علامہ اقبال نے اللہ کے اس ارشاد کو ایک خوب صورت شعر میں نظم کیا ہے۔

بزم ہستی اپنی آرائش پہ تو نازاں نہ ہو
تو تو ایک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں

متذکرہ بالا چند بنیادی حقائق کی وضاحت سے انسان کی حیثیت کا اس کائنات میں تعین کر دیا اور کائنات کے چند قوانین تخلیق' اور ارتقائی مراحل کا تعارف کرا دیا گیا۔

Marfat.com

تخلیق آدم و حوا

قدرتی طور پر انسان اپنی ابتداء کے متعلق تجسّس میں مبتلا ہے۔ بقول حضرت علامہ اقبال

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انساں
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے

اس بارہ مین انسانی ذہن کے تجسّس کو اللہ نے ایک مجمل تعارف سے یہ بتا دیا کہ انسان کا وجود کیسے ہوا اور اس زمین اور کائنات میں اسکی حقیقت کیا ہے۔

انسان یا آدم کے پتلے کی تیاری سے بہت قبل اللہ نے زمین پر ایک اپنا خلیفہ پیدا فرمانے کا ارادہ کر لیا۔

پھر ایک پتلہ بہت اہتمام سے (اپنے ہاتھ سے بنایا) اور اسمیں اپنی روح میں سے کچھ (خصوصی حیاتی قوت غالبا) داخل کی گئی۔ پھر اس آدم کو اپنی صفاتِ فعلیہ (اسماء) کا علم دیا گیا۔ فرشتوں کو جو علم اِلفراوی دیا گیا تھا وہ اجتماعی علم آدم کو دیکر اسکی فوقیت ثابت فرمائی پھر اسے سجدہ کرایا گیا۔ شیطان منکر ہو گیا۔

اس کے بعد آدم سے حوا کے وجود کو رفاقت کے لئے علیحدہ کیا گیا۔ جنت میں قیام کا حکم ہوا۔ مکمل آزادی بجز شجر ممنوعہ سے اجتناب دیگی۔ شیطان کی دشمنی سے خبردار کر دیا گیا۔ پھر لغزش ہوئی اور شیطان کے بہکانے میں آکر شجر ممنوعہ چکھ لیا۔ نتیجتاً ایک دوسرے کے ستر کھل گئے۔ گویا اب تناسل اور اولاد کی پیدائش لازمی ہو گئی۔ جسکی جنت میں گنجائش نہ تھی۔ دنیا میں اتار دئے گئے۔ کلماتِ توبہ سکھا کر معاف کیا گیا۔ قصہ آدم کم بیش 8 مقامات پر بیان ہوا۔ آیات نمبر30 تا 38 البقرہ نمبر2۔ آیات 33 + 59 آل عمران نمبر3۔ آیات 10 تا 28 الاعراف نمبر7 + آیت نمبر61 بنی اسرائیل نمبر17 + آیات نمبر115 تا121 طٰہٰ نمبر20 + آیت نمبر50 کہف نمبر18 + آیت نمبر165 الانعام نمبر6 + آیت 62 النمل نمبر27۔

Marfat.com

ان تمام آیات سے جو علم ہمیں ہوا وہ یہ کہ:۔

i. نسل انسانی کی ابتداء نفس واحد سے ہوئی۔ ایک ہی پتلہ میں نر و مادہ قوتیں جمع تھیں۔ اسی پتلہ میں آدم میں نفخ روح کیا گیا۔ جانور نے ترقی کر کے انسان نہیں بنا ورنہ نفخ روح کی کیا ضرورت تھی۔

ii. آدم کی تخلیق اللہ نے اپنے ہاتھوں سے فرمائی۔ آیت 75 ص نمبر38

iii. زمین اور اسکی ہر چیز آدم اور اسکی اولاد کیلئے پیدا کی گئی۔ آیت نمبر29 البقرہ نمبر2

iv. اکثر مخلوقات پر انسان کو فضیلت دی گئی یعنی زیادہ اہلیت انسان کو عطا ہوئی۔ آیت نمبر70 بنی اسرائیل نمبر17۔

v. کل کائنات کو انسان کی بہبود کے لئے مسخر فرمایا گیا۔ آیت نمبر12 الجاثیہ 45

vi. انسان کو بہترین تقویم سے پیدا فرمایا پھر ذلیل ترین درجہ کی صلاحیت بھی اسے عطا ہوئی۔ اسے بہترین مادہ سے تخلیق کیا گیا اور اخلاقی رہنمائی براہ راست کلام الہٰی سے کی گئی۔ آیات نمبر1+2+3 والتین نمبر95

vii. انسان کو تمام کائنات میں تکریم و عزت عطا ہوئی۔ بہترین غذا اسے فراہم ہوئی اور برو بحر پر اسے حکمرانی عطا ہوئی۔ آیت نمبر70 البقرہ 2 –

viii. مذکورہ تمام فضیلت اسے عطا ہوئی کہ اسکی تخلیق کا مقصد ہی زمین پر اللہ کا خلیفہ بنانا تھا۔

ان تمام آیات میں اللہ نے ان تمام فطری محرکات اور قوانین کا ذکر فرمادیا جس سے انسان کو ازل سے سرفرازی حاصل ہے۔

انسان کی فطری کمزوریاں

اللہ نے ان فطری کمزوریوں کا بھی جا بجا ذکر فرمادیا جو انسان میں خلقی طور پر موجود ہیں۔ مثلاً

i. انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ آیت 28 النساء نمبر4

Marfat.com

ii. انسان میں عزم کی کمی ہے۔ آیت نمبر115 طٰہٰ نمبر20 ۔

iii. انسان عجلت پسند ہے۔ آیت نمبر37 الانبیاء 21 ۔

iv. انسان تنگ دل واقع ہوا ہے۔ آیت نمبر100 بنی اسرائیل 17 ۔

v. انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ آیت نمبر54 البلد نمبر18 ۔

vi. بے شک انسان کو مشقت (میں) کے لئے پیدا کیا ہے۔ آیت نمبر4 البلد نمبر90 ۔

vii. انسان ظلوما جھولا ہے۔ آیت نمبر72 الاحزاب 33 ۔

viii. انسان ناشکرا ہے۔ آیت نمبر6 العدیات نمبر100 آیت نمبر34 ابراہیم 14۔ آیت نمبر48 الشوریٰ نمبر42 + آیت نمبر66 الحج نمبر22 + آیت نمبر67 بنی اسرائیل نمبر17 وغیرہ۔

ix. انسان خسران میں ہے۔ آیت نمبر2 العصر نمبر103

خسران (نقصان) سے تحفظ صرف ایمان اور نیک اعمال سے ممکن ہے۔

اپنے اس خلیفہ' اپنی اس مخلوق جس کی عظمت و برتری کل کائنات پر ظاہر فرما دی اب اسکی کمزوریاں بھی بتا دی گئیں۔ وہ قوانین عظمت اور یہ خلقی پیدائش کمزوریاں ہر دو اللہ کے قوانین ہیں۔ اس عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے ایمان اور عمل صالح کے قوانین بھی تعلیم فرما دئے گئے۔

قوانین بابت ہدایت و گمراہی

انسانی فطرت کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ:۔

"فِطْرَتَ اللّٰهِ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا... لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ... ذالک دین القیمO

ترجمہ:۔ "اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی تخلیق تبدیل نہیں ہو سکتی۔ یہی بالکل درست دین ہے۔"

گویا اللہ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے اسکے مطابق جینے کے سلیقہ کا نام دین

Marfat.com

ہے۔ قرآن کی تمام ہدایت اسی فطرت کی نشاندہی ہے۔

چونکہ پیدا کرنے والا زندگی کے اس سلیقے کو اور ان ضابطوں اور اصولوں کو بہتر جانتا ہے لہٰذا اس نے انسان کی انفرادی، عائلی، معاشرتی، معاشی، عدل کے نظام کی، صلح و جنگ کی، حسب و نسب کی، علمی، عقلی، اور روحانی بہتری اور سلامتی کے لئے ہدایات اور اوامر و نواہی کی صورت میں نازل فرما دئے۔ ان قوانین فطرت پر مشتمل آیات قرآن حکیم کا چونکہ مقصد اولین ہے۔ لہٰذا ان قوانین فطرت کا ذکر انکی بابت دلائل، انحراف کے نتائج، قبول کر لینے پر انعامات وغیرہ قرآن حکیم کے بیشتر حصہ میں ہے۔

ہدایت و ضلالت کا بنیادی قانون

ہدایت و گمراہی کے متعلق اللہ نے چند ایسے ارشادات فرما دئے کہ انکو سمجھے بغیر اللہ کے اس ضمن میں بنیادی قانون کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ مثلاً اسکا ارشاد کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کر دے۔ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

(آیت 155 الاعراف نمبر 7) آیت نمبر 93 النحل نمبر 16 + آیت نمبر 4 ابراہیم نمبر 14 + آیت نمبر 8 فاطر نمبر 38

اس مضمون کی بہت سی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ انکی وضاحت لازمی ہے۔

اسی طرح ارشادات ہیں کہ اللہ نے انکے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ وہ ہدایت نہیں پا سکتے۔ دراصل اللہ انسانی فطرت سے متعلق اپنے ان قوانین کا ذکر جا بجا فرما رہا ہے کہ کس ذہنی رجحان اور انسانی نیت کے نتیجہ میں ہدایت دیدیتا ہے۔ اور کون سے عوامل انسانی فطرت میں مستور ہیں جو اسے صرف گمراہی سے دوچار کرتے ہیں۔ اسی طرح انسانی فطرت کے ان قوانین کا ذکر فرما دیا گیا جو ہدایت کے خلاف اور ضلالت کے حق میں ایک مضبوط مہر بن جاتے ہیں۔ دراصل یہ سب کچھ انسان کے فطری قانون کے تحت ہو رہا ہے۔ اور فطری قانون اللہ کا وضع کردہ ہے اس لئے انسانی نیت، عمل اور روش ذہنی کے جو نتائج ہدایت و گمراہی یا دلوں پر مہر لگ جانے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں انھیں اللہ اپنی

طرف منسوب فرماتا ہے۔ درحقیقت وہ سب کچھ اسکے قانون کے مطابق ہو رہا ہے۔ جیسے ارشاد ہے کہ کون پرندوں کو ہوا میں سنبھالتا ہے (آیت نمبر 75 النمل 16) یا کون ہے جو سمندروں میں جہازوں کو چلاتا ہے (آیت نمبر 31 لقمان نمبر 31) یعنی یہ سب کچھ اللہ ہی کر رہا ہے۔ مگر اشارہ اللہ کے وضع کردہ قوانین طبعی کی طرف ہے۔ انھیں قوانین طبعی کے تحت پرندے اڑتے اور جہاز تیرتے ہیں۔

اس روشنی میں چند آیات و قوانین ربانی کا مطالعہ کرتے ہیں۔

i. قُلْ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَہْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ O

آیت نمبر 27 الرعد نمبر 13

ترجمہ:۔ کہو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور ہدایت اسی کو دیتا ہے جو اسکی طرف رجوع کرے۔

ii. فَمَا کَانُوْ لِیُؤْمِنُوْا بِمَا کَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ O کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الْکَافِرِیْنَ O

آیت نمبر 101 الاعراف 7

ترجمہ:۔ مگر جس چیز کو ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر وہ ماننے والے نہ تھے۔ دیکھو اس طرح ہم منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ (یعنی ضد کی وجہ سے گمراہی میں پختہ ہو جاتے ہیں)

iii. وَلَئِنْ جِئْتَہُمْ بِاٰیَۃٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ O کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ O

آیت نمبر 59 الروم نمبر 30۔

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے ہماری آیات (قوانین) ماننے سے انکار کر دیا وہ یہی کہیں گے کہ تم باطل پر ہو۔ اس طرح اللہ بے علموں کے دلوں پر ٹھپا لگا دیتا ہے۔ (سچ کی تکذیب)

iv. اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَہْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ O

آیت نمبر 12 الشوریٰ 42

ترجمہ:۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا لیتا ہے اور ہدایت رجوع کرنے والے کو دیتا ہے۔

v. وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ O

Marfat.com

آیت نمبر 99 الشعراء نمبر 26

ترجمہ:۔ ہم نے گمراہی میں نہیں ڈالا بجز مجرموں کے۔

vi. بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ O

آیت نمبر 29 الروم نمبر 30

ترجمہ:۔ مگر یہ ظالم اپنے توہمات کے پیچھے چل پڑے ہیں پھر اس شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو۔

گویا سچ کی تحقیق کرنے کے بجائے بے بنیاد توہمات کی پیروی کا نتیجہ گمراہی ہے۔

vii. الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ. أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ O

آیت نمبر 18 الزمر نمبر 39 ۔

ترجمہ:۔ (بشارت ہے) انکے لئے جو غور سے سنتے ہیں اور اُسکے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی دانشمند ہیں۔ (سچائی کے لئے تجسس ہدایت کی بنیاد ہے)

viii. يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ إِلَّا الْفَاسِقِينَ O

آیت نمبر 26 البقرہ نمبر 2 ۔

ترجمہ:۔ اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہی میں وہ فاسقوں کو ہی مبتلا کرتا ہے۔

ix. وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ O

آیت نمبر 264 البقرہ نمبر 2 ۔

ترجمہ ۔ کافروں کو ہدایت دینا اللہ کا قانون/دستور نہیں۔ (حق سے انکار ہدایت سے محرومی ہے۔)

x. ان الذين كفروا سواء عليهم ء انذرتهم ام لم تنذرهم. لا يومنون. ختم الله على قلوبهم و على سمعهم. و على ابصارهم غشاوه O آیت 7، سورہ 2

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے کفر کیا انکے لئے یکساں ہے خواہ تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو وہ ایمان نہیں لائینگے۔ اللہ نے انکے دلوں اور انکے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور انکی آنکھوں پر

Marfat.com

پردہ پڑ گیا ہے۔

xi. واللہ لا یہدی القوم الظالمینO

آیت نمبر258 البقرہ نمبر2

ترجمہ:۔ اللہ ظالموں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتاO

ان چند آیات کی تلاوت سے ایک بات بالکل واضح ہو گئی کہ اللہ کا قانونِ ہدایت و ضلالت' بنیادی طور پر چند اصولوں پر مبنی ہے۔ i. وہ جو حق' سچائی اور اللہ کے قوانینِ فطرت کو درست جان کر بھی اس حق' سچائی اور قوانینِ الٰہی کی سچائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو اللہ کا قانون ان پر اس طرح نافذ ہوتا ہے کہ سچ کو سمجھنے' سننے اور دیکھنے کی اہلیت سے محروم ہوتے جاتے ہیں۔ اس طرح انکے قلوب پر' آنکھوں اور کانوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ ii. دوسرے وہ لوگ جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان پر حق منکشف کیا جاتا ہے اور انھیں راہِ ہدایت مل جاتی ہے۔ صرف رجوعِ مخلصانہ کی ضرورت ہے۔

قصص الانبیاء و اقوامِ کا سبق

یہ اللہ کے قوانینِ عبرت کہے جا سکتے ہیں۔ (آیت نمبر111 یوسف نمبر2) اکثر انبیاء علیہم السلام کے حوالہ سے ان اقوام کا ذکر ہے جنھوں نے اللہ کے فرمودہ قوانین (آیات) کا انکار کیا۔ دلائل کو بلا دلیل جھٹلایا۔ گویا یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ جس طرح پوری کائنات اللہ کے قوانینِ فطرت کے تحت کام کر رہی ہے اسی طرح اسکے قوانین کے مطابق انسانوں اور قوموں کے نیک و بد کام کے بھی اثرات یقیناً مرتب ہوتے ہیں۔ ان اثرات کا مشاہدہ ہم تاریخ سے بہ سہولت کر سکتے ہیں۔

حضرت یونس کی قوم پر انعام و احسان ہوا جو توبہ کا نتیجہ تھا۔ عاد و ثمود' قوم لوط اور فرعون کا ذکر ہوا کہ وہ مسلسل انکار حقیقت سے کس طرح تباہ و برباد ہو گئے۔ نوح کی قوم غرق ہو گئی۔ ان قوانین کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ نے ہمیں اپنے چند قوانین سے بھی

روشناس کرا دیا۔

i. ایک یہ کہ کسی قوم کی حالت جب تک نہیں بدلتی جب تک وہ شعوری طور پر خود کو نہیں بدلتی۔

آیت نمبر 11 الرعد نمبر 13، آیت نمبر 53 الانفال نمبر 8 ۔

ii. انسان کے لئے کچھ بھی حاصل کرنے کے لئے کوشش شرطِ اول ہے۔

وَاَن لَّیْسَ لِلْاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیO آیت نمبر 39 النجم نمبر 53 اور آیت نمبر 69 العنکبوت نمبر 29

iii. ہر قوم میں ہدایت و صداقت کا راستہ بتانے والے پیدا کئے گئے ہیں۔ کسی قوم کو تباہی سے دوچار نہیں کیا جاتا جب تک اس میں کوئی ہادی پیدا ہو کر انھیں صحیح و غلط واضح کر کے نہ بتا دے اور پھر ہدایت قبول نہ کی جائے۔

آیت نمبر 47 یونس نمبر 10 + آیت نمبر 59 القصص نمبر 28 + 36 النحل 16 ۔

iv. جس قوم میں کچھ لوگ ہدایت دینے والے اور امر و نہی کا فریضہ انجام دیتے رہیں اس قوم کو تباہ نہیں کیا جاتا مگر جب نیک لوگ نیکی اپنی ذات تک محدود رکھیں اور امر و نہی ترک کر دیں اور "تواصو بالحق" کرنا چھوڑ دیں تو وہ نیک لوگ بھی گمراہوں میں شمار ہوتے ہیں اور تباہی کا جزو بن جاتے ہیں۔ آیت نمبر 117 + 116 ھود نمبر 11 ۔

اگر قوم میں ایک معقول تعداد امر و نہی میں مصروف ہو تو اللہ کے عذاب سے وہ لوگ من حیثُ القوم بچ جاتے ہیں۔

اس ضمن میں وہ قوانینِ اخلاق جو ہمیں فطرتِ اللہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اللہ نے اپنی کتاب میں تفصیل سے بیان فرما دیئے ہیں۔

معاشرتی بہبود کے قوانین و نظامِ انصاف

اللہ نے انسانی معاشرتی بہبود کے لئے بنیادی قوانین کتاب اللہ میں تعلیم فرما دئے ہیں۔ ہر معاشرہ میں حسبِ حالات ان قوانین کی بنیاد پر بہتر معاشرہ اور فلاحی معاشرہ کی تشکیل

Marfat.com

کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں مجملاً- جو معاملات آتے ہیں وہ گھر کے محدود معاشرہ سے لیکر عالمی انسانی بہبود تک ہیں۔ اعزہ و اقارب سے تعلق' پڑوسی سے رویہ' ضرورت مند اور لاچاروں سے سلوک' مقروض' مسکین' مسافر' قیدیوں' یتیموں' بیواؤں اور معذوروں کے حقوق و معاملت وغیرہ۔ جھوٹ' زنا' خیانت' بد معاملگی ہر حال میں اور ہر فرد' ہر قوم سے بلا تفریق مذہب و ملت ممنوع ہونا۔ کسی بھی کار خیر کے لئے مذہب' قومیت اور رنگ کی قید نہیں۔

معاشرتی بہبود کے ایک بنیادی ستون نظام انصاف کے متعلق ربانی قوانین مثلاً شہادت کو نہ چھپانا' شہادت کے سچ کو بلا تفریق مذہب و ملت سامنے لانا' سفارش کا ممنوع ہونا' ہر حال میں عدل برقرار رکھنا۔ مختصر حوالہ جات اختتام مضمون پر ملاحظہ فرمائیں۔

معاشی بہبود کے قوانین۔

اس ضمن میں اللہ نے کچھ فرائض عائد فرمائے اور کچھ قوانین فطری کے مطابق ترغیباً ذکر فرمایا گیا۔

ہر معاشرہ اور تاریخ کے ہر دور میں خوشحالی اور بدحالی ہمیشہ موجود رہی ہے۔ اسکے کچھ اسباب تو بر بناء فضیلت ہیں اور کچھ معاشی بے انصافی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اللہ نے سب کی صلاحیت یکساں نہیں رکھی۔ جو معاشی طور پر زیادہ باصلاحیت ہے اس پر کم صلاحیت لوگوں کی نگہداشت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ بچہ خود اپنی پرورش نہیں کر سکتا۔ بڑوں پر اسکی ذمہ داری عائد ہے۔ بیمار کی نگہداشت تندرست نے کرنا ہے۔ یتیم کی ذمہ داری اسکے اقرباء کے علاوہ معاشرہ پر ہے۔ وغیرہ۔

یہ بات واضح فرما دی گئی کہ جن لوگوں کو زیادہ دیا گیا ہے وہ صرف انکا اپنا حصہ نہیں بلکہ ان کے رزق میں معاشرہ کے کمزور' لاچار' کم اہل اور ناداروں کا حصہ شامل ہے جسے لوٹا دینا احسان نہیں فرض ہے۔

زکوٰۃ ایک معاشی فریضہ و عبادت ہے۔ لازماً ادا کرنا ہے۔ صدقات و خیرات کی شدید

Marfat.com

اور مسلسل تاکید و ترغیب ہے۔ ساتھ ہی اللہ کی راہ میں خرچ کی انتہا بھی مقرر فرما دی ہے۔ یعنی اپنی ضروریات سے فاضل خرچ کریں۔ خود کو خود کی ضروریات سے محروم نہ کریں۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ○ قُلِ الْعَفْوَ ○

آیت نمبر 219 البقرہ 2۔

ترجمہ:۔ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں۔ کہ دیجئے جو کچھ ضرورت سے زیادہ ہو۔

گویا یہ حکم ہے کہ اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹا کر خود کو معاشرہ پر بوجھ بنا لینا غلط ہے۔ یہ نیکی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اپنی ضروریات سے جو کچھ زائد ہے خرچ کریں۔

قوانینِ (آیات) تزکیۂ نفس

قرآن نے انسان کے لئے عظیم ترین روحانی ارتقا کے راستے بھی تجویز فرما دئے۔ یعنی ایمان اور عمل صالح اور اچھی بات دوسروں تک پہونچانے اور حسنِ عمل میں صبر سے کام لینے کی تلقین تو انسان کو خسارہ (نقصان) سے بچاتی ہے (سورۃ العصر) مگر ارتقاء روحانی کے لئے تزکیہ اختیار کرنا لازمی ہے۔ مکمل فلاح اسکے بغیر ممکن نہیں۔ اس تزکیہ کے لئے بنیادی عبادت نماز ہے۔ ارشاد ملاحظہ ہو:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ آیت نمبر 15، 14 الاعلیٰ

ترجمہ:۔ پس وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ اختیار کیا اور اپنے رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی

اس مذکورہ فلاح اور تزکیہ نفس کے لئے ذریں قوانین تعلیم فرمائے گئے جو کوئلہ کو ہیرا اور پتھر کو نگینہ بنا دیتے ہیں۔ (مثلاً)

1. اللہ کو اپنا واحد رب ماننا اور اس پر ثابت قدم رہنا ○ آیات نمبر 30-32 حم

Marfat.com

السجدہ 41 ۔

ii. جو رزق دیا گیا اس میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرنا اور ظلم کے خلاف مقاومت کرنا O آیت 39 نمبر الشوری 42 ۔

iii. اپنی گواہیوں میں راست باز رہنا O آیت نمبر 34 المعارج نمبر 70 ۔

iv. اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ہو اور نفسانی غلط خواہشات سے بچا رہنا۔ آیت 46' یٰسین 36 ۔

v. تقویٰ (محتاط رویہ) اپنانا۔ راتوں کی عبادت۔ مال میں سائل اور محروم کا حق۔ آیت نمبر 19-15 الذاریت نمبر 51

vi. بھوکے کو کھانا کھلانا اور یتیم اور مسکین کی حاجت براری۔ آیات نمبر 18-11 البلد نمبر 90

vii. جس نے عطا سے کام لیا۔ اخلاق میں محتاط رہا۔ اور سچ کی تصدیق کی۔ آیت نمبر 7-4 اللیل نمبر 92

viii. صرف اپنے رب پر بھروسہ کرنا ہے۔ آیت نمبر 36 الشوری نمبر 42 آیات 220-217 الشعراء آیت نمبر 51 التوبہ نمبر 9 ۔

ix. صبر اختیار کرنا... نیکی سے بدی کو دور کرنا۔ آیات 34-33 آیت نمبر 43-41 الشوری 42 + آیت 17' لقمان 31 وغیرہ۔

x. عفو و درگزر۔ آیت نمبر 40 الشوریٰ 42 ۔

قوانین مادی

قرآن حکیم کی تمام آیات کسی نہ کسی نوعیت کا قانون ہے۔

دراصل توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا ہے کہ اللہ نے اپنے مادی قوانین طبعی کا

Marfat.com

ذکر محض اس لئے نہیں فرما دیا کہ ہم انہیں قرآن میں پڑھ کر یا سن کر سبحان اللہ کہہ کر فارغ ہو جائیں۔ بلکہ ان میں بیشتر قوانینِ طبعی وہ ہیں کہ انسان خود انہیں دریافت کر کے اپنے حیطۂ اقتدار کو اس کائنات میں مستحکم کر سکے۔

جن قوانینِ طبعی کا بار بار اللہ ذکر فرما کر توجہ دلا رہا ہے اسکا بنیادی مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام مادی عوامل اگر اللہ کے قانون کے ہمہ وقت پابند ہیں تو تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ یہی قانونِ خداوندی تمہارے اعمال پر بھی نافذ ہے۔ اسکی اطاعت کا اجر اور انحراف کا نقصان بھی یقینی ہے۔ ان اخلاقی قوانین پر عمل اور ان سے انحراف کے نتائج مرتب ہو رہے ہیں۔ اور یہ نفع و نقصان گو زندگی میں بھی مرتب ہو رہے ہیں مگر اصل حساب روزِ قیامت ہونا ہے۔ لہٰذا قیامت ایک یقینی امر ہے۔ اس پر یقین کرنا لازم ہے۔ پھر جس طرح وہ مردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے۔ ہر چیز کی عدم سے وجود میں لانے پر قدرت رکھتا ہے تمہیں دوبارہ حیاتِ جسمانی دینا تو اس کے لئے بہت معمولی بات ہے۔

جس طرح یہ زمین و آسمان، رات اور دن، چاند اور سورج، ہوا بادل بارش، اجرام سماوی کا دائرہ میں تیرنا، باغات، نباتات، چرند، پرند، پہاڑ اور سمندر، غرضیکہ سب کچھ الٰہی قانونِ فطرت کے مطابق ہو رہا ہے تو تمہاری بعد الموت زندگی اور نیک و بد اعمال، عذاب و ثواب وغیرہ اسکے قانون کے مطابق کیوں نہیں ہو گا۔ توجہ کرتے رہو تو جواب بالکل واضح ہے۔

قوانینِ فطرت اور خلق کائنات میں غور و فکر کی مسلسل دعوت دی جا رہی ہے۔

ارشاداتِ ربانی ہیں کہ

اَلَّذِینَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ O آیت 191 آل عمران 3

ترجمہ: وہ لوگ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے اور زمین و آسمان کی تخلیق پر غور کرتے ہیں۔

سورۃ الملک میں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ آسمانوں پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ اسکی تخلیق میں کوئی نقص نظر آتا ہے۔ کوئی دراڑ یا رخنہ نہیں ہے۔ بار بار دعوت دے رہا ہے اور دعوی ہے کہ ایسا کوئی نقص تلاش نہیں کر سکتے۔ آیات نمبر 3، 4 الملک نمبر 67۔

Marfat.com

اَلَّذِی خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِی خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ ط فَارجِعِ البَصَرَ لا ھَل تَرٰی مِن فُطُورٍO ثُمّ ارجِعِ البَصَرَ کَرَّتَینِ یَنقَلِب اِلَیکَ البَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیرٌO

ترجمہ:۔ (اللہ) وہ ہے جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے ہیں۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کیا تمہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ بار بار دیکھو تمہاری نگاہ ناکام پلٹ آئیگی۔"

اللہ کا یہ دعویٰ سرسری نظر کیلئے نہیں بلکہ تحقیقی نظر کے لئے ہے۔ ایک ہی ماہر فلکیات نہیں بلکہ تمام ماہرین پورے وسائل اور علمی تحقیق سے بھی اللہ کی تخلیق میں نقص تلاش نہیں کر سکتے۔

مقصد اس گزارش کا یہ ہے کہ قرآن حکیم طبعی عوامل و قوانین فطرت کے گہری نظر سے مشاہدہ اور مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ اس نے جہاں بھی ان قوانین کا حوالہ دیا ہے وہ قیامت تک انسانوں کے لئے اور علمی عروج کی ہر منزل کے لئے ہے۔ مزید ملاحظہ کریں۔

آیات نمبر17-21 سورۃ الغاشیہ نمبر88 -

اَفَلَا یَنظُرُونَ اِلَی الاِبِلِ کَیفَ خُلِقَتO وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیفَ رُفِعَتO وَ اِلَی الجِبَالِ کَیفَ نُصِبَتO وَ اِلَی الاَرضِ کَیفَ سُطِحَتO

ترجمہ:۔ کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کیسے گاڑے گئے ہیں۔ اور زمین کو نہیں دیکھتے کیسے مسطح کیا گیا ہے۔

عرب کی زندگی کے یہ عام مناظر مخاطبین اول کی سہولت کے لئے بیان فرمائے۔ مگر یہ دعوت فکر تمام ذی شعور اور ذی علم لوگوں کے لئے قیامت تک جاری ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ان مذکورہ مخلوقات پر غور و فکر صرف سطحی طور پر دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ ان امور پر جن اقوام نے غور کیا انھوں نے سیکڑوں کتابیں آسمان کی بلندی اور زمین کے مسطح ہونے کی کیفیات پر لکھیں اور لکھ رہے ہیں۔ اسی طرح دیگر موجودات کائنات پر غور و فکر جاری ہے۔ یہی منشاء ربی بھی ہے۔ اسی تفکر اور تعقل کے نتیجہ میں انسان جب حقیقت تک پہونچ جائے گا تو حیران ہو گا کہ قرآنی انکشافات بالکل مبنی بر حقیقت ہیں۔ اور

Marfat.com

اس طرح قرآن حکیم کے اللہ کے نازل کردہ کلام ہونے کا دنیا کو یقین آ جائے گا۔ بشرطیکہ سبق سیکھنے کی توفیق ہو۔

اللہ دعویٰ فرماتا ہے:۔

آیت نمبر 53 سورہ حم السجدہ نمبر 41 (53/41)

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ○

ترجمہ:۔ عنقریب ہم انکو اپنی آیات (قوانین فطرت) کا مشاہدہ آفاق میں اور انکے اپنے نفوس میں کرا دیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ (قرآن) برحق ہے (یعنی اللہ کا ہی نازل فرمودہ ہے)

آفاق اور نفوس انسانی کے قوانین کا علم اور انکا مشاہدہ قرآن مجید کا منزّل منجانب اللہ ہونا ثابت کرتا ہے۔ وہ انکشافات جو قرآن نے قوانین فطرت کے بارہ میں کئے ان قوانین کا نزول قرآن کے وقت نسل انسانی کو علم نہیں تھا۔ بلکہ اقوام عالم تک قرآن کے مکمل طور پر پہونچ جانے کے بعد بھی ہزار سال تک سائنس کا وہ دور شروع نہیں ہوا جو قرآنی انکشافات کی تصدیق کی ابتداء کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس شبہ کی گنجائش قطعاً نہیں رہتی کہ زمانہ قریب میں سائنسی انکشافات کا کسی مادی وجہ سے رسول کریم کو ادراک ہو گیا ہو۔ یہ بات کہ انسانی تحقیق سے ثابت شدہ حقائق قرآنی انکشافات کے عین مطابق ہیں قرآن کے کلام اللہ ہونے کی ایک عقلی دلیل ہے۔

یوں تو لفظ آیت قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر استعمال فرمایا گیا ہے۔ کہیں کہیں مفہوم بھی مختلف ہیں مگر بیشتر مقامات پر یہ لفظ عوامل فطرت کے حوالہ سے قانون الٰہی کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ان معنی میں کہ قوانین قدرت کو آیت فرمایا گیا بہت سی آیات متفرق سورتوں میں موجود ہیں۔ تین سورتوں میں ان عوامل فطرت کے حوالہ سے لفظ آیت زیادہ تکرار اور وسعت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ وہ سورتیں ہیں... سورۃ الرعد نمبر 13، سورۃ النور نمبر 24 اور سورۃ الروم نمبر 30۔

ان سورتوں میں جہاں یہ مضمون مفصل ہے انکا ترجمہ پیش کر رہا ہوں طوالت سے بچنے کے لئے متن نقل نہیں کیا۔ متن کے لئے قرآن حکیم تلاوت فرمائیں۔

آیت نمبر 1 تا 4 سورہ الرعد نمبر 13

Marfat.com

ترجمہ:۔ "ال م ر ۔ یہ آیات ہیں کتاب (قرآن) کی جو کہ آپکے رب کی طرف سے آپ پر حق کے مطابق نازل کی گئی ہیں۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر نظر آنے والے ستونوں کے بلند کیا پھر عرش پر قائم ہوا اور سورج اور چاند کو (قوت کشش سے) مسخر کیا۔ ہر ایک مقرر مدت تک یا مقرر وقت کے مطابق چلتا ہے۔ ان امور کی تدبیر وہی (اللہ) کرتا ہے اور تفصیل سے اپنے قوانین بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی طرف لوٹ جانے پر یقین کر لو۔ اور وہی تو ہے جو زمین کو پھیلاتا ہے اور زمین میں اسی نے پہاڑ اور نہریں پیدا کی ہیں۔ اور تمام پھلوں کی دو اقسام (یعنی نر و مادہ) پیدا کئے اور وہ شب کی تاریکی سے دن کو چھپا دیتا ہے (رات دن کا آنا جانا) ان میں اہل فکر کے لئے آیات (قوانین طبعی) کار فرما ہیں۔ اور زمین کے ایک ہی قطعہ میں قریب ہی قریب انگور کے باغ بھی ہیں اور کھیتیاں بھی اور کھجور کے باغ بھی ہیں اور ان میں بعض اکہرے اور بعض دوہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر ہم مزے میں کسی کو بہتر کسی کو کمتر بنا دیتے ہیں۔ ان میں بہت سی آیات (قوانین طبعی) ہیں ان کے لئے جو عقل استعمال کرتے ہیں۔"

اس ضمن کا دوسرا مفصل مضمون سورۃ النور میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیات نمبر 43 تا 46 سورہ نور نمبر 24

ترجمہ:۔ "کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ متفرق بادلوں کو چلاتا پھر ملا دیتا ہے۔ پھر سمیٹ کر کثیف بادل تہ بہ تہ بنا دیتا ہے۔ پھر اسکے خول میں سے بارش برستی ہے پھر آسمان بلند پہاڑوں سے اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے نقصان پہونچاتا اور جسے چاہتا ہے بچا لیتا ہے۔ اسکی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کئے دیتی ہے۔ رات اور دن کا آنا جانا اللہ ہی کر رہا ہے۔ ان میں اہل بصیرت کے لئے سبق آموز علم ہے۔

اللہ نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں پیٹ کے بل رینگنے والے ہیں، ان میں دو پاؤں پر چلنے والے ہیں اور ان میں چار پیروں پر چلنے والے بھی ہیں۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس ہم نے واضح آیات (قوانین فطرت) نازل فرما دی ہیں۔ ہدایت اللہ ہی جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔"

اب دیگر مفصل مضمون اس نوعیت کا سورۃ الروم30 میں ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

آیات نمبر20 تا25 سورہ الروم نمبر30

ترجمہ:۔ "اسکی آیات (قوانین فطرت) مین ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر کچھ وقفہ کے بعد تم بشر بن کر زمین پر پھیلتے چلے جا رہے ہو۔ اور اسکی آیات (قوانین طبعی) میں سے یہ (امر بھی) ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کی تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کردی۔ ان (امور) میں بہت سی آیات (قوانین فطرت) کار فرما ہیں۔ اہل فکر کے لئے۔"

"اور اسکی آیات (قوانین طبعی) میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہارے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف ہے اس میں ہر ذی شعور انسان کے لئے آیات (قوانین فطری) موجود ہیں۔"

اور آیات (قوانین طبعی) ہیں تمہارا رات اور دن میں سونا اور تلاش رزق کرنا۔ اس میں غور سے سننے والوں کے لئے آیات (قوانین الہٰی) کار فرما ہیں۔ اور وہ تمہیں بجلی کی چمک خوف اور طمع کے ساتھ دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور اسکے ذریعہ زمین کو اسکی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ عقل سے کام لینے والوں کے لئے اسمیں آیات (طبعی قوانین) کار فرما ہیں۔

"اور اسکے قوانین طبعی (آیات) میں زمین و آسمان کا قائم رہنا ہے۔ پھر جوں ہی اس نے زمین سے تمہیں پکارا تم نکل پڑو گے۔"

آیت نمبر46 سورہ الروم نمبر30

ترجمہ:۔ "اسکی آیات (قوانین فطرت) ہیں کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے بشارت کے لئے اور اپنی رحمت کا مزہ چکھانے کے لئے اور اسی طرح کشتیاں اسکے امر (قانون) سے چلتی ہیں۔"

قرآن حکیم میں بے شمار جگہ قوانین طبعی کو آیات الہٰی فرمایا گیا۔ چند مزید حوالہ جات عرض ہیں چاہیں تو خود تلاوت مع ترجمہ کرلیں۔ البتہ "نشانی" کے بجائے ترجمہ میں قوانین ات و قوانین طبعی سمجھ لیں تو صحیح بات سمجھ میں آجائیگی۔

آیت نمبر164 البقرہ 2، آیت 7، 8 الشعراء 26، آیت 190 آل عمران 3 + آیت نعام 6 + آیت 54 طٰہٰ 20 + آیات 16 تا 24 الانبیاء 21 آیت 33 و 37 یٰسین 36

Marfat.com

+ آیات 10 تا 13 النحل 16 وغیرہ

سورہ انبیاء میں آیت نمبر 16 سے 24 تک اللہ بہت سے قوانینِ فطرت کا ذکر فرماتا ہے جس میں آسمان و زمین کی باضابطہ پیدائش وحدت، اعمال خیر و بد کا منطقی نتیجہ بیان فرماتا ہے۔

پھر مادی دنیا کا ذکر کرتا ہے کہ کیا یہ منکرین دیکھتے نہیں کہ زمین و آسمان سب ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انکو جدا کیا (پھاڑ دیا) اور ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ زمین میں پہاڑ جمائے تاکہ انھیں لیکر یہ ڈھلک نہ جائے۔ اس میں کشادہ راہیں بنائیں تاکہ راستہ پالیں۔ آسمان کو مضبوط چھت (Ozone) بنایا۔ پھر بھی ہماری آیات یا قوانین فطرت سے بے پرواہ ہیں۔ دن اور رات بنائے اور سورج اور چاند بنائے اور آسمان میں ہر چیز دائرہ میں گھوم رہی ہے۔ یہاں یہ ارشاد ہے۔

وَ هُمْ عَنْ آيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ○ (اور وہ قوانینِ فطرت (آیات) پر توجہ بھی نہیں کرتے) نہایت واضح اشارہ ہے کہ آیات سے مطلب قوانین فطرت ہیں۔

سورہ یٰسین میں جگہ جگہ اپنے مادی اور فطری قوانین کا تذکرہ فرماتا ہے۔

آیت نمبر 33 میں ہے کہ انکے لئے آیت (قانونِ خداوندی) زمین کے مردہ ہونے کے بعد جی اٹھنے میں اور غذا کا پیدا ہونا ہے۔ کھجور، انگور کے باغ، چشمے بہ نکلنا ہے۔ یہ سب قانونِ خداوندی سے ہو رہا ہے۔ سبحان ہے وہ ذات جس نے نباتات میں اور خود انسانوں میں اور دیگر نامعلوم مخلوقات میں نر و مادہ بنائے۔

آیت نمبر 37 میں ارشاد ہے کہ انکے لئے ایک آیت (قانونِ خداوندی) دن کے بعد رات کا آنا ہے۔ سورج کا اپنی جائے قرار (Solar Apex) کی طرف چلتے جانا ہے۔ یہ عزیز و حکیم کی مقرر کی ہوئی تقدیر ہے۔ پھر چاند کا منازل کے اعتبار سے گھٹنا بڑھنا۔ ہر چیز کا قانون قدرت کے مطابق ہوتے رہنا۔

آیت نمبر 41 میں فرماتا ہے کشتیوں پر سواری بھی اسی کے طبعی قانون کی وجہ سے ہو رہی ہے۔۔۔ مگر یہ آیات (قوانینِ الٰہی) کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔

Marfat.com

اعتذار

یہ سب کچھ جو عرض کیا چند اعترافات کا متقاضی ہے۔

I۔ مضمون اتنی وسعت کا حامل ہے کہ مجھ سا قلیل العلم اور قصیر الذہن آدمی اس کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا نہ میں کر سکا ہوں۔

II۔ مضمون جس نظم و ضبط اور ترتیب کا ہونا چاہئے تھا نہیں ہو سکا۔ شیش محل میں موجود ایک دیہاتی کی طرح حیران و پریشان ہی رہا۔ شاید کہ کسی ذی علم کو توفیق ہو اور اس موضوع کا بہتر حق ادا کر سکے۔

III۔ کہیں کہیں کچھ مضمون بار بار دہرایا گیا ہے۔ مگر اس میں قطع و برید میں نہیں کر سکا۔ صرف معذرت کر سکتا ہوں۔

آخری التماس

یہ التماس ان سب حضرات سے ہے جو قرآنِ حکیم کے کلامِ الٰہی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ سائنس کو قرآن کے لئے کبھی اجنبی نہ سمجھیں۔ مزید تحقیقات کے لئے قرآنِ حکیم کے انکشافات پر غور کرتے رہیں۔۔ ان سے راہنمائی حاصل کریں۔ انسان کے علمی ذخیرہ میں اضافہ کا سبب بنیں۔ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تکمیل میں اپنا حصہ حاصل کریں جس میں ارشاد فرمایا :-

سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ○

ترجمہ : عنقریب ہم ان کو اپنے قوانین (آیات) کا مشاہدہ آفاق میں اور ان کے اپنے نفوس میں کرادیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر یہ ثابت ہو جائے گا کہ قرآن حق (اللہ کا نازل کردہ) ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

Marfat.com

تقویٰ ــــــ مفہوم

تقویٰ کا لفظ قرآنِ حکیم میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا مفہوم جان لینا بہت ضروری ہے۔ مکمل تحقیق پیش کرنا فی الحال ممکن نہیں۔ مگر جو خلاصہ پیش کر رہا ہوں وہ ہماری عملی زندگی کے لئے بنیادی اہمیت کی وضاحت کے لئے انشاءاللہ کافی ہو گا۔

ہمارے معاشرہ میں تقویٰ اور پرہیز گاری کا مفہوم اس قدر مبالغہ آمیز ہے کہ ہم کسی عام آدمی کا متقی یا پرہیز گار ہونا ذہنی طور پر تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ ان صفات کے لئے غلو کی حد تک عابد و زاہد، تارک الدنیا، تہجد گزار اور نفلی عبادات میں ہمہ تن و ہمہ وقت مصروف شخصیت کا تصور ذہن میں ابھر تا ہے۔ یہ تصور ہی سرے سے بے بنیاد ہے۔ لہٰذا اس کے مفہوم کا کسی حد تک واضح ہونا نہایت ضروری ہے۔

یہ وضاحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ قرآنِ حکیم کی مختلف آیات سے واضح ہے کہ ایمان و اعمال صالحہ کی بنیاد ہی تقویٰ ہے۔ جسکی دعوت انبیاء علیہم السلام اقوامِ عالم کو مسلسل دیتے رہے ہیں اور اہلِ ایمان کو اس کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ دراصل سر چشمہ ہدایت اور صالح اعمال میں ثابت قدمی کے لئے تقویٰ ہی بنیاد ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (اللہ کا تقویٰ اپناؤ جیسے کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے)۔ اس سے تقویٰ کی اہمیت اور اس کے مفہوم کی وضاحت کی ضرورت بالکل عیاں ہے۔

تقریباً تمام تراجم و تفاسیر میں تقویٰ کا مطلب اللہ کا خوف اور ڈر لکھا جاتا اور سمجھا جاتا ہے اور ایک لمبی اور حتی الوسع تحقیق نے اس ترجمہ کی تائید ہی کی ہے۔ اس سے بہتر اور جامع ترجمہ اس لفظ کا شاید ممکن ہی نہیں۔ مگر چونکہ تقویٰ انسان کو ہمہ وقت اختیار کرنا ہے لہٰذا اس کا مقصد ہمہ وقت لرزاں ترساں اور روتے رہنے کا نام نہیں ہو سکتا گو ایسے لمحات بھی کبھی کبھی ضرور آنے چاہئیں جب ہم اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر ندامت کے آنسو بہائیں۔ اور خوفِ خدا سے کانپ جائیں۔ اور گڑگڑا کر اس سے مغفرت اور رحم کی طلب کریں۔ لیکن قرآنِ حکیم نے اس شدت کے لئے خشیت کا لفظ استعمال فرمایا

Marfat.com

ہے۔ تقویٰ احتیاط کا نام ہے کہ بے پرواہی اور غفلت کی وجہ سے کوئی بڑا گناہ سرزد نہ ہو جائے۔

یہاں جس مفہوم کی وضاحت کرنا مقصود ہے وہ تقویٰ ہے جو ایک عام زندگی گذارنے کے دوران ہمہ وقت پیش نظر رکھا جا سکے اور اس کے نتیجہ میں ہم ایک خوش و خرم اور مطمئن کاروباری، خانہ داری اور سفر و حضر میں زندگی گزار سکیں۔

اس مذکورہ بالا عملی مفہوم کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے سورۃ الیل میں جو فرمائی ہے وہ کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔

سورۃ الیل نمبر 92 کی آیات نمبر 5 تا 9 تلاوت فرمائیں:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰىo وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىo

ترجمہ: جس نے نیک راہ میں خرچ کیا اور (گناہوں کے بارہ) محتاط رہا اور اچھائی کو اچھا جانا اس کے لئے ہم سہولتیں وافر کر دیں گے۔ اور وہ جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے نیازی اختیار کی اور اچھائی کو برا جانا اس کے لئے تنگی میں اضافہ کر دیں گے۔

ان آیات میں تقویٰ کا متضاد لفظ استغنا استعمال ہوا۔ استغنٰی کا مطلب بے پرواہی یا بے نیازی ہوتا ہے۔ اس لئے تقویٰ کا مطلب محتاط رہنا ہوا۔ گویا اللہ کے واضح احکام امر و نہی کی پابندی کا خیال رکھنا اور لاپرواہی سے انہیں نظر انداز کرنے پر سزا کا خوف ذہن میں رہنا تقویٰ ہے۔ اس کیفیت کا ادراک ایک مثال سے کیا جا سکتا ہے۔

ہم جب موٹر سائیکل، کار یا کوئی بھی سواری چلا رہے ہوتے ہیں تو ٹریفک کے قوانین کی پابندی ہمارے ذہن میں ہوتی ہے۔ ہم اپنے ہاتھ پر چلتے ہیں، مقررہ رفتار سے نہ تیز رکھتے ہیں نہ کم، اگلی سواری سے مناسب فاصلہ رکھتے ہیں۔ ٹریفک سگنل کی پابندی کرتے ہیں۔ یہ سب اس لئے کہ خلاف ورزی کی صورت میں چالان یا حادثہ کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ مگر یہ خوف پابندی کرنے اور خلاف ورزی سے بچنے کی حد تک ہوتا ہے۔ لرزاں اور ترساں نہیں کرتا۔ بس اللہ کو ہماری یہ احتیاط ہی پسند ہے۔ کسی مجبوری سے خلاف ورزی بھی ممکن ہے۔ مگر بے پرواہی سے نہ ہو۔ اگر خوف کی شدت ہو گی تو ہم ڈرائیو ہی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر خوف کی زیادتی ہو گی تو ہم کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔ ہر قدم پر یہ خوف

Marfat.com

کہ اللہ اس بات سے ناراض نہ ہو جائے، ہم سے غلطی نہ ہو جائے وغیرہ۔ ہماری اس نفسیاتی کمزوری کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہوا :-

" اگر تم ان بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جارہا ہے تو تمہاری دوسری برائیوں (گناہوں) کو تم سے ساقط کردیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے"۔

ترجمہ آیت نمبر 31 النساء نمبر 4

لہٰذا ہمہ وقت یہ خیال رکھنا کہ اللہ کے دوٹوک احکام پر عمل جیسے سچ بولنا، نماز پڑھنا، یتیم سے نرم برتاؤ کرنا، وعدہ کا ایفا کرنا، سائل کو نہ جھڑکنا، زنا، چوری، غصبِ مال، بددیانتی وغیرہ سے بچتے رہنا اور تمام اعمال میں محتاط رہنا تقویٰ ہے۔ مجبوری یا بھول چوک کے لئے ندامت اور طلبِ استغفار، تقویٰ ہے۔ پس یہ احتیاط مجھے اور آپ کو بھی متقی بنادے گی۔

اس ضمن میں ایک انتہائی اہم حکم اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ غلو اور زیادتی اللہ کو عبادت میں بھی پسند نہیں۔ اللہ کی پسند اعتدال ہے۔ ہر میدان اور جہت میں اعتدال زندگی کا حسن ہے۔ انتہا پسندی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو امتِ وسطیٰ قرار دیا ہے کہ اس امت کو دنیا اور آخرت کے ہر معاملہ میں اعتدال کی ہدایت دی گئی اور راہ دکھادی گئی۔

سورۃ مائدۃ نمبر 5 کی آیت نمبر 8 میں ارشاد ہوا :ترجمہ: عدل (انصاف و اعتدال) کرو یہ تقویٰ کے لئے قریب تر راستہ ہے۔

رسولِ کریم ﷺ کو رات کے صرف ایک تہائی حصہ تک عبادت کی اجازت دی گئی۔ سورۃ انشراح میں آپؐ کو حکم ہوا " فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ " (پس جب آپؐ فرائضِ منصبی سے فارغ ہو جائیں تو اللہ کی طرف رغبت و رجوع کرلیا کریں) ہمہ وقت نفلی عبادت نہیں کرنا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان کے ساتھ ہمہ وقت کبیرہ (بڑے) گناہوں سے بچتے رہنا اور عملاً اور قولاً اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے گریز کرتے ہوئے اپنی زندگی کے فرائض و تفریحات میں مشغول زندگی ہی تقویٰ کی زندگی ہے اور ہر مسلمان کے لئے بسہولت ممکن ہے۔ یہ مفہوم ذہن میں رکھ کر قرآن کی تلاوت کریں انشاء اللہ تعالیٰ اس مفہوم کی ہر جگہ تائید ملے گی۔

لہٰذا جس تقوے کا مفہوم پیش کیا گیا ہے اسے چوبیس گھنٹہ زندگی میں اپنائے۔ انشاء اللہ ایک شائستہ اور خوش و خرم زندگی اس دنیا میں اور بعد الموت بھی آپ کا استقبال کرے گی۔

Marfat.com

تسبیح

تسبیح یا اس کے مادہ سے ماخوذ دیگر کئی الفاظ قرآنِ حکیم میں بہت جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ اس لفظ کے مفہوم کو سمجھنا قرآن فہمی کے لئے چند بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ اس کے مفہوم کو معلوم کرنے کی اختصار سے کوشش کرتے ہیں۔

سبحان ــــ یہ اللہ کی صفات میں ایک صفت ہے۔ اس کا مفہوم ہے کہ "ہر سقم سے پاک غالب قوت"۔ یہ صفت اکثر اس مفہوم میں بیان ہوئی جہاں ذہنِ انسانی اللہ کے کسی کام کو اسباب کے پیشِ نظر ناممکن یا ناقابلِ یقین محسوس کرے یا اس کام کی معقولیت سمجھنے سے قاصر ہو۔ وہاں اللہ یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ ذات سبحان ہے۔ اس کے کسی کام میں نہ تو نقص یا سقم ہے نہ ہی اس کی قدرتِ کاملہ اور غالبہ میں کوئی عجز یا مجبوری حائل ہو سکتی ہے۔ اس کا ہر کام بے عیب اور ممکن العمل ہے۔ اس کی چند مثالیں وضاحت کے لئے کافی ہونگی۔

عرفِ عام میں واقعۂ معراج میں رسولِ کریم ﷺ کو جسدی / جسمانی طور پر مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے جانے کے ذکر سے پہلے سورہ بنی اسرائیل میں یہی صفت بیان ہوئی کہ جو واقعہ بیان کیا جارہا ہے گو اس زمانہ کے اسباب کے اعتبار سے ممکن نہ تھا مگر جو ذات اس بندہ کو راتوں رات اس طویل سفر پر لے گئی وہ سبحان ہے۔

اسی طرح آیت نمبر 36 یٰس میں زمین سے پیدا ہونے والے ہر پودہ و شجر کو نر و مادہ (ازواج) کے طور پر پیدا کیا گیا۔ اس ارشاد سے پہلے "سبحان" کا لفظ آیا۔ یعنی بظاہر نباتات میں نر و مادہ جنس کا ہونا ممکن نظر نہیں آتا مگر جس ذات نے ایسا کیا وہ حکمت اور قوت میں عظیم ترین ہے۔ اسی طرح اس صفت کا ذکر ہر اس جگہ فرمایا گیا جہاں حکمت و قوتِ غالبہ کا یقین ہے یا ہونا ضروری ہے۔ ہر خلقی حکمت و قوت کا اظہار لفظ یا اس کے ماخوذات سے کیا گیا۔

تسبیح ــــ لفظ سے ایک تو اللہ کی حکمت و قوت کا اعتراف ہوتا ہے دوسرے اس کے معنی کسی چیز کے گول یا اس سے مشابہ کسی دائرہ میں چلنا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ o (سب فلک میں تیر رہے ہیں) آیت نمبر 33 انبیاء نمبر 21 اور آیت

Marfat.com

نمبر 21 یٰس نمبر 36۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض (اللہ کی تسبیح (گھوم رہی) کر رہی رہے ہر چیز جو زمین یا آسمان میں ہے) آیت نمبر 1 الجمعہ نمبر 62۔

دیگر چند آیات اسی مضمون کی تلاوت کیجئے۔ آیت نمبر 1 الحدید نمبر 57 + آیت نمبر 1 الحشر نمبر 59 + آیت نمبر 1 التغابن نمبر 64 + آیت نمبر 75 الزمر نمبر 39 وغیرہ۔ ان آیات کی بہت لمبی فہرست ہے جن کا جمع کرنا مشکل ہے۔ مقصد یہاں اس لفظ کے مفہوم کا بیان ہے تاکہ جہاں یہ لفظ آپ پڑھیں اس کا مفہوم ذہن میں آجائے۔

1۔ اللہ نے قرآنِ حکیم میں زمین، آسمان اور عرش کے فرشتوں تک کی تسبیح کا ذکر فرمایا ہے۔ سائنس نے ہمیں یہ معلومات فراہم کی ہیں کہ ایٹم میں الیکٹرون، پروٹون سے لے کر زمین، تمام سیارے، چاند، سورج اور ستارے گردش کر رہے ہیں۔ اس گردش کی بعض حکمتیں ہمارے علم میں ہیں اور واضح ہیں۔ جیسے دن اور رات کا ہونا اور موسموں کا تغیر وغیرہ، لیکن خود سورج کے اپنے محور پر گردش اور سورج کی اپنی گلیکسی میں گردش میں بھی حکمتیں مضمر ہونگی جنکا ہمیں علم نہیں۔ لہٰذا ان آیات سے لفظِ تسبیح کی دونوں حقیقتوں کا ادراک ہوتا ہے کہ ان تمام اجرامِ ارض و سمٰوٰاتی کی گردش اللہ کے بے عیب نظام اور اس کی غالب قوت کا مظہر ہے۔

2۔ دوسرے یہ اکہ اللہ نے ارشاد فرمایا:-

I۔ وَلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا (آسمانوں اور زمین کی ہر چیز چاروناچار اللہ کی تابع فرمان ہے) آیت نمبر 83 عمران نمبر 3۔

II۔ وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضْ طَوْعاً وَّ کَرْھاً (اللہ کو سجدہ کرتی ہے زمین و آسمان کی ہر چیز جبر سے یا رضا سے) آیت نمبر 15 رعد نمبر 13۔

آیت نمبر 11 حم السجدہ نمبر 41 میں ارشاد ہوا کہ زمین آسمان نے اطاعت سے اللہ کے قوانین کی پابندی کا عہد کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب کائنات نے خوشی اللہ کے قوانین کی پابندی اپنائی تو پھر اللہ مذکورہ بالا آیات I + II میں طاعت یا جبر کی بات کیوں فرما رہا ہے۔ جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ عرض ہے۔

اللہ کی کائنات یا زمین و آسمانوں میں ایک تو اس کا قانونِ مادی کار فرما ہے دوسرے باشعور

Marfat.com

وبااختیار مخلوقات کے لئے قانونِ اخلاقی جاری ہے۔

جہاں تک اللہ کے مادی قوانین کا تعلق ہے اس پر زمین و آسمان کی ہر شے خود بخود عمل پیرا ہے۔ گویا اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ زمین، سیارے، چاند، ستارے، شجر و حجر، جاندار جانور یا انسان سب اس قانونِ طبعی کی پابندی کر رہے ہیں۔ سب اپنی متعین راہ اور مقرر انجام کی سمت رواں دواں ہیں ۔بچہ بڑا ہونے پر اور بڑا بوڑھا ہونے پر مجبور ہے۔ اور فنا کا قانون سب پر لاگو ہے۔

ان قوانینِ طبعی کی اطاعت بے شعور مخلوقات جن میں جاندار مخلوقات 'بشمول انسان و جنات وغیر ہیں ان قوانینِ طبعی کی جبر و اکراہ سے پابند ہیں۔ کوئی انسان، جن یا جانور خوشی بوڑھا ہونا یا مرنا پسند نہیں کرتا مگر اسے بہ جبر و اکراہ انہیں قبول کرنا پڑتا ہے۔ مذکورہ بالا ارشادات ان پر صادق آتے ہیں کہ ان لازمی قوانینِ طبعی کو چار و ناچار سب کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ جاندار مخلوقات زمین کے علاوہ بھی موجود ہیں۔

3۔ اب آخر میں وہ قوانینِ فطرت جو ہمارے اختیار و عمل سے تعلق رکھتے ہیں وہ قوانین ہمیں اس فطرت سے ہم آہنگ رکھتے ہیں جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور وہی دینِ قیم ہے (آیت نمبر 30 الروم نمبر 30)۔

اس فطرت سے ہم آہنگی کے لئے زندگی کے طریقے خود پیدا کرنے والی ذاتِ باری تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا۔ اس لئے ان تمام اختیارات کے درست استعمال کے لئے اس نے ہمیں انبیاء کے ذریعہ ہدایات دیں ہیں اور رسولِ کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نازل قرآنِ حکیم میں ایسی تمام ہدایات کی تکمیل فرما کر اپنی نعمت ہم پر بصورتِ اسلام تمام کر دی۔

زبانی اقرار ــــ انسانی اختیارات کے درست اور فطری استعمال کے لئے احکام ربانی کو زبانی طور پر تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا ہماری تسبیح ہے۔ زبانی اور ایمانی طور پر تسلیم کرنے کے لئے بہت جگہ ارشادات ہیں۔ جیسے :-

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (اپنے عظیم رب کی سبحانیت تسلیم کرو) آیات نمبر 73 نمبر 96 + آیت نمبر 52 الحاقہ نمبر 69۔

اس حکم کی اطاعت میں رسولِ کریم ﷺ نے بحالتِ رکوع " سبحان ربی العظیم " تعلیم

Marfat.com

فرمایا۔ اور قرآنی حکم "سبح السم ربك الاعلی" (آیت نمبر 1 الاعلی نمبر 87) کی تعمیل بحالت سجدہ "سبحان ربی الاعلی" کہلوا کر کرائی۔ زبانی اقرار ہم اس یقین کے ساتھ کرتے ہیں کہ ہمارے پیدا کرنے والے کی حکمت بلا نقص ہے اور ہر قوت پر اللہ کی قوت غالب ہے۔ اسکے احکام میں کوئی سقم اور خامی نہیں اور انکی تعمیل ہی میں فلاح ہے۔ عدم تعمیل پر ہم اسکی قوتِ غالبہ سے اور سزا سے بچ ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا ایمان اور اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ہر سقم سے پاک اور غالب قوت ہے۔

عملی اقرار ــ اس زبانی اقرار کے بعد عملی اقرار کا مرحلہ شروع ہوتا ہے جس میں ہم سچ بولنے، کم ناپ تول نہ کرنے، بد دیانتی نہ کرتے، وعدہ ایفا کرنے اور دیانت کی زندگی اختیار کرنے کی کوشش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ذاتِ سبحان کے احکام ہیں۔ ان پر عمل میں بے حساب اجر و فلاح ہے۔ اور انحراف میں عذاب سے مفر نہیں۔

مگر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ ہمیں صبح سے شام تک ہر کام میں، ہر میدان اور ہر کاوش میں اس کی تسبیح کرتے رہنا ہے۔ ان کے بارہ میں خدائی قوانینِ فطرت پر غور کرنا ہے۔ جس حد تک ہماری عقل اور علم کی رسائی ہے تخلیق و مخلوقات پر غور کر کے اللہ کے بے سقم قوانینِ فطرت کا ادراک کرتے رہنا ہے۔ اس کی تائید کے لئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ملاحظہ فرمایئے :-

سورۃ آل عمران نمبر 3 کی آیت نمبر 191+190 کا ترجمہ ملاحظہ کریں :

" زمین و آسمان کی پیدائش اور رات، دن کے آنے جانے میں ان اہلِ فکر ہوشمند لوگوں کے لئے بہت سے قوانینِ فطرت (آیات) کار فرما ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے ہر حال میں خدا (اللہ کی ضاعی) کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیقات میں غور و فکر کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بلا کسی قانونِ طبعی (باطل طور پر) تو پیدا نہیں کر دیا ہوگا۔ تو تو ذاتِ سبحان ہے (تیری ضاعی بے سقم ہے) ہمیں عذابِ جہنم سے بچا لے۔

ان آیات میں اللہ کی تخلیقات پر غور کرنے اور انکے الل ٹپ (abrupt) نہ ہونے پر یقین رکھنے کی عظمت کا ذکر فریا گیا۔ یہ کاوشِ غور و فکر اور وہ یقین اللہ کے بنائے ہوئے قوانینِ فطرت کی دریافت کے لے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہ عظمتِ انسانی ہے، تقاضائے خلافتِ رب ہے۔ کائنات کا خالق اللہ ہے اور تخلیق کسی نہ کسی قانونِ فطرت کی پابند ہے۔ ان قوانینِ فطرت کی دریافت انسانی شرف

Marfat.com

خلافت ہے۔

خلاصہ

اب ایک نظر میں سمجھ لینے کے لئے خلاصہ کر لیتے ہیں۔

1۔ اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ کے وضع کردہ قانونِ طبعی کے مطابق کسی دائرہ میں رواں دواں ہے۔اس تعمیلِ قانونِ الٰہی سے اللہ کی بے سقم و خامی سے پاک حکمت اور اس کی قوتِ غالبہ کا عملاً اقرار کر رہا ہے۔

2۔ اللہ کے قوانینِ طبعی کی پابندی ہر مادّہ و وجود کرنے کا پابند ہے۔بے شعور مادی دنیا یہ پابندی بہ رضا و رغبت کر رہی ہے۔باشعور یا جاندار مخلوقات اگر خوشی ان قوانین کی پابندی نہ بھی کریں تو فطرت ان پر وہ قوانین بہ جبر و اکراہ نافذ کرتی ہے۔

3۔ وہ مخلوقات جنہیں اور جس حد تک کچھ بھی کرنے کا یا نہ کرنے کا اختیار اللہ نے دیا ہے انہیں قوانینِ فطرت سے باخبر کر دیا گیا ہے۔انکے اتباع میں فلاح اور انحراف میں تباہی لازم کر دی گئی ہے۔یوم قیامت کا مالک آخر کار جزا اور سزا اسے اپنے بے عیب قوانین کے اتباع یا ان سے انحراف کی بابت فیصلہ اپنی قوتِ غالبہ سے کر دے گا۔

4۔ انسان کی یہ فضیلت ہے کہ اللہ کی مخلوقات پر اس یقین سے غور و فکر کرے کہ یہ سب نظام بغیر کسی قانون کے نہیں ہے اور ان قوانین کو دریافت کرے۔ان سے استفادہ کرے اور نقصان سے تحفظ اختیار کرے۔یہ تسبیح عملی ہے۔

تسبیح کی برکت

اللہ نے تسبیح کی ایک عظیم برکت کا انکشاف فرمایا ہے جو ہمارے لئے نہایت مفید خبر اور مصائب سے نجات کا راستہ ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ حضرت یونس کو جب مچھلی نے نگل لیا تو حضرت یونس کی تسبیح کرنے کی عادت کی وجہ سے اللہ نے انہیں اس مصیبت سے نجات دی۔

ارشاد ہے:

Marfat.com

فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ O لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ O

آیات نمبر 143,142 الصّٰفّٰت نمبر 37

ترجمہ: اگر وہ (یونسؑ) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو روز قیامت تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا۔

اسی طرح آیت نمبر 88 انبیاء نمبر 21 میں حضرت یونسؑ کی اس عرضداشت کا ذکر کیا گیا جب انہوں نے کہا کہ "تو تو سبحان ہے غلطی میری تھی" پھر انہیں غم سے نجات دینے کا ذکر فرما کر ارشاد ہوا: وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ O (اور ہم اسی طرح مومنوں کو (غم سے) نجات دے دیا کرتے ہیں)۔

گویا اللہ کی ذاتِ اقدس کو سبحان گردانتے رہنا___ (یعنی اللہ کو بے عیب اور غالب قوت کا حامل تسلیم کرتے رہنا) مصیبتوں سے نجات کا یقینی طریقہ ہے۔ اللہ نے اپنی عادتِ مبارکہ کا ذکر فرما دیا کہ تسبیح کرنے والے مومنوں کو ہم غم سے نجات دے دیا کرتے ہیں۔

لہٰذا عملاً تعمیلِ رب کی تسبیح کے علاوہ زبان سے بھی تسبیح کا ورد بہت مفید ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ط

Marfat.com

THE THINKING OF MOHANMMAD (May his respect be elevated)

Historically the progressive development in the awakening and awareness of the human mind about the matter (within the approach of his five senses) of this world, proportionately diminished his interest and capacity to appreciate and realize the spiritual and moral aspect of human life. Similarly the glamour of the visible world dimmed his sense of invisible God and of live after death, or his accountability before his creator.

This state of human mind led him to invent visible gods (idols) and investing such gods with superior spiritual powers. He started to worship such self invented gods and to please them for superior favours.

Hazrat Mohammad was the first, as also the last, human being whose thinking was completely balanced about the material and spiritual aspects of life, in its true perspective. His great and honest thinking did not ignore the importance of either of the two aspects.

It is however essential to divide this greatest man's thinking in two phases, i.e. as a man in society and as an apostle of God.

Hazrat Mohammad's personal thinking, before commencing his prophet hood, was mostly based on his thinking on the social and moral degradations into which the Arabs and the surrounding nations had fallen. His thinking had

Marfat.com

identified the darkness and the evils prevailing around him in religious and social beliefs and practices. But the way out of this darkness and the pathway to light and truth was totally abscure, hazy and mistful.

He had a very deep urge to find a straight path to the truth and was always thoughtful. His sincerity and depth of this urge ultimately received the blessing of guidance from God in form of revelations. The obscurity gradually thinned and vanished. He gained the knowledge of truth and conveyed it to the believers.

After the revelation of Quran started the thinking of Hazrat Mohammad got completely blended, diffused and was guided by revelations. Thenceforth his thinking was no more a simple human wisdom. It attained the divinity of prophet-hood and truth of an honest messenger of God. He was destined to convey the complete message of God, in words and in practice. This thinking roughly deprecates every evil to the minor most decree, and comprehensively show path to the peaks of morality, purity and wholesome gratification of body and soul.

The salient points of the preaching of Hazrat Mohammad may be, very briefly, stated as under:

1. God is only one having no equal. He is the creator of all universe. He is greatest and immortal and the sole master of the day of judgment (Resurrection day). He only

deserves to be worshiped and be begged for help;

2. All human beings are successors of Adam (and eve) who was created out of clay;

Adam was blessed with multiple sort of knowledge and best capabilities amongst all other creations of God. He was appointed God's deputy on earth. Other creations were to work for benefit of human beings and are subordinated to his command by virtue of his knowledge of laws of nature, as formulated by God;

Human beings are supposed to (and are capable of) discover and make use of laws of nature, with which their first Ancestor, Adam, was acquainted;

Human beings are answerable only to God, the ultimate authority, the only benefactor. Use of any authority by a person in violation of the moral values, prescribed by God, attracts condemnation to hell. Exercise of authority, in accordance with his prescribed moral laws, merits to be rewarded with heaven. Every persons final accountability will be on resurrection day, in the second life, hereafter;

3. God has been revealing the moral law through his prophets. Those laws have finally been completed by His guidance, through Hazrat Mohammad, by revelation of Quran;

4. The present life is not the end of life. Life hereafter is permanent and enduring. The

Marfat.com

present life is, in fact, a test for the success of failure in the other life. One who endeavours otherwise, he fails.

5. The moral laws prescribed by God for human beings broadly cover 3 aspects of human life:
   a. Laws governing his relationship with his creator and master;
   b. Laws governing his relationship with other human beings; and
   c. Laws governing his attitude toward the universe, specially earth. He is supposed to discover all the set laws of nature made by God. Then make use of this knowledge for benefit of human beings. This is an endless field of work.

6. Mohammad (peace be upon him) never preached to ignore the material aspect of this life. It's importance is fully recognized. A human being is the combination, of soul and body, both. Soul without body, or body without soul, is not a human being. He does not preach to negate the material needs, nor to go in resignation to attain spiritual purity. What he preaches is to satisfy all material needs or desires, within the moral limits, and not by violating those limits. Hazrat Mohammad, however preaches, that if there be a clash in moral limits and material requirements, then protect moral

Marfat.com

values and sacrifice the material need. It is because the spiritual and moral welfare is enduring and permanent. This law also provides a limited relaxation. If violation of a moral law is essential to save life, then save life. But such violation should not be habitual nor should be a gesture of disrespect. Thus Hazrat Mohammad provided the best balance between sprit and matter.

7. The last point of importance in the discourse is, in fact, more important. All of his thinking was not only a theoretical preaching. He fulfilled a divine duty of practicing the truths he preached. He set an example, for all who follow him, in all walks of life. His preaching and practice never fails to guide nor will ever fail. God may always enhance his respect.

Sahebzada Rashed Mehmood Gangohi
Advocate Supreme Court.

Marfat.com

تین سوال

ہمارے ملک میں جب اور جہاں بھی قدرو منزلت ملی، ہمت افزائی اور سرپرستی میسر آئی صلاحیت اور ہنر مندی ابھر کر سامنے آئی۔ ٹیکسٹائل سے لے کر ایٹمی شعبوں تک باصلاحیت افراد موجود رہے۔ مگر سیاسی انتشار، حکومتی کرپشن، سرمایہ کار کا اپنے سرمایہ کے ضیاع کا خوف، بیرونی دباؤ اور تحفظ کے قوانین کی عدم موجودگی کی وجہ سے قومی صلاحیت (Talent) موجود ہونے کے باوجود استفادہ سے ہمیشہ محروم رہا ہے۔ ذہین اور باصلاحیت افراد کی بے مائیگی نے انکے Telent کو کبھی ابھرنے نہیں دیا۔ Telent کا یہ ضیاع قومی نقصانِ عظیم ہے۔ ہم صرف دوسری اقوام کی بھونڈی نقالی کو ترقی کی معراج تصور کرتے ہیں۔ اختراعات اور ایجادات سے عام طور سے محروم ہیں۔

انگریز کے دورِ حکومت کی طرح آج بھی زمین میں پوشیدہ قیمتی پتھر، معدنیات، تیل، گیس وغیرہ کے خزانے قانوناً حکومت کی ملکیت ہیں۔ ان ذخائر کی دریافت پر رائلٹی (آمدنی میں حصہ) آج بھی نہیں ملتا۔ پھر کوئی فرد یا ادارہ ان ذخائر کی دریافت میں کیوں وقت اور پیسہ لگائے گا۔ اگر ایسی دریافت پر دس فی صد رائلٹی کا قانونی حق ہو اور ملنے کا یقین ہو اور اس سہولت کی خاطر خواہ تشہیر بھی کی جائے، اسی طرح ہر ایجاد کی رجسٹریشن کا یقینی نظام رائج ہو اور ہر نئی ایجاد اور دریافت موجد اور دریافت کنندہ کے مستقبل کی ضمانت ہو تو دریافتوں اور ایجادات کا طوفان آسکتا ہے اور ہم اپنے زورِ بازو اور علم کی بنیاد پر باعزت قوم بن سکتے ہیں۔ بنک اور سرمایہ کار تجارتی مقاصد کے لئے ان منصوبوں پر سرمایہ کاری کریں اور موجد / دریافت کنندہ کا اسے جائز حصہ ملتا رہے تو ہم سائنسی علوم کے اعتبار سے بالکل نئی قوم بن سکتے ہیں۔

پاکستان کے ایک نوجوان انجینئر نے گھریلو اور صنعتی ضرورت کے لئے ایک نہایت کم خرچ پمپ اور ٹربائن ایجاد کیا۔ بااختیار اہلِ حکومت کے سامنے اس کا مظاہرہ کیا۔ داد ملی، تالیاں بجیں اور ختم۔ حکومت کو عوام کی سہولت کے بجائے وہ کروڑوں کا ریونیو عزیز ہے جو واپڈا کے ذریعہ وصول ہو رہا ہے۔ عوام کی کمر جھکے یا ٹوٹ جائے انہیں کیا۔ ایسی بے شمار مثالیں گم نام موجدوں کی ملیں گی جو عدم توجہی اور بے مائیگی کا شکار ہو گئے یا ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

اسی قسم کے تین سوالات میرے ذہن میں ایک عرصہ سے ہیں کہ شاید ان کا کوئی حل نکل آئے۔

پہلا سوال

مروج ہتھیاروں کا حصول ایک قومی ضرورت ہے جسکے لئے بے شمار جتن اور کھربوں روپیہ کا خرچ دفاع کے لئے ناگزیر ہے۔ کیا ہم کسی نئے ہتھیار کی ایجاد سے قاصر ہیں جو ہمیں دس بیس سال دفاع کی طرف سے بے فکر کردے۔

آواز وہ قوت ہے کہ اس کے ارتعاش کی کمی بیشی یا ردھم سے مضبوط ترین اشیاء بھی ٹوٹ سکتی ہیں۔ مگر آواز کا ہتھیار آج تک ایجاد نہیں ہوا۔ کیا ہم آواز کے ارتعاش پر قابو حاصل کر کے اس کی Fre-quency سے معدنی ہتھیاروں اور حیاتیاتی خلیوں کو توڑنے (Disintegrate) کرنے کی قوت حاصل نہیں کر سکتے۔ کیا اس سمت میں کوئی کوشش ہوئی؟

دوسرا سوال

کیا زمین کی قوتِ کشش کو حسبِ منشا غیر مؤثر یا کم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسی کوئی چیز ہم ایجاد دریافت کر سکیں تو ایندھن کے خرچ اور رفتار میں ہمیں ناقابلِ یقین فوقیت حاصل ہو سکتی ہے۔

فراعنۂ مصر کے اہرام میں جو وزنی پتھر لگے ہیں اور وہ جس فاصلہ سے آئے ہوں گے اور جس طرح اہرام کی تعمیر میں ان سے کام لیا گیا ہے وہ آج تک ایک لاینحل معمہ ہے۔ مگر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ فراعنۂ کے معماروں نے زمین کے عملِ کشش کو معدوم یا کم کر کے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہوگا۔

سب سے بڑے اہرامِ مصر میں 26 لاکھ پتھر لگے ہیں۔ ہر پتھر کا وزن $12\frac{1}{2}$ ٹن ($28x12\frac{1}{2}$ من) ہے۔ وہ پتھر جائے تعمیر پر 3 ہزار میل دور جھیل وکٹوریہ کے علاقہ سے لائے گئے ہیں اور ہر پتھر کی درز سے درز ملی ہوئی ہے۔ اور تعمیر انسانی زندگی کے وقفہ سے بھی کم وقت میں مکمل کی گئی۔ مگر کیسے؟ یہ پتھر کیسے لائے گئے اور کیسے لگائے گئے۔ ایک ہی امکان ہے۔ زمین کے عملِ کشش کو معطل کر کے۔

کیا ہم عملِ کشش پر کسی صورت قابو حاصل نہیں کر سکتے؟

Marfat.com

میرا سوال

اگر بچوں کی کھلونا گاڑیاں، ٹرک اور ٹرین بیٹری سیل سے چل سکتی ہیں تو کیا بڑی بیٹری سے بڑی گاڑیاں نہیں چلائی جا سکتیں۔ وہ بڑی بیٹریاں جنریٹروں کی مدد سے مسلسل چارج بھی ہو سکتی ہیں۔ ضرورت ایسی بیٹریاں بنا لینے اور ان سے یہ کام لینے کی ہے۔ یہ کام تجربات مانگتا ہے۔ ناممکن ہرگز نہیں۔ اگر پاکستان اس کوشش میں کامیاب ہو جائے تو چند سال میں لاکھوں گاڑیاں بنا کر ملکی بچت اور برآمد گی سے بے حساب منافع کمایا جا سکتا ہے۔

کیا ہم صرف نقل کر لینے کی کوشش کو کامیابی کہہ سکتے ہیں۔ خود کچھ ایجاد کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں کر سکتے؟

Marfat.com

اختتام

مسلمان

کے مجمل، جامع اور آسان خصائل

ترجمہ آیات نمبر 37 تا 42 الشوریٰ نمبر 42

I۔ جو بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں،

II۔ اور غصہ میں در گذر کرتے ہیں،

III۔ اپنے رب کی طرف دھیان رکھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں،

IV۔ اور اپنے تمام معاملات میں مشورہ کرتے ہیں،

V۔ اور جو رزق ہم نے دیا ہے اس میں سے نیک راہ میں خرچ کرتے ہیں،

VI۔ اور جب ان پر زیادتی کی جائے تو اس کا مقابلہ (Resist) کرتے ہیں،

VII۔ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے پھر جو کوئی اصلاحِ حال کے لئے معاف کر دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے،

VIII۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا،

IX۔ جو لوگ ظلم کا بدلہ لیں ان پر ملامت نہیں کی جاسکتی،

X۔ ملامت تو ان کے لئے ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر بلا جواز زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے،

یہ دس احکامات نہایت سادہ اور تمام زندگی پر محیط ہیں۔ اللہ ہمیں ان احکام کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق دے۔ آمین

تمت بالخیر

حضرتِ محترم ــــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

" فروغِ آگہی " کے مضامین آپ کی خصوصی توجہ اور غور و فکر کے مستحق ہیں۔ مصنف کی ہر رائے سے آپ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ مگر دلائل پر توجہ ضرور فرمائیں۔

اگر س مطالعہ کو آپ کسی اعتبار سے مفید پائیں تو اپنے حلقۂ تعلق میں اس کتاب کا تعارف ضرور کرائیں۔ شاید کہ کوئی دوسرا قاری اسے زیادہ مفید پائے۔ شکریہ۔

قیمت فی جلد =/135 روپیہ بشمول ڈاک خرچ

(3 یا زائد کتابوں پر قیمتِ خرید =/100 روپیہ فی جلد ہے)

منی آرڈر / ڈرافٹ کے لئے پتہ :-

سیف الرحمٰن

" بُک ہٹ " 5/9، سوِک سینٹر، عباس پلازہ، مون مارکیٹ گلشنِ راوی، لاہور

یا

262/C گلشنِ راوی، لاہور

بذریعہ ڈاک ترسیل کے لئے پتہ مفصل اور صاف لکھیں

(وی۔ پی ارسال نہیں کی جائے گی)

خیر اندیش ــــ ناشر

فرمودہ قانون کے مطابق کر رہے ہیں۔ جس جہت میں فرشتوں نے اپنا فرض انجام دینا ہے اس جہت کا انہیں پورا علم دیا گیا ہے۔ مگر دیگر علوم کی ان میں صلاحیت ہی نہیں۔ وہ لاعلم ہیں۔ آگ کے فرشتوں کو برف کی بابت علم نہیں۔ ہوا کے فرشتے پانی کے قوانینِ فطرت سے لاعلم ہیں۔ طمانیت کے قوانین سے آشنا فرشتے اضطراب کے قانون سے ناواقف ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ گویا فرشتوں کی علمی صلاحیت ان کے کام تک محدود ہے۔

آدم وہ تنہا مخلوق تھا جسے مجموعی علوم کی صلاحیت عطا ہوئی۔ وہ مادی علوم سے بھی اور روحانی علوم سے بھی مزین کیا گیا تھا۔ یہ اجتماعی علوم کے کسب کی صلاحیت تھی جس نے اسے فرشتوں پر فوقیت عطا کی۔ وہ آگ، پانی، تجلی، برف، ہوا، سمندر، پہاڑ، طمانیت، اضطراب، عظمت وذلت غرضیکہ ہر علم کے حصول کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس علم کے سبب وہ فائق ہوا۔

رسولِ کریم ﷺ شرفِ آدمیت کی عروج پر فائز تھے مگر اس فوقیت میں اضافہ کے لئے مزید دعا کرتے رہنے کا حکم ہوا۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (آیت نمبر 114 طٰہٰ نمبر 20)

ترجمہ: (اے نبی) کہو کہ میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ.

ترجمہ: ہر مسلمان مرد و عورت پر حصول علم فرض ہے۔

علم الاسماء

اب دوسرا سوال کہ علم الاسماء سے کیا مراد ہے؟

اس سوال کا جواب اللہ کے اس ارشاد میں ہے کہ:

لَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی o (اسی اللہ کے لئے تمام اچھے نام ہیں)

یہ اسماء حسنیٰ دراصل اللہ کے صفاتی نام ہیں اور اللہ کی ہر صفت اس کی قوتِ فعلیہ کا مظہر ہے یعنی کسی نہ کسی جہت میں اس کی قدرت کے قوانینِ فطرت کا علم۔ اسماء کا علم ہے۔

مثال کے لئے یوں سمجھئے کہ وہ خالق ہے تو پیدا کرنے کے ہر عمل کے کچھ قوانینِ فطرت

Marfat.com

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

جزآیت نمبر 6 المائدہ نمبر 5

(اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا ۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ
تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر مکمل کرے شاید کہ تم شکر گزار ہو)

خود ساختہ روایات و توہمات سے پاک چند بنیادی حقائق ۔

فروغِ آگہی

تعارف :-
شرک ۔
امامت الناس ۔
بعد از خدا ۔
معراج النبی ۔
ازواج النبی ۔
عورت کا مقام ۔
غیر اسلامی پردہ ۔
طلاقِ بدعت ۔
میک اپ اور نماز ۔
شیعہ بزرگ کا
مراسلہ اور جواب ۔
تصویر و تمثیل ۔
شہید کی زندگی ۔
مسلمان اور
مخلوط معاشرہ

تصنیف

صاحبزادہ راشد مسعود گنگوہی
(ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)
262/C گلشنِ راوی، لاہور ۔
(نبیرہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ)

ملنے کا پتہ :- بک ہٹ ۔ دکان نمبر 5/9 عباس پلازہ، مون مارکیٹ، گلشن راوی لاہور ۔